حاصلِ مطالعہ

مُصنف

سیّد الطاف علی بریلوی

مُقدمہ

پروفیسر ڈاکٹر غلام مُصطفےٰ خاں ایم اے، پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ

صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

Marfat.com

حاصلِ مطالعہ

★

★ تصنیف :-

سیّد الطاف علی بریلوی

★

مقدّمہ

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ایم اے۔ پی۔ ایچ ڈی۔ ڈی لٹ

صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی۔ حیدرآباد

Marfat.com

136949

جملہ حقوق دائمی بحق کانفرنس اکیڈمی محفوظ،

ناشر

ڈائرکٹر اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ
آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس
سعیدہ منزل متصل سرسید گرلس کالج ناظم آباد۔ بی روڈ۔ کراچی

طبع اوّل

تعداد .... ایک ہزار
قیمت .... Rs. 50/- ..[redacted]

Accountant,
A. P. Educational Conference.

مطبوعہ

ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس۔ کراچی،

۱۹۶۷ء

اِنتسَاب

اے برتر از خیال، قیاس و گمان و وہم

وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر

ماہم چناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم،

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

(از مصنف)

مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی (نواب صدر یار جنگ) نے اس عنوان کے تحت کہ "مقدمہ کیا ہے"؟ تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"اس دورِ عجیب میں جہاں مولفین اور مصنفین کی کثرت ہے وہاں مقدمہ نگار بھی روزافزوں ہیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ کم تر مقدمے پڑھنے کے قابل ہوتے ہیں یا یوں سمجھئے کہ بہت کم مقدمے "مقدمے" ہوتے ہیں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ "تقریظ" اور "مقدمہ" میں امتیاز نہیں کیا جاتا۔ مقدمہ لیا گیا ہے۔ مقدمۃ الجیش سے جب ہم صاحب جیش تھے تو مقدمۃ الجیش کو خوب سمجھتے تھے کہ کیا ہے؟ اب نہ جیش نہ مقدمۃ الجیش۔ روزمرہ کے مشاہدہ سے مدد لیجئے۔ آپ جب کاروبار کے کسی ممتاز مرکز پر گذریں گے تو دیکھیں گے کہ دوکانوں کے سامنے کا ایک حصہ سلیقے اور دلفریب طریقے سے آراستہ سب سے اول باصرہ نواز ہوگا۔ یہ اپنی دلفریبی سے نگاہ کو

Marfat.com

اپنی جانب متوجہ کرے گا اور متوجہ ہونے پر جب
نگاہ تفصیل کی جویا ہوگی تو وہ بتائے گا کہ آپ کو
جو جنس دوکان میں ملے گی وہ کیا ہے۔ بعینہٖ یہی حال
ایک کتاب کے "مقدمہ" کا ہے۔"

جناب شیروانی صاحب کے بیان کردہ معیارِ مقدمہ نگاری پر بابائے اُردو مولوی عبدالحق۔ مولانا احسن مارہروی اور زمانۂ حال میں مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا ماہرالقادری کے لکھے ہوئے مقدمے، تنقیدیں اور تبصرے بدرجۂ اتم پورے اُترتے ہیں۔ ان حضرات نے جس کتاب پر لکھا اس کے موضوع اور مطالب پر محققانہ بحث کی۔ خوبی بھی دکھائی اور عیب بھی۔ اسی کے ساتھ قارئین کے لئے خود اپنی رائے قائم کرنے کا موقع بھی فراہم کیا۔ انکی تحریریں صفائی بیان۔ محاورہ۔ ادب اور معلومات کا خزینہ ہیں۔

راقم نے بھی ان بزرگوں کی تقلید میں وقتاً فوقتاً کتابوں اور مقالات پر کچھ مقدمے، دیباچے، پیش لفظ، تبصرے، اور تعارفی نوٹ، وغیرہ لکھے اور وقتی طور پر ان کو محفوظ کر دینے کے خیال سے اپنی ادارت میں شائع ہونے والے سہ ماہی رسالہ "مصنف" علیگڈھ اور "العلم" کراچی میں شائع کیا۔ لیکن اخبارات اور رسالوں کی عمر کاغذ کی ناؤ جیسی ہوتی ہے جو تھوڑے عرصہ اپنی بہار دکھا کر نسیاً منسیا ہو جاتی ہے۔

جس طرح ایک شاعر جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو اپنے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ

منتشر کلام کو جمع کر کے اپنا دیوان جمع کرتا ہے بالکل اسی طرح بعض احباب کے مسلسل اصرار پر کچھ عرصہ سے میں بھی اپنے مختلف النوع نثر پاروں کو الگ الگ موضوعات کے تحت یکجا کر کے ان کو کتابی شکل دے رہا ہوں۔ کیونکہ جبتک کتاب نہ بنے۔

"نوشتہ بماند سیاہ بر سپید"

کا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ "حیاتِ حافظ رحمت خاں" اور "مسلمانوں کی تعلیمی جد وجہد" وغیرہ پرانی کتابوں سے قطع نظر، میری حال میں شائع شدہ کتابیں "طالب علم کی ڈائری" "تعلیمی مسائل — پس منظر اور پیش منظر"۔ "راہی و راہ نما" اور اب یہ کتاب "حاصلِ مطالعہ" اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

کہن خرقۂ خویش پیراستن
بہ از جامۂ عاریت خواستن (سعدی)

مجھے اعتراف ہے کہ زیرِ نظر کتاب میں میرے لکھے ہوئے یہ مقدمے اور شذرات مذکورہ اساتینِ ادب کی نگارشاتِ عالیہ کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے لیکن پھر بھی ان کا ایک فائدہ مسلّم ہے کہ وہ کتابیں اور مقالے جن پر کچھ لکھا گیا ہے کم از کم ان کا تعارف ضرور ہو جاتا ہے۔ مقصد یہ کہ متفرق طور پر جو چیزیں جا بجا بکھری ہوئی ہیں ان کی یکجائی طور پر یا دتازہ ہو جائے اور اہلِ علم و تحقیق کو بھولی بسری مطبوعات کی از سرِ نو نشاں دہی ہو جائے محض اپنا کمالِ انشاء پردازی دکھانا ہرگز میرا مقصود نہیں ہے۔

کتاب کا حصہ اول کتابوں سے متعلق ہے اور حصۂ دوم مقالات کے

Marfat.com

بارہ میں ہے۔ کتابوں اور ان کے مصنفین و مؤلفین کے اسماء تو کتابوں کی فہرستوں اور کتب خانوں کے رجسٹروں میں بھی مل جاتے ہیں لیکن ایک سے ایک بلند پایہ مقالہ رسالوں میں چھپنے کے بعد جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا فراموش ہو جاتا ہے اور اگر کسی شخص کو اس کی کبھی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کا پتہ لگانا دشوار ہو جاتا ہے، اسی صورت حال کے پیش نظر بعض مؤقر جرائد مثلاً "اسلامک کلچر" حیدر آباد۔ "رجرنل آف دی پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی"، کراچی۔ "نوائے ادب" بمبئی۔ "ثقافت" لاہور "صحیفہ"، لاہور۔ "قومی زبان" کراچی اور "کتابی دنیا" کراچی نے اپنے یہاں "مقالہ نما" کچھ عرصہ سے شائع کرنا شروع کئے ہیں۔ "معارف" اعظم گڈھ اور "برہان" دہلی میں بھی شائع شدہ مقالات کے "اشاریئے" سال بہ سال طبع ہوتے ہیں۔

میں نے اپنے تحریر کردہ مقالوں۔ دیباچوں اور تعارفی نوٹوں کا نام "حاصلِ مطالعہ" اس وجہ سے رکھا ہے کہ "مقدمات" کا لفظ "مقدماتِ عبدالحق" کے لئے مخصوص ہو چکا ہے اور اس پر دست درازی کی میں جسارت نہ کر سکتا تھا۔ مطالعہ کے سلسلہ میں یہ عرض کرنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اپنی زندگی میں مختلف موضوعات پر ہزارہا کتابیں اور مضامین پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ لیکن ان سب پر لکھنے کی نہ تو توفیق ہوئی اور نہ ہی یہ ممکن تھا۔ پوری زندگی کے تمام تر فکر و مطالعہ کو قلم بند کرنا شاید کسی کے بھی بس کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۹۶۴ء میں شائع شدہ آٹھ سو صفحات کے "مقدماتِ عبدالحق" کے "اضافہ شدہ اڈیشن" میں بھی صرف ۴۰ کتابوں

Marfat.com

پر جناب مولوی صاحب نے قلم اُٹھایا ہے۔ دراںحالیکہ اپنی طویل حیاتِ مبارکہ میں کم از کم چون ہزار کتابیں تو ان کے زیر مطالعہ آئی ہوں گی۔ اس حساب سے میری جانب سے پچاس کتابوں اور چھتیس مقالات پر نقد و تبصرہ کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونے کا مصداق ہے اور اگر میری ناچیز تحریروں کے ذریعہ ناظرین میں اصل کتابوں اور مقالات کو مطالعہ کرنے کا ذوق و شوق پیدا ہو جائے تو سمجھوں گا کہ میری حقیر کوشش بار آور ہو گئی۔

آخر میں مجھے مخدومی پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ایم، اے پی، ایچ ڈی، ڈی لٹ۔ صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی حیدر آباد کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرنا ہے کہ انہوں نے میری اس بے قیمت کتاب کو اپنے فاضلانہ مقدمہ سے قیمتی بنا دیا۔ موصوف اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں کے عالم اور متعدد علوم کے ماہر ہیں۔ لہذا آپ کے لکھے ہوئے کلماتِ تحسین میرے لئے حد درجہ ہمت افزا اور قابل فخر ہیں۔ میں اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے ارباب کار اور مرکزی وزارتِ معارف حکومتِ پاکستان کا بھی سپاس گذار ہوں کہ ان کے تعاون اور سرپرستی کی بدولت میری یہ کتاب نیز دوسری چند کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر آسکیں۔

سید ارتضیٰ علی کرمانی [signature reading uncertain]

۵ اسحٰق منزل، کراچی

۲۴ فروری ۱۹۶۷ء

Marfat.com

Marfat.com

مقدّمہ

از جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ایم۔اے۔پی،ایچ ڈی۔ڈی لٹ
صدر شعبۂ اُردو سندھ یونیورسٹی۔ حیدر آباد

برصغیر پاک و ہند کی اسلامی تاریخ میں بیسویں صدی کا نصف اوّل، انیسویں صدی کے نصف آخر کا بہتر مثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ دوران کوششوں اور کاوشوں کی بار آوری سے متعلق ہے جو ہمارے اسلاف نے ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں ناکامی کے بعد، بدلے ہوئے حالات کے تحت شروع کی تھیں۔ سرسید اور ان کے رفقائے کار ہماری نشاۃ ثانیہ کے سربراہوں میں تھے۔ انہوں نے غیر منقسم ہندوستان میں اسلامی تہذیب و تمدن، معیشت و معاشرت اور ادب و علوم کے جو خاکے مرتب کئے تھے وہ تشنۂ تکمیل رہ جاتے اگر ان میں رنگ بھرنے کے لئے بعض نہیں، بلکہ بکثرت مخلص حضرات بعد میں پیدا نہ ہوتے۔ اور یہ انتظام قدرت ہی کی طرف سے ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایک ملک یا قوم میں جب کوئی بڑی تحریک جنم لیتی ہے تو اگرچہ اس کے بانی رخصت ہو جاتے ہیں، مگر بعد میں ایسے اشخاص و افراد عموماً اُبھرتے رہتے ہیں جو اس کام کو آگے بڑھاتے ہیں۔ سرسید نے جو قومی تحریک شروع کی تھی اس کے لئے بھی یہی ہوا اور وہ تحریک

Marfat.com

بالواسطہ آج بھی جاری ہے اور خود پاکستان کا وجود و قیام اسی تحریک کا ثمرہ ہے۔

سیّد الطاف علی بریلوی صاحب بھی عملی طور پر اسی تحریک سے وابستہ ہیں۔ وہ علیگڑھ کے پروردہ بھی ہیں اور اس تحریک کے سرگرم کارکن بھی۔ ان کا کردار اس حیثیت سے بہت نمایاں ہے کہ انہوں نے سن شعور کو پہنچنے کے بعد ہی جو اس کوچے میں قدم رکھا تو پھر اس کی روایات سے سرمو انحراف نہیں کیا۔ وہ ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے اور ۲۰۔ ۲۵ برس کی عمر سے نمایاں طور پر اس تحریک میں حصہ لیا اور آج بھی وہ جوانوں سے زیادہ ہمت و استقلال کے ساتھ اسی راہ میں گامزن ہیں۔ یہاں بریلوی صاحب موصوف کی سوانح حیات بیان کرنا میرا مقصد نہیں اور اس کی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ انہوں نے علمی اور تعلیمی میدان میں قومی فلاح و بہبود کے جو اَن گنت کام کئے ہیں اور جن کی ایک مکمل تاریخ ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ صرف ان کی تصانیف کی تعداد سے بھی ان کی خدمات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، علاوہ ازیں، ان کے حالات اور خدمات کا ایک مختصر جائزہ عزیزگرامی جناب پروفیسر محمد ایوب قادری نے ان کی کتاب "تعلیمی مسائل" کے مقدمے میں پیش کر دیا ہے جو اپنی جگہ جامع و مانع بھی ہے۔

بریلوی صاحب کی تصانیف کی تعداد قریب ایک درجن تک پہنچتی ہے اور ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جو بار بار چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ اور

Marfat.com

ملک کے اہل علم حضرات سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ بعض اس پائے کی بھی ہیں کہ وہ اپنے موضوع پر حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہیں، اسی لئے ان کے ترجمے بھی دوسری زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ اردو کے علاوہ بریلوی صاحب انگریزی تحریر میں بھی بڑی مہارت رکھتے ہیں اور ایسی رواں دواں زبان لکھتے ہیں کہ ان کی اعلیٰ دستگاہ کا معترف ہونا پڑتا ہے۔

مجھے اس وقت بریلوی صاحب کی جس کتاب کی "تقدیم" کا فرض ادا کرتا ہے وہ بظاہر کوئی مستقل تصنیف نہیں یعنی کسی ایک موضوع سے متعلق نہیں بلکہ وہ مختلف کتابوں پر تبصروں اور تعارفی تذکروں کا مجموعہ ہے۔ تاہم اس کی اشاعت فائدے سے خالی نہیں۔ ان تحریروں کا زمانہ ۱۹۳۳ء سے شروع ہو کر اوائل ۱۹۶۷ء پر ختم ہوتا ہے۔ گویا ایک تہائی صدی پر پھیلا ہوا ہے۔ تبصرے میں شامل کتابیں، اردو، فارسی اور انگریزی زبانوں سے تعلق رکھتی ہیں جو اکثر مشاہیر اہل قلم کی کاوشِ فکر کا نتیجہ ہیں اور اہم موضوعات کو احاطہ کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی افادیت اور اہمیت مسلم ہے۔ دوسرے اہل قلم حضرات کی تصانیف پر تبصروں کے علاوہ اس مجموعے میں خود مصنف کی بعض کتابوں کے دیباچے بھی شامل کر دیئے گئے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ وہ اگر دوسروں کے متعلق کھل کر کہتے ہیں تو ساتھ ہی اپنی تحریر کے کسی پہلو کو پوشیدہ رکھنا نہیں چاہتے۔

میں نے یہ مجموعہ شروع سے آخر تک جستہ جستہ پڑھا اور استفادہ

Marfat.com

بھی کیا۔ یہ تحریریں جامع اور مختصر ہیں اور ان کے مطالعہ سے نہ صرف بہت سی کتابوں اور ان کے مصنفین کا تعارف حاصل ہوجاتا ہے بلکہ ضمناً بہت سی تاریخی، سیاسی اور ادبی معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ تبصرہ نگاری کے لئے ایسی نظر بہت ضروری ہے اور خوشی کا مقام ہے کہ بریلوی صاحب اس فن کے اصول و آداب سے بخوبی واقف ہیں۔ پھر ان کی تاریخی بصیرت اور وسعت مطالعہ کی جھلکیاں ہر جگہ نظر آجاتی ہیں۔ تاریخ چونکہ ان کا خاص موضوع ہے اس لئے انہوں نے اپنی مستقل تصانیف میں اسلامی ہند کی تاریخ کے بعض ایسے پہلو بے نقاب کئے ہیں جو اب تک نگاہوں سے اوجھل تھے۔ پھر تحقیق و تدقیق سے بعض مشاہیر کی غلط رایوں کا ازالہ کرکے اصلیت اور حقیقت کو آشکار کیا ہے۔ مغرب والے اور غیر مسلم مصنفین جب مسلم مشاہیر پر قلم اٹھاتے ہیں تو اپنے تعصّب اور تنگ نظری کی بناء پر ان کے حالات کو مسخ کرکے پیش کرتے ہیں۔ بریلوی صاحب نے بڑی جرأت و بیباکی سے ایسے بد دیانت مصنفین کی پردہ دری کی ہے اور صداقت کی تلاش میں بہت دور دور تک جا نکلے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ہر کس و ناکس کے بس کا نہیں اور شکر ہے کہ یہ کام جو مولانا شبلی نے شروع کیا تھا آج بھی بریلوی صاحب جیسے ذی علم اسے جاری رکھے ہوئے ہیں۔

فاضل مصنف کی زبان، اسقام سے پاک ہے۔ ان کا طرزِ تحریر رواں اور شگفتہ ہے۔ ان کی پختہ کاری اور کہنہ مشقی، لائق صد ستائش ہے۔ پھر ان

Marfat.com

کی اُستادانہ مہارت جس طرح خود ان کی کتابوں میں نظر آتی ہے، اسی طرح اس مجموعہ میں بھی نمایاں ہے۔ اس کتاب کا پہلا مضمون بریلوی صاحب کی اپنی کتاب "حیاتِ حافظ رحمت خاں" کا دیباچہ ہے جو ۱۹۳۳ء میں لکھا گیا تھا اور آخری مضمون "انشائیے" پر تعارف ہے جو جنوری ۱۹۷۶ء میں ضبطِ تحریر میں آیا۔ گویا یہ مجموعہ مصنّف کی زبان اور اندازِ بیان کے ارتقاء کا ایک آئینہ ہے۔ اس میں آج کی زبان اور تقریباً چالیس سال پہلے کی زبان دونوں موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی زبان ایک نہج پر قائم نہیں رہ سکتی اور اس کی بدلتی ہوئی کیفیت دراصل مصنف کی پختہ کاری اور ارتقا پذیری کی دلیل ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ فاضل مصنف نے مقدم کو موخر کے رنگ میں پیش نہیں کیا، جیساکہ اکثر حضرات کا معمول ہے۔ اور اس طرح قاری کو ان کے ادبی ارتقا کے سمجھنے کا موقع دیا ہے۔

آخر میں میری دُعا ہے کہ اللہ پاک، فاضل مصنف کو سلامت باکرامت رکھے اور ملک و قوم کو ان سے مستفیض فرمائے۔ آمین۔

غلام مصطفیٰ

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

	صفحہ
★ انتساب	۳
★ پیش لفظ (از مصنف)	۵
★ مقدمہ .... پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ایم۔اے۔پی ایچ ڈی۔ڈی لٹ	۱۱

★ ★ ★ ★ ★

حصہ اول — کتابیں

نمبر شمار	نام کتاب	سنہ	صفحہ
۴	حیاتِ حافظ رحمت خاں (دیباچہ اول)	۱۹۳۳ء	۲۳
۵	رباعیاتِ عرش فاروقی	۱۹۳۹ء	۳۲
۶	محمود گاواں	۱۹۴۲ء	۳۹
۷	قدیم ہندوستان	۱۹۴۲ء	۴۱
۸	یادگارِ نصیر	۱۹۴۲ء	۴۳
۹	نشریات	۱۹۴۲ء	۴۷
۱۰	نقشِ فرنگ	۱۹۴۲ء	۴۸

Marfat.com

۱۱	تمدنِ اسلام کا پیام — بیسویں صدی کی دنیا کے نام	۱۹۴۲ء	۴۹
۱۲	ذکر الحبیب	۱۹۴۲ء	۵۰
۱۳	ہمارے ہندوستانی مسلمان	۱۹۴۳ء	۵۲
۱۴	منتخب سعید	۱۹۴۵ء	۵۴
۱۵	بوستانِ حسرت شیروانی	۱۹۴۹ء	۵۷
۱۶	مستقبلِ اسلام	۱۹۵۱ء	۶۷
۱۷	شرر کے تاریخی ناول	۱۹۵۲ء	۷۶
۱۸	تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت	۱۹۵۴ء	۸۴
۱۹	علیگڑھ میگزین (علیگڑھ نمبر)	۱۹۵۵ء	۸۶
۲۰	رہبرِ نسواں	۱۹۵۷ء	۹۳
۲۱	ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں	۱۹۵۸ء	۹۷
۲۲	جمہوریت اور تعلیم (جلد اول و دوم)	۱۹۵۸ء	۱۰۲
۲۳	تاریخِ تحریکِ آزادی	۱۹۵۸ء	۱۱۱
۲۴	مذاہبِ عالم	۱۹۵۸ء	۱۲۱
۲۵	ارتقائے انسانی	۱۹۵۸ء	۱۲۴
۲۶	پُراسرار کائنات	۱۹۵۸ء	۱۲۸
۲۷	مشاہیر کے تعلیمی نظریے	۱۹۵۸ء	۱۳۰
۲۸	مقدرِ انسانی	۱۹۵۹ء	۱۳۶
۲۹	علم و عمل — وقائع عبدالقادر خانی (الف)	۱۹۶۰ء	۱۳۸

Marfat.com

۳۰	علم و عمل — وقائع عبدالقادر خانی (ب)	۱۹۶۰ء	۱۴۱
۳۱	اُردو زبان اور اسالیب	۱۹۶۱ء	۱۴۳
۳۲	ذکر و فکر	۱۹۶۱ء	۱۴۸
۳۳	حکیم عمر خیام	۱۹۶۱ء	۱۵۰
۳۴	شیخ عبدالقدوس گنگوہی	۱۹۶۱ء	۱۵۷
۳۵	مسلمانوں کا نظام تعلیم (طبع ثانی)	۱۹۶۲ء	۱۶۲
۳۶	مخدوم جہانیاں جہاں گشت	۱۹۶۲ء	۱۶۷
۳۷	گلشنِ بے خار	۱۹۶۳ء	۱۶۹
۳۸	علمائے سلف و نابینا علماء	۱۹۶۳ء	۱۷۵
۳۹	حیاتِ حافظ رحمت خاں (طبع ثانی)	۱۹۶۴ء	۱۷۹
۴۰	عظیم علمائے نفسیات	۱۹۶۴ء	۱۹۶
۴۱	راہی و راہ نما	۱۹۶۴ء	۲۰۲
۴۲	عہدِ بنگش کی سیاسی، علمی و ثقافتی تاریخ	۱۹۶۴ء	۲۰۷
۴۳	آپ بیتی — قاضی لطافت حسین دل ہاشمی بدایونی	۱۹۶۴ء	۲۱۴
۴۴	پاکستانی کلچر	۱۹۶۴ء	۲۱۸
۴۵	سرسید کا علمی کارنامہ	۱۹۶۴ء	۲۲۵
۴۶	تجزیۂ کلام غالب	۱۹۶۵ء	۲۲۸
۴۷	روزگارِ فقیر (جلد اوّل و دوم)	۱۹۶۵ء	۲۳۳
۴۸	اقبال کے تعلیمی نظریات	۱۹۶۵ء	۲۳۸

Marfat.com

۴۹	انوار الصفا	۱۹۶۶ء	۲۴۱
۵۰	اِنشائیے	۱۹۶۷ء	۲۴۴

حصہ دوم — مقالات ۲۵۳

۱	سرگزشت محمد علی خاں عرف جیمی گرین	۱۹۴۲ء	۲۵۵
۲	سرراس مسعود	۱۹۴۳ء	۲۵۵
۳	خطوط — بنام ڈاکٹر مولوی عبدالحق	۱۹۵۱ء	۲۵۶
۴	ہم نے ہندوستان میں کیا چھوڑا؟ (آثارِ اکبرآباد)	۱۹۵۱ء	۲۶۰
۵	وادیٔ نیل سے وادیٔ نجد تک!	۱۹۵۱ء	۲۶۱
۶	خواجہ غلام فریدؒ کی شاعری	۱۹۵۱ء	۲۶۳
۷	اسلام کا معاشی نظام	۱۹۵۲ء	۲۶۴
۸	تعلیمِ انسانی	۱۹۵۲ء	۲۶۵
۹	شمس العلماء مولانا حالی	۱۹۵۲ء	۲۶۶
۱۰	۱۸۱۵ء کا ایک سفرِ بنگال	۱۹۵۳ء	۲۶۷
۱۱	ہماری تعلیم اور اس کی روح	۱۹۵۳ء	۲۶۹
۱۲	تنقیدِ حیاتِ جاوید	۱۹۵۳ء	۲۷۰
۱۳	ہم نے ہندوستان میں کیا چھوڑا؟ (روہیلکھنڈ کی تاریخی عمارات)	۱۹۵۳ء	۲۷۲
۱۴	عہدِ اسلامی میں علمی اور تہذیبی ترقی	۱۹۵۴ء	۲۷۳
۱۵	انسان کی کہانی	۱۹۵۴ء	۲۷۵
۱۶	مسلمانوں کی تعلیم قرونِ وسطیٰ میں	۱۹۵۴ء	۲۷۵

Marfat.com

۱۷	غمِ ترکِ وطن	۱۹۵۴ء	۲۷۶
۱۸	برصغیر پاک و ہند میں آلاتِ حرب کی ایجاد و ترقی	۱۹۵۵ء	۲۷۹
۱۹	مارخیم (ایک گنہگار کے نفسیات کا مطالعہ)	۱۹۵۶ء	۲۸۰
۲۰	اسلام زبان مدارد	۱۹۵۶ء	۲۸۱
۲۱	مولانا مفتی حافظ بخش بدایوانی ؒ	۱۹۵۷ء	۲۸۴
۲۲	مولانا سید مناظر احسن گیلانی — نقوش و تاثرات	۱۹۵۷ء	۲۸۵
۲۳	ابوالطیب متنبی	۱۹۵۷ء	۲۸۶
۲۴	مقدمہ انسانی	۱۹۵۹ء	۲۸۷
۲۵	متنبی کی زندگی کا ایک پہلو	۱۹۵۹ء	۲۸۸
۲۶	مقدمہ — ۱۹۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ	۱۹۶۰ء	۲۸۸
۲۷	یادش بخیر!	۱۹۶۳ء	۲۸۹
۲۸	مولانا سید طفیل احمد منگلوری (علیگ)	۱۹۶۴ء	۲۹۳
۲۹	علیگڑھ میں میرے ۴۴ سال	۱۹۶۳ء	۲۹۴
۳۰	پاکستان کا محفوظ خزانہ — "بلوچستان"	۱۹۶۴ء	۲۹۵
۳۱	کچھ "العلم" کی بابت	۱۹۶۴ء	۲۹۷
۳۲	میرے جیل کے دو سال	۱۹۶۴ء	۳۰۱
۳۳	بیلا شاہ — میرے آبا	۱۹۶۴ء	۳۰۲
۳۴	باقیاتِ نواب وقار الملک	۱۹۶۵ء	۳۰۴
۳۵	مولانا سید محمد سورتی مرحوم	۱۹۶۶ء	۳۰۶
۳۶	سر شاہ سلیمان اور ادبِ اردو	۱۹۶۶ء	۳۰۶

Marfat.com

136949

Marfat.com

۱۹۳۳ء

"حیاتِ حافظ رحمت خاں"

(دیباچہ طبع اوّل)

مصلحت جو مورخین نے ہمارے ملک کی صحیح تاریخ پر تاریکی کا پردہ ڈال کر جیسی جیسی سیاسی اُستادیاں کی ہیں ان کا غیر جانبدار تعلیم یافتہ طبقہ کو احساس پیدا ہو چلا ہے اور اب کوئی دن خالی نہیں جاتا کہ بطور ردِ عمل تاریخ ہند کی اصلی تصویر بروئے کار لانے کے لئے دردمند اور حسّاس اہل قلم کا کوئی نہ کوئی کامیاب نتیجہ ہمارے مشاہدہ میں نہ آجاتا ہو۔

علّامہ شبلی۔ لالہ لاجپت رائے۔ میجر بی ڈی باسو۔ پروفیسر جادو ناتھ سرکار اور مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے اس اہم کام کی ابتدا کی اور ملک کے بکثرت دوسرے اہل قلم اس مفید کام کو جاری رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں

حیاتِ حافظ رحمت خاں بھی اسی قسم کی کوششوں میں سے ایک ناچیز کوشش ہے۔ حافظ رحمت خاں کی شخصیت ہمیشہ سے محمود غزنوی، محمد تغلق، اورنگ زیب، میر قاسم، ٹیپو سلطان اور امیر خاں کی طرح مورخین کے تعصب کا شکار رہی ہے اور اسی وجہ سے دنیا ان کی اصلی شخصیت کو جاننے سے قاصر رہی کیونکہ صرف یہ بتایا گیا تھا کہ وہ اٹھارویں صدی کے ایک مشہور غاصب،

Marfat.com

خائن، ظالم اور متعصب حکمراں تھے۔ مروّجہ تاریخوں کا سوادِ اعظم ان کے خلاف اس قسم کے الزامات سے بھرا پڑا ہے اور چونکہ ایک سردار قوم کی زندگی کا بیان دراصل اس کی قوم کے حالات کی تفسیر ہوا کرتا ہے اس لئے جس قدر حافظ رحمت خاں بدنام ہوئے اسی اعتبار سے ان کی قوم ذلیل ہوئی اور آج روہیلہ قوم کا بھی اس کے علاوہ اور کوئی طغرائے امتیاز نہیں ہے کہ وہ ظالموں اور لیٹروں کی جماعت تھی اور ہیں!

ظالم لٹیروں کی جماعت اور اس کے غاصب اور خائن، سردار کا وجود کیا کسی نوع سے پسندیدہ بھی ہو سکتا ہے؟ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہو تو شجاع الدولہ والیٔ اودھ اور برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے کیا گناہ کیا جو باہمی، اتحادِ عمل سے ایک قابلِ نفرت جماعت اور اس کے سردار کا استیصال کر دیا، گناہ تو گناہ یہ تو بہت بڑے ثواب کا کام کیا جس کیلئے اُس سرزمین کے رہنے بسنے والوں کو ہمیشہ احسان مند ہونا چاہیئے۔

حقیقتاً یہی وہ نظریہ ہے جس کو تقویت دینے کے لئے کتابیں لکھی گئیں، اور لکھوائی گئیں تاکہ سند رہیں۔

مشہور و معروف تاریخ سیر المتاخّرین کے مصنف غلام حسین ایک جگہ اتفاقیہ اپنی تاریخ جلد دوم میں جنگ پٹنہ کے ذیل میں اپنی آپ بیتی اس طرح لکھتے ہیں:۔

"ڈاکٹر فلرٹن اور میرے درمیان کچھ خط و کتابت بھی رہی تھی ..... اس نے مجھے صلاح دی تھی کہ مجھکو

Marfat.com

اپنے اور بادشاہ (شاہ عالم) کے بہت جلد انگریزی کیمپ میں پہنچنے کا انتظام کرنا چاہیئے۔ اس خبر سے میں نے اپنے والد کو مطلع کیا اور ایک ایسے معاملہ میں جس سے ہمارے خاندان کا استحکام ہو اور انگریز قوم کے شکریہ کا مورد ہو سکے پیشقدمی کرنے پر اصرار کیا ......"

یہی غلام حسین تھے جنہوں نے سیر المتاخرین کے نام سے ایک ضخیم تاریخ لکھ ڈالی۔ ظاہر ہے کہ ان کی تالیف کی بنیاد بھی اسی ذہنیت پر رکھی گئی جس کا جلوہ ان کے مندرجۂ بالا بیان میں نظر آتا ہے، مگر پھر بھی ان کی کتاب ہمارے "ہمدرد، مورخین" ایک ایسی سند ہے جس کے غلط ثابت کرنے سے ہمیں قاصر سمجھا جاتا ہے۔

ایک اور کتاب "تاریخ فیض بخش" ہے اس کے مصنف شیو پرشاد روہیل کھنڈ کے سب سے بڑے مورخ مسٹر ہملٹن کے روہیلا نیریٹر، یا روہیلا ہسٹورین ہیں۔ انہوں نے بقول سر جان اسٹریچی تاریخ روہیلکھنڈ کے متعلق سب سے زیادہ قیمتی معلومات، اپنی بیش بہا کتاب سے بہم پہنچائی ہیں۔ اب اس کتاب کی شان نزول ملاحظہ ہو کہ مصنف نے اس کو مسٹر کرک پیٹرک، ایک سویلین کی تحریک پر لکھ کر نواب فیض اللہ خاں والیٔ رامپور سے اصلاح لی تھی اور اس کے مسودہ کو ایک ذمہ دار مگر خفیہ کام پر تعینات، افغان نے مسٹر ہملٹن کے حوالہ کیا تھا، جس کا ترجمہ کر کے مسٹر ہملٹن نے ایک ایسی کتاب لکھی جو یادگار ہے اور کسی مورخ نے روہیلوں کے حال پر اس وقت تک قلم نہ اٹھایا جب تک مسٹر ہملٹن کی کتاب کو اپنے سامنے نہ رکھ لیا۔ حتیٰ کہ انسائیکلوپیڈیا

Marfat.com

بری ٹینکا میں بھی جو روہیلوں اور روہیل کھنڈ کے متعلق بیان درج ہے وہ مسٹر ہملٹن ہی کی کتاب کے حوالہ سے ہے اور مسٹر ہملٹن کی کتاب کو یہ اہمیت محض اس وجہ سے حاصل ہے کہ اس کی بنیاد ایک نیٹو ہسٹورین کی تاریخ پر ہے جو عام اس سے کہ کیسے ہی اثرات کے تحت کیوں نہ معرض وجود میں آئی ہو، غلط نہیں ہو سکتی اور ہمیں اس کو جھٹلانے کا حق نہیں پہنچتا۔

اسی طرح مرزا رفیع سودا ملازم نواب شجاع الدولہ کا مشہور قصیدہ، جس حافظ نے سر دیا نہ دیا زر ۔ ۔ ۔ ۔ اور نواب سعادت علی خاں کے ایک وظیفہ خوار کی کتاب "عماد السعادت"، گو اودھ روہیل کھنڈ کی مشہور رقابت کا نتیجہ ہیں اور ان کی ایسے لوگوں کی نظر میں جو جنبہ داری کی عینک اتار کر صحیح واقعات کی چھان بین کرنیکے دعویدار ہیں کوئی وقعت نہ ہونی چاہیئے تھی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان چیزوں کو بھی کافی تاریخی اہمیت دی گئی ہے اور واقعات کے مسخ کرنے میں ان سے کافی مدد لی گئی ہے۔

زمانۂ حال کی مشہور کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور سر جان اسٹریچی سابق لفٹیننٹ گورنر یو، پی کی مؤلفہ کتاب ہیسٹنگز اینڈ دی روہیلا وار، ہے اس کتاب کو دو وجہ سے اہمیت دی جاتی ہے کہ اوّل تو مصنّف کی شخصیت بہت بلند و مستند ہے دوسرے اس کو لندن میں انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم کے تمام علمی خزانوں پر پوری پوری دسترس حاصل تھی اس لئے اس کو گورنر جنرل ہیسٹنگز کے زمانۂ حکومت کے اصلی سرکاری کاغذات اور تمام اہم بیانات و تحریرات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا۔ اس کتاب کی

Marfat.com

مذکورۂ بالا خصوصیات کا ہمیں بھی اعتراف ہے لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ گورنر جنرل ہیسٹنگز کے زمانۂ حکومت کی روہیلوں سے متعلق تمام ضروری تحریریں انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم میں بھی محفوظ موجود نہیں ہیں، چنانچہ ان تحریروں کے بارے میں ممبران کلکتہ کونسل میسرز مانس، کلیورنگ اور فرانسس نے اپنے ایک خط بنام کورٹ آف ڈائرکٹرس لندن میں ۳۰ نومبر ۱۷۷۴ء کو جنگ روہیلہ کے مظالم کی بابت لکھا کہ :-

"...... مظالم کی یہ تفصیلات غالباً کبھی آپ کے علم میں نہ آتیں اگر ہم مسٹر ہیسٹنگز سے کرنل چیمپین اور مسٹر مڈلٹن رزیڈنٹ کی خط و کتابت کے کاغذات طلب نہ کرلیتے پھر بھی اس خط و کتابت کے وہ کاغذات ہمارے سامنے رکھے گئے ہیں جن کا تسلسل شکستہ ہے اور جو نامکمل حالت میں ہیں نیز بکثرت خطوط، دانستہ چھپا لئے گئے ہیں اور ہمیں یہ نتیجہ نکالنے میں کچھ پس و پیش نہیں ہے کہ ان سے بھی زیادہ ظالمانہ حالات و واقعات دبا دئے گئے ہیں ....."

اس تحریر کی روشنی میں سرجان اسٹریچی کی کتاب کی وقعت خود بخود کم ہوجاتی ہے لیکن پھر بھی وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سا ایسا مواد جمع کردیا ہے جس سے روہیلوں کے متعلق آزاد

Marfat.com

رائے قائم کرنے والے کو بھی کچھ نہ کچھ مدد مل جاتی ہے۔

سرجان اسٹریچی، ہملٹن اور اُن کے ہم خیال مورخین کی تالیفات کو چھوڑ کر جب ہم دوسری طرف نگاہ دوڑاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انھیں کے ملک اور قوم میں ایسی ہستیاں بھی پیدا ہوئیں جنہوں نے انصاف پسندی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ اس گروہ میں ایڈمنڈ برک، کرنل چیمپین، شریڈان، فاکس، فرانسس، لارڈ میکالے اور مل کے نام لئے جا سکتے ہیں جنہوں نے خوددار، سرفروش اور مہذّب و ترقی یافتہ روہیلہ قوم کے افسوسناک استیصال اور ان کے ذی علم، ذی حوصلہ، الوالعزم، وفا شعار اور ایثار پیشہ سردار حافظ رحمت خاں کے حسرتناک قتل کے صحیح اور سچے واقعات سے دُنیا کو روشناس کرنے میں پوری پوری وسعتِ نظر، فراخدلی اور دیانتداری سے کام لیا۔ مصالح ملکی و قومی اور تعصّبات نسلی و مذہبی کو بالائے طاق رکھ کر ظالموں کے ظلم کی سخت مذمّت کی اور مظلوموں کی حمایت میں کمال درجہ اخلاقی جرأت سے کام لیا۔

ان خداترس مشاہیر کی تقریریں، تحریریں، بیانات اور ان میں سے بعض کی تصنیف کردہ گرانقدر کتابیں روہیلوں اور انکے سردار حافظ رحمت خاں کے صحیح حالات لکھنے والے کی رہنمائی کے لئے شمع ہدایت کا کام دے سکتی ہیں۔ ہمیں اعتراف ہے کہ ہمیں اپنی اس تالیف میں ان قابل مصنفین کی، تصنیفات سے بہت کچھ مدد ملی ہے۔ روہیلائے اعظم کی اس سوانح عمری کی تدوین میں ہمیں ان کے علاوہ اور بہت سی تاریخوں کی ورق گردانی کرنی پڑی ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ بہترین و مستند تاریخ روہیل کھنڈ کی سرمایہ دار کتابیں

Marfat.com

گلستانِ رحمت، گلِ رحمت اور تاریخِ سلیمانی خاص طور پر ہمارے پیش نظر رہی ہیں۔ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں، ان کتابوں سے مورخین نے بالکل کام نہیں لیا یا بہت کم کام لیا ہے جس کی وجہ ان لوگوں نے یہ بتائی ہے کہ چونکہ یہ کتابیں ان مصنفین کی لکھی ہوئی ہیں جنکو حافظ رحمت خاں سے نسبی تعلق ہے اس لئے انہوں نے یہ کہکر ان کو ہمیشہ نظر انداز کیا کہ ایک بیٹا اپنے باپ کے حالات لکھنے میں ضرور رنگ آمیزی سے کام لے گا۔ اسی اصول کو مدنظر رکھ کر ان لوگوں نے سیر المتاخرین اور فیض بخش جیسی کتابوں کو مستند مانا، حالانکہ ان کتابوں کے مصنیفین کو جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں ثابت کیا ہے بے لوث اور آزاد رائے مورخ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس خیال سے کہ ہم حافظ رحمت خاں کی زندگی کے روشن اور تاریک دونوں پہلوؤں کو اپنے ناظرین کے سامنے رکھ سکیں ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ ہم ہملٹن اور اسٹریچی کے جمع کئے ہوئے مواد سے فائدہ اُٹھائیں یا مولانا نجم الغنی خاں رامپوری کی کتاب اخبار الصنادید کے (جس کے غلط واقعات کی ہمیں جا بجا تردید کرنی پڑی ہے) ورق لوٹیں ہم نے گلستانِ رحمت اور گلِ رحمت سے اصل واقعات اور حالات کا پتہ لگایا ہے اور ان بیان کردہ روایات کو درایت کی کسوٹی پر پرکھا ہے ناظرین اس کتاب کو تمام و کمال مطالعہ کرنے کے بعد خود اس فیصلہ پر پہنچیں گے کہ ہم اس فرض سے جو ایک سوانح نگار کا ہو سکتا ہے کس حد تک عہدہ برآ ہوئے ہیں۔

ایک سوانح نگار کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے ہیرو کی برائیوں پر پردہ ڈال کر محض اس کی اچھائیوں کو نمایاں نہ کرے اور اپنے ہیرو کی حیثیت بڑھانے

Marfat.com

کے لئے اس کے معاصرین کو نیچا دکھانے کی کوشش نہ کرے اس لئے ہم نے حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی نہ تو سیاسی غلطیوں پر پردہ ڈالا ہے اور نہ اُن کی شخصیت کو چمکانے کے لئے نواب علی محمد خاں یا اس عہد کے دوسرے آدمیوں کی شخصیتوں کا استخفاف کیا ہے۔

حق پژوہی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ سلامت روی اس تالیف کا جوہر ہے۔ اچھے یا بُرے واقعات کو کچھ اس طور سے ترتیب دیدیا ہے کہ ان کی اصل تصویر ناظرین کے سامنے پیش ہو جائے اور وہ خود ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ہمارے صاحبِ تذکرہ کے متعلق رائے قائم کرلیں، عبارت آرائی کے ذریعہ اپنی طرف سے ہم نے لوگوں کی طبائع پر کوئی غیر ضروری اثر انداز نہیں کی ہے۔ ہمارا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم اپنے ہیرو کا قلب نکال کر دنیا کو اس کی اصلی حالت مشاہدہ کرادیں۔ اس قلب کے محسوسات و واردات کو کچھ ہم نے سمجھنے کی کوشش کی ہے اور کچھ ناظرین سمجھیں۔ تنہا اس فرض کی ادائیگی ہم سے ممکن نہیں، کیونکہ بقول مؤلف سیرتِ محمد علی، "انسان کی زندگی کائنات کا سب سے پوشیدہ راز ہے اور انسانی شخصیت کو سمجھنا اور سمجھکر دوسروں کو سمجھانا اسی نسبت سے دشوار

صاحب تذکرہ کے حالات کے سوا عہد قدیم یعنی زمانۂ مہابھارت سے لیکر عہد حاضرہ تک سرزمین روہیل کھنڈ کے اہم تاریخی واقعات، مشاہیر روہیل کھنڈ کے حالات اور خصوصیت کے ساتھ حافظ الملک کی ازواج و اولاد کا تذکرہ مع ان کے سلسلہ ہائے نسل اور بیان معافیاتِ خاندانی

Marfat.com

بھی ان اوراق میں شامل ہے ان بیانات و حالات کے لئے حواشی اور ضمیموں کا مطالعہ ضروری ہے جو بجائے خود ایک خاص دلچسپی رکھتے ہیں.

چند صفحات جن کو ہم حاصل کتاب سمجھتے ہیں ہندوؤں کے لئے بھی مخصوص کر دئے گئے ہیں جن سے حافظ رحمت خاں کے عہد حکومت میں ہندو مسلمانوں کے خوشگوار اور مخلصانہ تعلقات یگانگت پر کافی روشنی پڑتی ہے ، ان صفحات کے مطالعہ سے اُمید ہے کہ ہندو قوم کی موجودہ فرقہ وارانہ ذہنیت کے تبدیل ہونے میں بہت کچھ امداد ملے گی۔

ہمیں اس امر کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس تالیف کے لئے فارسی، اُردو اور انگریزی کی ان قلمی و مطبوعہ کتابوں میں جن کی اجمالی فہرست آخر میں دی گئی ہے اور ان کے علاوہ بکثرت بوسیدہ قلمی نوشتہ جات کی فراہمی اور اُن سے حوالے تلاش کرنے نیز اقتباسات لینے میں ہمیں کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، جو لوگ تصنیف و تالیف کا شغل رکھتے ہیں وہ اس امر سے واقف ہیں کہ ایک تاریخی تالیف کو مرتب کرنے کا کام جس میں مختلف کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑے بہ نسبت ایک طبع زاد تصنیف کے کسقدر مشکل ہے۔

بہرحال توفیق الٰہی اور بزرگوں اور احباب کی امداد سے تالیف کتاب کا یہ مشکل کام انجام کو پہنچ گیا، اللہ حسن نیت کو دیکھنے والا ہے ، دعا ہے کہ اس ناچیز کوشش کو قبول عام نصیب ہو، اور ملک و ملت کو اس سے بیش از بیش فائدہ پہنچے ! آمین۔

Marfat.com

۱۹۳۹ء

"رباعیاتِ عرشؔ فاروقی"

(تعارف)

منشی اعتماد الدین احمد عرشؔ فاروقی حکیم مفتی عماد الحسن صاحب محوؔ بریلوی مرحوم کے شاگرد اور مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کے پیرو تھے۔ بریلی محلہ ذرّولان کے رہنے والے تھے، اپنے والد منشی فرید الدین احمد کے سلسلہ سے فاروقی اور والدہ کی جانب سے عالی نسب سید تھے۔ چونکہ عرشؔ کے والدان کے بچپن ہی میں مفقود الخبر ہو گئے تھے اور مرحوم نے اپنی نانی کے زیر سایہ پرورش پائی اس لئے ان کو ننہال کے خاندان پر ہی زیادہ فخر تھا اور دراصل یہ خاندان تھا بھی قابلِ فخر کیونکہ ایک طرف ان کے جداعلیٰ میر مشیّت علی اور ان کے صاحبزادے میر مست علی شہزور سپاہی تھے تو ان کے نانا مولوی محمد علی اور پرنانا مولوی عنایت علی مصنف "مرقع فیض" (لال خانیوں کی تاریخ) بلند پایہ عالم تھے۔

مولوی عنایت علی کے ہر سہ بھائی حافظ احمد علی، مولوی ولایت علی اور مولوی ہدایت علی بریلی میں اپنے زمانہ کے مشہور اربابِ فضل و کمال سے تھے۔ بالخصوص مولوی ہدایت علی آسمانِ علم کے درخشندہ ستارے

Marfat.com

تھے۔ جیّد عالم دین ہونے کے علاوہ منطق و فلسفہ میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے مولوی فضل حق خیر آبادی کے شاگرد رشید اور ریاست رامپور کے مدرسۂ عالیہ کے نامور اُستاد تھے۔ نواب کلب علی خاں مرحوم ان کے بڑے قدردان تھے لیکن جنرل عظیم الدین خاں مدار المہام کے عہدِ اقتدار میں جنرل صاحب سے ناراض ہو کر ملازمت ترک کر دی تھی۔

اس ناراضگی کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز جنرل عظیم الدین خاں نے مولوی صاحب کے مدرسہ کا امتحان لینا چاہا مولوی صاحب کو یہ بات سخت ناگوار گذری۔ فرمایا کہ "جس جگہ بے علم لوگ اہل علم کا امتحان لینے لگیں اس جگہ میں نہیں رہ سکتا" اور ملازمت چھوڑ دی۔

اعتماد الدین احمد ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو عین عالم جوانی میں ۲۴ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اس ۲۴ سالہ زندگی کے حالات نہایت مختصر مگر ساتھ ہی حد درجہ درد انگیز ہیں۔ جب یہ دو سال کے اور ان کی بہن ۴ سال کی تھیں تو اس زمانہ میں اُن کے والد منشی فرید الدین احمد مع متعلقین لکھنؤ میں مقیم تھے۔ وہ عرصہ سے تلاشِ معاش میں سرگردان تھے۔ اسی سرگردانی کے عالم میں ایک روز کہیں غائب ہو گئے۔ خدا جانے کہاں گئے اور کیا حادثہ پیش آیا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ خاندانی مال و دولت صرف کر دینے کے بعد ترک دنیا کا ارادہ تھا ممکن ہو کہ فقیری لے لی ہو۔ اور آج تک کہیں زندہ ہوں۔ بہرحال اس واقعہ کے بعد عرش کی نانی اور والدہ وغیرہ بریلی واپس تشریف لے آئیں اور ان حرمان نصیب سیدانیوں کی

Marfat.com

زندگی کا بقیہ زمانہ جس طرح گذرا وہ ہمارے ملک کے غریب و نادار طبقہ کی خوں چکاں داستان کا ایک دل ہلا دینے والا باب ہے۔

ایک دوکان کے جزوی کرایہ کی قلیل آمدنی سے ایک تنگ و تاریک بوسیدہ مکان میں گذر بسر کی اور جس طرح بن پڑا کمالِ خودداری، عزتِ نفس اور غیرت خاندانی کا لحاظ و پاس رکھتے ہوئے عرشؔ اور ان کی بہن کی تعلیم و تربیت کی۔ ہمشیرہ جوان ہوئیں اور ان کی شادی ہوئی۔ خود عرشؔ نے مولوی محمد مستقیم صاحب کے مکتب واقع محلہ عقب کوتوالی میں قرآن شریف اور اُردو فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد بریلی کے تحصیلی اسکول سے اُردو مڈل پاس کیا۔ انگریزی کی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کی استطاعت نہ تھی اس لئے باقاعدہ تعلیم اس سے زیادہ نہ ہوسکی۔ لیکن طلبِ علم کی تشنہ کامی ہنوز باقی تھی اور فطرتاً پڑھنے لکھنے اور اس میں کمال حاصل کرنے کا حد درجہ ولولہ اور جوش تھا اس لئے مذہبی، تاریخی، اور ادبی لٹریچر کا اس قدر مطالعہ کیا کہ بلا مبالغہ تازیست کتابوں کا کیڑا بنے رہے۔ مضمون نگاری اور شعر و سخن سے فطری مناسبت اور قدرتی ذوق تھا۔ علاوہ بریں قدرت نے بہترین حافظہ اور قابل رشک ذہانت بھی عطا کی تھی۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ بریلی اور بریلی سے باہر کے تمام ایسے اربابِ کمال جنکو عرشؔ سے ملنے کا اتفاق ہوا متفقہ طور پر ان کو ایک "جوہر قابل" تسلیم کرتے تھے۔ مولوی عبدالودود صاحب دردؔ سہسوانی مرحوم جو ماضی قریب میں بریلی اور روہیلکھنڈ کے مشاہیر میں سے گذرے ہیں عرشؔ کی ذہانت و قابلیت کا لوہا مانتے تھے۔

Marfat.com

اور مولوی سلیم پانی پتی مرحوم بھی فرمایا کرتے تھے کہ "خدا اس لڑکے کی عمر دراز کرے یہ افقِ عالم پہ آفتاب بن کر چمکے گا۔" کاش مولوی صاحب مرحوم کی یہ دُعا قبول ہوتی۔

عرشؔ مرحوم کو بایں ہمہ حصولِ قابلیت اور باوجود سخت تلاش و جستجو کوئی معقول ملازمت دستیاب نہ ہو سکی۔ اضلاعِ روہیلکھنڈ کے علاوہ دہرہ دون کانپور، لکھنؤ اور کلکتہ تک تلاش معاش کے لئے تگ و دو کی۔ ایک ذاتی ماہوار رسالہ "گلکدہ" اور ایک ہفتہ وار اخبار نکالا لیکن سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ بھی نہ چلے۔ تھوڑے تھوڑے عرصہ کے لئے "روزانہ اخبار" اور روہیلکھنڈ گزٹ، بریلی کی سب اڈیٹری اور میونسپل بورڈ میں نہایت ادنیٰ درجہ کی محرری اور مدرسی کے فرائض البتہ انجام دیئے لیکن "انٹرنس پاس" نہ ہونے کی وجہ سے کسی جگہ پندرہ بیس روپے ماہوار کے بھی مستقل "نوکر" نہ ہو سکے اور بے زری و بے روزگاری کی جان کاہ مصیبت و تباہ کاری نے اس خوددار وحساس نوجوان کو قبل از وقت فنا کے گھاٹ اُتار دیا۔ ایک طرف حوصلہ مند نوجوان کی یہ اُمنگ کہ "میں آگے بڑھوں" دوسری طرف سدِّ راہ زمانہ کی یہ ضد کہ "آگے بڑھنا ناممکن ہے" اسی کش مکش میں اس مصیبت زدہ و ناکام انسان کی کشتیٔ حیات ٹکرا ٹکرا کر دریائے فنا میں غرق ہو گئی۔

معمولی نزلہ زکام سے تپ دق تک نوبت پہنچی جو رئیسی مرض ٹھہرا۔۔۔
۔۔۔۔ ایک غریب و مفلوک الحال شخص اس سے کس طرح جاں بر ہو۔۔۔
۔۔۔۔ نہ باقاعدہ علاج ہوا اور نہ مناسب غذا مل سکی۔ ہوا دار اور صحت ور

Marfat.com

مکان کا تو ذکر ہی کیا، غرض ۱۵ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو رات کی بھیانک تاریکی میں ایک غم نصیب بیوہ کی عمر بھر کی کمائی لٹ گئی۔

غنیمت ہے کہ عرشؔ کی نانی کا جن کو ان سے دیوانہ وار عشق تھا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ ماں کی قسمت میں البتہ یہ غم لکھا تھا۔ یہی ایک غم نہیں .... بلکہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد عرشؔ کے بہنوئی کا بھی انتقال ہو گیا۔ اللہ اللہ عرشؔ کی والدہ کی بھی کیا زندگی تھی۔ خاوند کی جدائی، شفیق ماں کی مفارقت، جوان بیٹے اور داماد کی موت، مفلسی، ناداری اور ساتھ کے ساتھ طرح طرح کے سخت امراض میں خود مبتلا ہونے کے باوجود دق و سل کی شکار بیوہ لڑکی اور اس کے چار یتیم و معصوم بچوں کا ترسول اور پھر ان بچوں میں سے بھی ایک نہایت عزیز لڑکے کی موت۔ آخر کب تک ..... ۶ اگست ۱۹۳۴ء کو یہ مجبور و ناچار تھکی ماندی مسافرہ بھی بالآخر اپنی آخری منزلِ سفر پر پہنچ گئی۔ بیس روز بعد، ۲۷ اگست ۱۹۳۴ء کو عرشؔ کی بہن کا بھی انتقال ہو گیا۔

اب اس گھر کی باقیماندہ نشانیاں تین یتیم بچے (عرشؔ کے دو بھانجے اور ایک بھانجی) اور عرشؔ کی اولادِ معنوی ان کا ڈھائی ہزار اشعار کا مجموعۂ کلام باقی ہے جو مرحوم کی والدہ نے انتقال سے قبل راقم السطور کو اپنا ایک ادنیٰ غمگسار سمجھ کر سپرد کر دیا تھا۔

یہ کلام بطور ایک قیمتی امانت کے میرے پاس محفوظ ہے لیکن اس

Marfat.com

خیال سے کہ زندگی اور موت کا کیا اعتبار ہیں اس امانت کو اپنے اہل ملک تک پہنچانا چاہتا ہوں اور یہ جب ہی ممکن ہوگا کہ کلام مذکور زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو جائے۔

فی زمانا بحمد اللہ ملک میں اُردو ادب سے (نثر ہو یا نظم) روز افزوں محبت بھی بڑھ رہی ہے اسی لئے یقین واثق ہے کہ عرش فاروقی مرحوم کا یہ "جاندار کلام" زندۂ جاوید" رہے گا۔

لیکن چونکہ کلام کے انتخاب اور اس کی مناسب ترتیب و طباعت کے لئے کافی وقت درکار ہے اس لئے بعض عزیز دوستوں کے مشورہ کے مطابق بالفعل بطور "تعارف" عرش فاروقی کی "رباعیات" ملک کے سامنے پیش کرتا ہوں یہ طریقۂ کار اس اعتبار سے بھی غالباً مفید ہوگا کہ نقادانِ سخن اس "مشتے نمونہ از خروارے" کو "جانچ اور "پرکھ" سکیں گے اور اگر "نمونۂ کلام" اہل فن کے نقد و تبصرہ کی کسوٹی پر کامیاب اترا تو باقی کلام کی مقبولیتِ عام انشاء اللہ آسان ہو جائے گی۔

آخر میں استاذی حضرت مولانا احسن مارہروی، مولوی نظام حسن صاحب نظامی بدایوانی، خواجہ غلام السیدین صاحب، پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب، مولوی اکرام اللہ خاں صاحب ندوی، مولوی عقیل الرحمٰن صاحب اور مکرمی آل احمد سرور ایم اے کا ممنون ہوں کہ انھوں نے قبل طباعت ان "رباعیات" کو از اول تا آخر ملاحظہ فرما کر نہایت پسند کیا اور میری اس ناچیز خدمت کو سند قبول عطا فرمائی۔ سب سے زیادہ قابل قدر ستائش

Marfat.com

حضرت نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی مدظلہٗ نے فرمائی ہے موصوف نے لکھا ہے کہ:۔

"عرشؔ فاروقی مرحوم کے کلام میں آمد، جودت اور جدّت ہے سلاست کے ساتھ مضمون آفرینی ہے عام سطح سے پایۂ کلام بہت بلند ہے۔ اتنی کم عمری کے لحاظ سے تعجب آفریں ہے۔ افسوس کہ مرحوم کی جوانی کو نظر لگ گئی"۔

Marfat.com

۱۹۴۳ء

محمود گاواں

(تصنیف: پروفیسر محمد ہارون خاں شروانی)

انگریزی زبان میں یہ قیمتی کتاب پروفیسر محمد ہارون خاں صاحب شروانی ایم، اے (اکسن) چیرمین شعبۂ تاریخ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے تالیف کی ہے اور کتابستان الہ آباد نے شائع کی ہے۔ پروفیسر شروانی ایک عالم باعمل شخص ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں اپنے بلند پایہ مقالات اور فاضلانہ تالیفات کے ذریعہ بیش قیمت اور نادر معلومات کا اضافہ فرماتے رہے ہیں۔ کتاب زیر نظر آپ کے تاریخی کارناموں میں شاہکار کا مرتبہ رکھتی ہے۔

تاریخ ہند کے عہد وسطیٰ میں مشہور بہمنی سلطنت کے نامور وزیر محمود گاواں ایک عدیم المثال شخصیت کے مالک تھے۔ ۱۴۵۳ء میں جبکہ ان کی عمر چالیس سے متجاوز ہو چکی تھی۔ اپنے وطن مالوف گیلان سے جلاوطن ہو کر ساحل بمبئی کے بندرگاہ دبول میں ایک گمنام شخص کی حیثیت میں وارد ہوئے اور وہاں سے سلطان علاء الدین احمد ثانی کے عہد میں بہمنی سلطنت کے دارالحکومت بیدر میں پہونچے۔ بہمنی سلاطین جوہر شناسی میں فرد تھے۔ اس گمنام اور غریب الوطن جوہر قابل کی قدر دانی میں، دیر نہ لگی۔ اور محمود گاواں

Marfat.com

خدمتِ ملک اور اپنی قابلیت کے زور سے ترقی کر کے نہ صرف وزارتِ عظمیٰ کے عہدۂ جلیلہ پر پہونچے۔ بلکہ مہارت جنگ تدبیر مملکت اور علمی کارناموں کی بدولت ساری دنیا میں جعفر برمکی اور نظام الملک طوسی کی سی شہرتِ دوام کے مالک بن گئے۔

پروفیسر شروانی کی یہ کتاب تلاش و تحقیق، عمدہ ترتیب مضامین اور حُسنِ بیان کا ایک قابل تعریف نمونہ ہے درحقیقت موصوف نے یہ کتاب لکھ کر ملک و ملّت پر بڑا احسان کیا ہے لیکن اس سلسلہ میں مزید تمنا یہ ہے کہ محمود گاواں کے حالاتِ زندگی اُردو زبان میں بھی شائع ہوں اور یہ کام شروانی صاحب بآسانی کر سکتے ہیں کیونکہ آپ انگریزی کی طرح اُردو بھی بہت اچھی لکھتے ہیں، اپنے اس علمی کارنامہ کی وجہ سے اگر ایک طرف پروفیسر ہارون خاں شروانی ہماری تعریف و توصیف کے سزاوار ہیں تو دوسری طرف محسنِ قوم عالی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی مدظلہٗ العالی بھی قوم کی دلی شکر گزاری کے مستحق ہیں کہ آپ نے اپنے کتاب خانۂ حبیب گنج سے ریاض الانشاء کا نادر الوجود نسخہ مرحمت فرمایا جس کی بنیاد پر "محمود گاواں" کے صحیح حالات روشنی میں آسکے۔

کتاب باتصویر ہے۔ کاغذ چھپائی۔ جلد۔ نفیس اور ولایت کی چھپی ہوئی کتابوں کی طرح دیدہ زیب ہے۔

Marfat.com

قدیم ہندوستان

تصنیف : ڈاکٹر سیّد مُعین الحقُ

قدیم ہندوستان بزبانِ انگریزی

مصنّفہ سید معین الحق صاحب ایم ۔ اے لکچرار شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ[۱] ہندوستان کی تاریخ کا سب سے قدیم دور جس کو اکثر ہندوؤں کا عہد بھی کہا جاتا ہے ۔ تاریخ کے طلباء کے لئے سب سے زیادہ مشکل دور ہے ۔ ہماری بدقسمتی سے ہندوستان کے عہد قدیم کی کوئی ہمعصر تاریخ اسوقت موجود نہیں ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس ملک میں فن تاریخ کا قطعی رواج نہ تھا اور سب سے پہلا شخص جس نے اس طرف توجہ کی البیرونی تھا ۔ پروفیسر ریپسن کا یہ قول کہ ہندوستان میں نہ کوئی ہیروڈوٹس ہوا ہے اور نہ تھوسی ڈائڈس اور نہ کوئی لوئی ، ہوا ہے ۔ نہ ٹیسٹین ، بالکل صحیح ہے ۔ چنانچہ ہم کو عہد قدیم کی تاریخ کے لئے اُن ذرائع معلومات پر اکتفا کرنا پڑتا ہے جو دوسری قوموں کی تاریخ کے مطالعے میں تصدیق اور تحقیق کے لئے درکار ہوتی ہیں ۔ مثلاً وہ کتابیں جو دوسرے مضامین پر لکھی گئی ہیں لیکن تاریخ کے اہم مسائل پر روشنی ڈالتی ہیں ۔ اس سلسلہ میں وید ۔ رامائن ۔ مہابھارت ۔ پران ، اُپنشد کے علاوہ

---

[۱] حال جنرل سکریٹری پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی

Marfat.com

بدھ اور جین مذہب کی کتابیں بھی مفید و کارآمد ثابت ہوئی ہیں۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آریوں کی قدیم تہذیب و تمدن کے لئے ہمارے پاس رگ وید کے علاوہ اور کوئی ذریعۂ معلومات نہیں۔ قدیم کتبوں اور سکوں کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ اشوک کے کتبے، اُس کے عہد کی تاریخ کے لئے ایک بے بہا ذخیرۂ معلومات ہیں جن کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اگر ہم کو یہ تمام کتبے دستیاب نہ ہوتے تو اس مشہور شہنشاہ کے کارناموں سے بڑی حد تک تاریخ کے طلباء بے خبر رہتے۔ اس قسم کی لاتعداد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم کتابوں، سکوں اور عمارتوں کو بغور مطالعہ کرنے میں بعض اوقات معلومات کے وہ جواہر پارے دستیاب ہو جاتے ہیں جو تاریخی کتابوں میں نہیں مل سکتے۔ حال میں "موہن جوڈارو" اور ہڑپا میں جو پرانے شہروں کے کھنڈر نکلے ہیں ان کے مطالعہ سے عہدِ قدیم کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو گیا ہے اور یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ آریوں سے قبل بھی ہندوستان کی تہذیب بہت ترقی کر چکی تھی۔

ہم پروفیسر معین الحق صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں کہ کاغذ کی گرانی دیکھیا بی کے باوجود انھوں نے مذکورۂ بالا کتاب شائع کر کے تاریخ کے طلبا پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اس تاریخ کی تصنیف کا مقصدِ اوّلین یہ ہے کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طالب علموں کے لئے ایک مختصر مگر مستند کتاب تیار کی جائے تاکہ اُن کو عہدِ قدیم کی تاریخ پڑھنے اور سمجھنے میں سہولت ہو۔

Marfat.com

قابل مصنّف مسلم یونیورسٹی میں گزشتہ پندرہ سال سے لکچراری کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور کتاب کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انھوں نے اپنے اس طویل تجربہ سے پورا فائدہ اُٹھایا ہے۔ کتاب کی زبان سلیس اور شگفتہ ہے۔ واقعات کی ترتیب میں اس امر کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے کہ تواتر بھی قائم رہے اور طالب علم کو اُن کی اہمیت کا صحیح اندازہ بھی ہو سکے، عہد قدیم کے ہندوستانی فلسفہ اور مذہب کے بعض مسائل کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے لیکن اندازِ بیان اس قدر دل چسپ ہے کہ معمولی استعداد رکھنے والے طلبا بھی اُس کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں۔ طلبا کے علاوہ یہ کتاب ہر اُس شخص کے لئے بھی کارآمد و مفید ثابت ہو گی جو تاریخ ہند کے دورِ قدیم اور اُس زمانہ کے تہذیب و تمدن سے دل چسپی رکھتا ہے۔

مقدمہ میں ہندوستان کے قومی اختلافات پر بحث کی گئی ہے اور اس دل چسپ مسئلہ کے تاریخی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لائق مصنف نے بتلایا ہے کہ کس طرح عہد قدیم اور قرونِ وسطیٰ میں اس ملک پر مختلف اقوام و مذاہب کے لوگ حملہ آور ہوئے اور بعد میں اسی کو اپنا وطن بناتے رہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان مختلف قوموں کی سیاسی، مذہبی اور اقتصادی کشمکش کا جولاں گاہ بنا ہوا ہے اور "قوموں کا عجائب خانہ" کہلاتا ہے۔

کتاب مصنف سے مل سکتی ہے۔

Marfat.com

یادگارِ نصیر

(مولوی محمد نصیر الدین علوی)

مجموعۂ انتخاب کلام مولوی محمد نصیر الدین صاحب علوی جونپوری ایم اے ایل ایل بی علی گڈھ کی غزلیات، قصائد، سلام، اور رُباعیات پر اُردو زبان میں مشتمل ہے، کچھ حصہ کتاب میں فارسی غزلیات بھی ہیں کتاب کے شروع میں مشاہیر شعراء ہند یعنی جگر مرادآبادی، احسن مارہروی، وغیرہ کے چند تعزیت نامے بھی ہیں۔ ایک دلچسپ اور ساتھ ہی رقت آور مضمون جناب پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی کا ہے جو نصیر مرحوم کی یاد اور جدائی میں لکھا گیا ہے، مرحوم لطیف مذاق شعری رکھتے تھے۔ کلام میں روانی اور آمد ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ فطرت شاعرانہ تھی تخیل کی بلند پروازی، جدتِ فکر، راز و نیاز، سوز و ساز، خُم و خمخانہ، شمع و پروانہ، مجاز و حقیقت سب مزے آپ کے کلام میں موجود ہیں، اکثر و بیشتر اشعار ایسے ہیں جو ارباب سخن کے قلوب کو تڑپانے کے لئے تیر و نشتر کا کام دیتے ہیں۔ چند متفرق اشعار درج کئے جاتے ہیں:-

سینے پہ رکھ کے ہاتھ کیوں پوچھ رہے ہو حالِ دل
کل کی طرح نہیں ہے درد آج ہے کچھ قرار سا

Marfat.com

احساسِ ہجر و وصل بھی باقی نہیں رہا!
ایسا خیالِ دوست نے حیراں بنا دیا

کیا احتیاج ہم کو کسی شے کی اے نصیر
سب کچھ ملا اگر دلِ درد آشنا ملا

یہ تو ہمارے حُسنِ نظر پر ہے منحصر
میرے ریاضِ دل کی خزاں کیا بہار کیا

قدموں کے نیچے فتنۂ محشر لئے ہوئے
وہ آ رہے ہیں آج ہمارے مزار پر

غرض کہ مرحوم دورِ حاضر کے ممتاز شعراء میں سے تھے۔ آپ کا کلام دلپسند و موثر ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے علاوہ کمال شاعری کے مرحوم اور بھی بہت سی خوبیوں کے حامل تھے، باوجود اعزاز دنیوی نہایت منکسر المزاج اور منکسر مرنجان مرنج افراد میں سے تھے یگانوں اور بیگانوں میں ہر دلعزیز تھے۔ مرحوم نے پانچ لڑکے اور[1] ایک بیوہ اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ضرورت ہے۔ کہ نصیرؔ صاحب کے احباب، ادب نواز اور فن شعر کے قدردان اصحاب آپ کا دیوان خرید کر آپ کے متعلقین کی ہمت افزائی اور اعانت فرمائیں۔

---

[1] افسوس ہے بڑے صاحبزادہ فصیح الدین کا گذشتہ سال کراچی میں انتقال ہو گیا

Marfat.com

دیوان کی طباعت و کتابت نہایت عمدہ اور صاف ہے۔ اور صحت کا بھی پورے طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔ اس خصوص میں مرحوم کے چھوٹے بھائی مولوی ظہیر الدین علوی صاحب ایم۔اے۔ایل ایل بی کی کوشش قابل تعریف ہے[۵]۔ دیوان کی قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے ہے۔

---

۵ پروفیسر ظہیر الدین صاحب سابق لکچرار شعبۂ اُردو مسلم یونیورسٹی و سابق رجسٹرار جامعہ اُردو علیگڈھ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

Marfat.com

نشریات

(تصنیف: پروفیسر محمد ہارون خاں شروانی)

پروفیسر محمد ہارون خاں صاحب شروانی کی یہ دوسری نئی کتاب ہے جس کو سید عبدالقادر اینڈ سنس تاجرانِ کتب چارمینار حیدرآباد دکن نے شائع کیا ہے اُردو زبان میں شروانی صاحب کی ۲۸ تاریخی، سیاسی، تعلیمی مذہبی اور معاشرتی مباحث پر ریڈیائی تقریروں کو اس کتاب میں جمع کیا گیا ہے ہر تقریر مفید اور نئی معلومات کی حامل ہے۔ زبان جوشیلی شگفتہ اور صاف ستھری ہے۔ کتاب کی لکھائی چھپائی کاغذ اور عمدہ سلائی کتائی نے اس کی خوبی میں چار چاند لگا دیئے ہیں، بہت کم اُردو کی کتابیں اس قدر دیدہ زیب دیکھنے میں آئی ہیں۔

Marfat.com

۱۹۴۲ء

نقشِ فرنگ

(تصنیف: قاضی عبدالغفار صاحب)

"ایک ادیب، صحیفہ نگار، اور مصنف کی حیثیت سے قاضی عبدالغفار صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، "جمہور"، "صباح"، اور "پیام"، کے ایڈیٹر کو کون نہیں جانتا۔ اسی طرح مجنوں کی ڈائری، لیلیٰ کے خطوط، اور آثارِ جمال الدین افغانی اور حیاتِ اجمل بھی قاضی صاحب کی مشہور تصانیف ہیں لیکن مجھے موصوف کی پہلی تصنیف "نقشِ فرنگ" سب سے زیادہ پسند ہے، یہ کتاب ۱۹۲۰ء کے "وفدِ خلافت" کے سلسلہ میں اقصائے مغرب کے دلآویز حالاتِ سفر پر مشتمل ہے۔ ۱۹۲۴ء میں دارالاشاعت پنجاب نے شائع کیا۔

بمبئی سے رخصت ہونے اور جہاز کی روزانہ زندگی کے دلفریب مناظر وتاثرات خصوصیت سے قابل ملاحظہ ہیں۔

Marfat.com

۱۹۴۲ء

تمدن اسلام کا پیام بیسویں صدی کی دُنیا کے —— نام

(تصنیف: مولانا عبد الماجد دریا آبادی)

مولانا عبد الماجد دریا بادی مدظلہٗ العالی جن کی شخصیت بوجہ کمالِ علم وفضل دُنیائے علم و اسلام میں محتاج تعارف نہیں۔ مندرجۂ بالا عنوان پر بصیرت افروز مقالہ آپ ہی کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ نہایت جامع مقالہ ہے، طرزِ بیان دلپذیر، موثر، اور فاضلانہ ہے۔ تمدنِ اسلام کے متعلق تمام پہلوؤں پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی ہے، مقالہ پر مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب مہتمم جامعۂ قاسمیہ دارالعلوم دیوبند نے ایک تقریظ تحریر فرمائی ہے۔ یہ مقالہ اس قابل ہے کہ مسلمان اس کا عمیق نظر سے مطالعہ کریں اور اس پر عامل ہو کر اپنے تمدن اور اپنی معاشرت کو مکمل طور پر اسلامی بنائیں۔

Marfat.com

۱۹۴۲ء

ذکر الحبیبؐ

(تصنیف : مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی)

عالی جناب نواب صدر یار جنگ بہادر، مولوی محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی بالقابہ رئیس حبیب گنج ضلع علی گڑھ کی چند تقاریر میلادیہ کا مجموعہ ہے، جو صاحب ممدوح نے بزمانۂ صدر الصدوری مملکت آصفیہ و بعد سبکدوشی ۱۳۳۶ھ سے ۱۳۵۰ھ تک مختلف اوقات میں حیدر آباد دکن میں فرمائیں اور جنکو جناب محمد اکبر علی صاحب نے شائع کیا ہے۔ جناب نواب صاحب ممدوح کی ذات گرامی دُنیائے علم و ادب میں تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ مشہور انشا پرداز ہیں، آپ کے بلند پایہ مضامین اکثر موقر اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔ جن کا مطالعہ کرنا مسلمانوں کے لئے ضروری اور فیض رساں ہے، جناب ممدوح کا یہ مجموعۂ تقاریر (ذکر الحبیبؐ) ایسا دلکش ہے کہ ختم کئے بغیر اُسے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ نہایت مبسوط تقاریر ہیں۔ سیرت النبیؐ پر یہ شگفتہ بیانی، فصیح اللسانی اور واقعہ گُستری آپ ہی کا حصہ ہے دریا کو کوزہ میں بند کیا ہے۔ نہایت جامع مجموعہ ہے۔ بیان میں تسلسل، روایات میں صحت، واقعات میں صداقت اور استدلال میں نتائج غرض کہ

Marfat.com

خوبیاں ہی خوبیاں ہیں جو مطالعہ سے تعلق رکھتی ہیں زیر نظر مقالہ (ذکر الحبیبؐ) اور علاوہ اس کے آپ کی اور تصنیفات و تالیفات مثلاً "علمائے سلف"، "سیرۃ الصدیق"، "ذکر جمیلؐ" وغیرہ یہ سب اس قابل ہیں کہ ہر مسلمان بچہ، بوڑھا اور جوان ان کا بغور مطالعہ کرے۔ اور ان پر عمل پیرا ہو کر فلاح دارین حاصل کرے، ان تصانیف کو پڑھ کر اصلاح اخلاق و معاشرت ہوتی ہے۔ آپ کی سب تصانیف سبق آموز اور علمی و مذہبی ہیں جن کے مطالعہ سے دین میں پختگی اور راسخ العقیدگی پیدا ہوتی ہے۔

Marfat.com

۱۹۴۳ء

ہمارے ہندوستانی مسلمان

(مترجمہ: پیرزادہ عبدالباسط ایم اے)

کمیاب قلمی کتابوں کی طرح بکثرت ایسی مطبوعہ کتابیں بھی ہیں جن کے نسخے قریب قریب ناپید ہوچکے ہیں۔ اُن کے اقتباسات اور حوالے دوسری کتابوں میں ملتے ہیں لیکن اصل کتابیں لاپتہ ہیں۔ اسی قسم کی ایک کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" مصنفہ ڈبلیو۔ ڈبلو ہنٹر ہے جو ۱۸۷۱ء میں لندن سے شائع ہوئی تھی اور جس کا جواب سرسید علیہ الرحمۃ نے لکھا تھا۔ عرصہ کی مفقود الخبری کے بعد کلکتہ یونیورسٹی کمیشن کے کام کے سلسلہ میں اس کا علم جناب ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب کو ہوا، اُن سے یہ کتاب مولانا سید طفیل احمد صاحب کے ہاتھ میں پہونچی اور مولانا صاحب کی تحریک وترغیب پر ۱۹۳۹ء میں ہمارے دوست پیرزادہ عبدالباسط صاحب پھلواری ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی پروفیسر علوم مشرقیہ اسلامیہ کالج لاہور نے اُس کا اُردو ترجمہ کیا۔

زیرِ نظر ترجمہ کیسا ہے؟ اس سے قطع نظر کرکے اصل کتاب کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ ہنٹر نے اُس میں مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ اور موجودہ ضروریات پر بحث کرکے حکومت برطانیہ کو ان کی ذہنیت سے آگاہ کرنے کی کوشش کی ہے سب سے پہلے حضرت سید احمد صاحب شہید بریلوی کی تحریک کے

Marfat.com

مفصل حالات اور سرحد پار "وہابیوں کی باغیانہ سازشوں" کی مکمل داستان درج ہے۔ مسلمان مفتیوں کے فتوؤں اور مسئلۂ جہاد پر مباحث ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستان کس طرح دارالحرب، سے دارالاسلام، ہوگیا۔ انگریزی عہد حکومت میں مسلمانوں کے ساتھ ناانصافیوں کے عنوان سے قاضیوں اور مفتیوں کے عہدوں کی شکست اور شریعت اسلامی کے بتدریج ختم ہونے کی روئیداد ہے۔ علاوہ ازیں موجودہ نظام تعلیم اور ۱۸۷۱ء میں مسلمانانِ بنگال کی مذہبی حالت اور ملازمتوں میں اُن کے تناسب کے اعداد و شمار بھی دیئے گئے ہیں غرض کتاب مذکور سے بہت سی مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں اور اُس کا اُردو ترجمہ ہماری زبان کے تاریخی ذخیرہ میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔

Marfat.com

منتخب سعید

رائے بریلی کے ضلع میں قصبہ سلون اودھ کے مشہور قصبات میں سے
ہے یہاں ایک بہت ہی قدیم درگاہ ہے، اس سے متعلق ایک بڑی جائداد
موقوفہ ہے، درگاہ میں سجادہ نشینی کا سلسلہ گذشتہ تین سو سال سے جاری
ہے، وہاں کے صوفی خانوادہ میں بڑے بڑے بزرگ ہو گذرے ہیں جن کی
عظمت کا اندازہ ان کے معاصرین کے خطوط سے ہوتا ہے حلقۂ اثر وسیع ہونے
سے ان بزرگوں کے تعلقات سلاطین، امراء اور علماء سے خاص طور پر تھے
جسٹس سید محمود صاحب مرحوم نے اپنے قیام رائے بریلی کے دوران اس
خاندان کی تاریخ "میمورنڈم آف دی محمڈن انڈاؤمنٹ ایٹ سلون" کے
نام سے لکھی ہے گورنمنٹ ڈسٹرکٹ گزیٹیر میں بھی حالات موجود ہیں۔

حسن اتفاق سے قلمی خطوط کا ایک مجموعہ موسوم بہ "منتخبِ سعید" دستیاب
ہوا ہے اس میں خاندان کے بزرگوں کے نام اٹھارویں اور انیسویں صدی کے
علماء، امراء اور سلاطین کے خطوط ہیں۔ کتاب ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۰ء
کی تالیف ہے ان خطوط سے نہ صرف اس خاندان کا اثر، اس کی عظمت اور اس
کے بزرگوں کے مرتبہ کا پتہ چلتا ہے بلکہ اس عہد کی معاشی، علمی اور ادبی تاریخ
پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے، ان خطوط کا ترجمہ ہماری فرمائش پر اسی خاندان کے

Marfat.com

ایک ہونہار فرد حافظ شاہ محمد ہادی عطاء صاحب حفیدِ اکبر حضرت شاہ مہدی عطاء صاحب قُدِّس اللہ سِرّہٗ نے فارسی سے اُردو میں کیا ہے۔

کتاب کے پانچ باب ہیں اور آخری باب میں خاندانی نجی خطوط ہیں، دوسرے باب میں سلاطین و شاہزادگان کے خطوط ہیں جو دلچسپ ہیں اور ان سے ان کی زندگی کے بہت سے پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ تیسرے باب میں امراء کے خطوط ہیں۔ بعض مرزا قتیل کی بیاض سے نقل کئے گئے ہیں جو اس عہد کی زبانِ فارسی کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان خطوط سے سیاسی معلومات پر بھی کچھ نہ کچھ روشنی پڑتی ہے۔ چوتھے باب میں علماء کے خطوط ہیں ان میں سے حضرت شاہ عبدالعزیز رح حضرت سیّد احمد صاحب شہید رائے بریلوی اور مولانا اسمٰعیل صاحب شہید کے خطوط خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مرزا قتیل کے خطوط بھی اس باب میں شامل ہیں جن سے شاعر کی زندگی کے بہت سے اوجھل پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

کتاب دراصل ایک بڑے مجموعۂ مکاتیب "اشرف الانشاء" کا انتخاب ہے اسے خاندان کے سجّادہ نشین پنجم حضرت شاہ پناہ عطاء صاحب قُدِس سرہٗ کے چھوٹے بھائی شاہ غفور عطاء صاحب نے منتخب و مرتب کیا ہے۔

خاندانی قلمی کتب و دستاویزات کے علاوہ سبحۃ المرجان (آزاد بلگرامی) ابجد العلوم (نواب صدیق حسن خاں) نزہتہ الخواطر (مولانا سید عبدالحئی صاحب مرحوم مصنف گُلِ رعنا) اخبار الاخیار (حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی) وغیرہ جیسی بلند پایہ کتابوں میں بھی خاندان اور متعلقین خاندان کے جستہ جستہ

Marfat.com

حالات ہیں۔

ہمارے مطالعہ میں ایک اور موثق تحریر بھی آئی ہے جس میں سجادہ نشین ہفتم حضرت شاہ مہدی عطاء صاحب قدس سرہٗ کا عدالت کے سامنے ایک باضابطہ بیان خاندان کی تاریخ کے متعلق مندرج ہے [1]

[1] پاکستان میں کتاب "منتخب سعید" کا پتہ جناب شاہ حسن عطاء ایم اے حال مقیم لاہور (تہذیب الاخلاق ٹرسٹ) سے معلوم کیا جا سکتا ہے (بریلوی)

Marfat.com

۱۹۴۹ء

بوستانِ حسرت شروانیؒ[1]

تصنیف: مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی (صدر یار جنگ)

فارسی زبان کی شیرینی اور فارسی غزل[3] کی رنگینی کون نہیں جانتا۔ علامہ شبلی نے سچ کہا ہے "عشق و محبت[2] کا جذبہ فطرت انسانی کا خمیر ہے۔ اس لئے تمام دنیا کی شاعری میں عشقیہ شاعری، اور سب انواعِ شاعری سے زیادہ متداول اور عام ہے۔ لیکن ایران اس خصوصیت میں تمام دنیا سے بڑھا ہوا ہے"۔ درحقیقت ایران کی تہذیب و تمدن۔ عیش و تنعّم۔ آب و ہوا اور حسن و جمال نے اہل ملک کے جذبات عشق و محبت میں ایک آگ سی لگا دی تھی۔ سعدی۔ حافظ۔ عرفی نظیری کسی کی غزل[3] اٹھا کر دیکھئے تو آپ پائیں گے کہ عشق کے نازک سے نازک جذبات۔ اور حسن کی لطیف سے لطیف ادا کو یہ لوگ اس خوبی سے بیان کر جاتے ہیں کہ ذوقِ سلیم وجد کرنے لگتا ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ محبوب کی آمد پر تمام شکوے شکایتیں ختم ہو جاتے ہیں اس کو سعدی یوں ادا کرتے ہیں:۔

---

[1] بہ فیضِ اُستاذی پروفیسر ضیاء احمد بدایونی مدظلہ، تحریر شد (بریلوی)

[2] شعر العجم جلد پنجم

[3] غزل کے موافق و مخالف۔ حال میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ مگر یہاں اس بحث کا محل نہیں۔

Marfat.com

گفتہ بودم چو بیائی غم دل با تو بگویم!!
چہ بگویم کہ غم از دل برود چوں تو بیائی

یا یہ بیان کرنا ہے کہ معشوق کی اداؤں کے سامنے جان کی کوئی قیمت نہیں۔ اس کے لئے حافظ یہ پیرایہ اختیار کرتے ہیں :۔

اے خوشا حالت آں مست کہ در پائے حریف
سر و دستار نداند کہ کدام اندازد!!

اس مست کی حالت قابل رشک ہے جو مستی میں معشوق کے قدموں پر نچھاور کرنے کے لئے یہ نہیں جانتا کہ سر نذر کروں یا دستار یا مثلاً عاشق کی وحدت پسند طبیعت غم روزگار کو بھی غم عشق میں جذب کر لیتی ہے۔ اس مضمون کو عرفی نے کس خوبی سے ادا کیا ہے :۔

در دل ما غم دنیا غم معشوق شود
بادہ گر خام بود پختہ کند شیشۂ ما

اسی طرح نظیری محبوب کے آفتاب و شمع ہونے کی طرف کس لطف سے اشارہ کرتا ہے کہتا ہے :۔

بازم بہ کلبہ کیست نہ شمع و نہ آفتاب — بام و درم ز ذرّہ و پروانہ پُر شدہ است

لہ غالب لکھتے ہیں :۔

ان کے آنے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق — وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

لہ آلام روزگار کو آساں بنا دیا — جو غم ملا اُسے غم جاناں بنا دیا (اصغر)

لہ داغ کا شعر ملاحظہ ہو :۔ رُخِ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
ادھر آتا ہے دیکھیں یا اُدھر پروانہ جاتا ہے

Marfat.com

یعنی میرے جھونپڑے میں کون آگیا کہ شمع و آفتاب کے نہ ہونے بھی تمام گھر ذرّوں اور پروانوں سے بھر گیا ہے۔ غرض مثالیں کہاں تک پیش کیجائیں۔ مقصود یہ ہے کہ فارسی غزل ایک باغ پُر بہار ہے۔ جس کی کسی روش پر بھی نکل جایئے دماغ معطر ہو جاتا ہے۔

ہندوستان میں فارسی کا مذاق غزنویوں کی آمد سے شروع ہوتاہے فارسی کا پہلا شاعر غالباً مسعود سعد سلمان ہے جو عہد سلطان ابراہیم غزنوی میں لاہور کا گورنر تھا۔ اس کے بعد پٹھان سلاطین کے دور حکومت میں ہمیں جمال دہلوی حسن[1] بدایونی (جو حسن سنجری دہلوی کہلاتے ہیں) بدر چاچی۔ مظہر گجراتی وغیرہ متعدد خوش گو شعرا ملتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ امیر خسرو کے کوکبۂ خسروی نے سب کی ..... شوکت کو ماند کردیا تھا۔ یہاں تک کہ مغلیہ حکومت کا عہد آگیا۔ مغل بادشاہ وامراء نہ صرف قدر دان بلکہ خود سلیم المذاق تھے ہر طرف دولت وثروت کی افراط۔ اور حسن وعشق کی چہل پہل تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کے فارسی شعراء ہندی الاصل ہوں یا ولایت نزاد۔ کمال فن اور لطف سخن میں ایرانیوں سے بازی لے گئے خود صائب کا اعتراف سنئے کس مزے سے کہتا ہے:

نیست[2] در ایراں زمیں سامان تحصیل کمال
تا نیامد سوئے ہندستان حنا رنگیں نہ شد

اصل یہ ہے کہ بابر وہمایوں نے شعر وادب کے پودے کی پرورش کی۔

---

[1] ملاحظہ ہو کلیات حسن مطبوعہ حیدرآباد [2] بہ ہند رفتن حنا فارسی کا ایک محاورہ ہے جس سے حنا کا سیاہی مائل ہونا مراد ہے۔

اکبر کے عہد میں یہ شاخ درخت بن گیا جہانگیر و شاہجہاں کے دور میں اہل کمال نے اس کا پھل کھایا اور اسی کے سایہ میں آرام پایا۔ اکبری[1] دربار کے شعراء کی فہرست جو ابوالفضل۔ بدایونی اور نظام الدین نے دی ہے کافی طویل ہے۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ یہاں تک کہ آخری مغل بادشاہ کے زمانہ میں خاتم الشعراء مرزا غالب پر آکر ختم ہو گیا۔ مرزا خود کہا کرتے تھے کہ ہند میں فارسی شاعری ایک ترک لاچین (خسرو) سے شروع ہوئی اور ایک ترک ایبک (غالب) پر ختم ہو گئی۔ مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ غالب کے بعد کوئی شاعر یا اچھا شاعر پیدا ہی نہیں ہوا البتہ یہ درست ہے کہ کوئی صاحب[2] طرز مشہور اُستاد منصۂ شہود پر نہ آیا ...

غالب اور ان کے معاصرین[3] کے بعد بھی فارسی کے بعض خوش گو شعراء[4] پیدا ہوئے جن میں حالی۔ شبلی۔ خواجہ عزیز۔ شاہ عزیز اللہ عزیز وغیرہ قابل ذکر ہیں اسی قابل ذکر گروہ میں جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی مدظلہ کا بھی شمار ہے۔ نواب صاحب کی ذات مستجمع الصفات کو اگر اس لحاظ سے ذوالریاستین کہا جائے تو بجا ہے کہ قدرت نے آپ کو دنیاوی ریاست کے ساتھ علم و ادب کی صدارت بھی عطا فرمائی تھی آپکا علم و تبحر۔ فراست

---

[1] اسی دور میں آکر فارسی شاعری نے ایک خاص انداز اختیار کیا جس کو سبک ہندی سے تعبیر کرتے ہیں اگرچہ اس کی بنا خسرو کے عہد ہی سے پڑ گئی تھی [2] اقبال ایک نئی شریعت شاعری کے مجتہد ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر یہاں نہیں کیا گیا [3] غالب نے ایک شعر میں اپنے معاصرین کا ذکر کیا ہے ؎

مومن و نیر و صہبائی و علوی و آنگاہ
حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظم شان

[4] یوں تو تقریباً ہر شہر میں فارسی کے اچھے شاعر ہو گزرے ہیں مگر انکو شہرت عام کے دربار میں جگہ نہ ملی

Marfat.com

و تدبر۔ نادر کتب خانہ اور مذہبی و قومی کارنامے اظہر من الشمس ہیں۔ جن پر یہاں نہ بحث کی ضرورت ہے نہ موقع۔ ہمارا مقصد صرف نواب صاحب کے فارسی کلام موسوم بہ بوستان حسرت پر اپنے ناچیز خیالات کا اظہار کرنا ہے۔ یہ ایک مختصر سا مجموعہ ہے جو ۲۸ غزلیات ایک مخمس نعت اور چند قطعات تاریخی پر مشتمل ہے۔ متعدد ردیفیں خالی ہیں اور کسی میں ایک ایک دو دو غزلیں ہیں اور رسمی شاعروں کی طرح ردیفوں کی خانہ پری کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ موصوف کو شعر و ادب سے فطری ذوق ہے۔ اور اسی ذوق کے ماتحت کسی خاص تحریک یا جذبہ سے متاثر ہو کر احیاناً فکر شعر فرماتے ہیں۔ تاہم دیوان کا ہر پڑھنے والا اس نتیجہ پر پہونچے گا، کہ آپ کے یہاں اس مختصر مجموعے میں بھی رفعت خیالات وصدق جذبات کے ساتھ لطافت بیان اور سلاست زبان کی کمی نہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں اپنے دعوے کے ثبوت میں موصوف کے دیوان سے چند مثالیں پیش کریں معشوق کی لطافت طبع کے متعلق ایک موقع پر نہایت لطیف پیرایہ اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

این ہمہ پاکیٔ گوہر نتواں یافت بخاک
مگر از شیرۂ جانت بدنے ساختہ اند

یعنی عنصر خاکی میں یہ لطافت بھلا کہاں سے آئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید تیرا جسم روح کے جوہر سے بنا ہے، غور کرنے کی جگہ ہے جس کے جسم کی لطافت کا یہ عالم ہے کہ روح نہیں بلکہ روح کے جوہر سے اس کا خمیر ہوا ہے تو خود اس کی روح کی پاکیزگی کس پایۂ کی ہوگی۔

Marfat.com

درحقیقت تصوّر کے لئے کس قدر وسیع میدان شاعر نے مہیا کر دیا۔

العظمۃ للّٰہ۔ اسی غزل میں کہتے ہیں۔

منّت رائحۂ نافہ و غنچہ نکشند

سرخوشانے کہ بہ بوئے دہنے ساختہ اند

عاشقانِ مست جو کسی کی بوئے دہن پر قناعت کئے بیٹھے ہیں مشک و غنچہ کی خوشبو کا احسان نہیں اُٹھایا کرتے۔ "بوئے دہنے" کا ٹکڑا جو لطف دے رہا ہے وہ ادب فارسی کے ادا شناسوں سے پوشیدہ نہیں۔ نواب صاحب کی شاعری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مخاطب اگرچہ حُسنِ مجازی کا پیکر اور گوشت پوست کا واقعی انسان ہے لیکن جمال ظاہری کے ساتھ کمال معنی سے آراستہ ہے اسی کے ساتھ خود ان کا جذبۂ محبت بھی پاکیزگی اور وفا پرستی کے اوصاف سے متصّف ہے ملاحظہ ہو۔

من و خیال رُخے، بے نیازم از گلشن

من و جمال مہے، آفتاب را چہ کنم!!

بے نیازانہ ز سیرِ گل و گلشن گزرند

بیدلانے کہ بہ گل پیرہنے ساختہ اند

بعض پوری کی پوری غزلیں کسی خاص واقعے سے متاثر ہو کر لکھی ہیں جن میں واقعیت کی بنا پر تاثیر۔ اور مسلسل ہونے کی وجہ سے زور پیدا ہو گیا ہے جیسے ہے:۔

از دل می خیزد و بر دل می ریزد مثلاً وہ غزل جس کا مطلع ہے

Marfat.com

در حریم وصل جانانم وطن خواہد شدن
شمع بزم انس آں ماہِ ختن خواہد شدن

یا

ربودہ ہوش و قرارم غزال رعنائے
نگار مست خرامے بلند بالائے

اکثر غزلیں اساتذہ قدیم کی زمینوں میں لکھی ہیں اور کامیاب شعر نکالے ہیں جن پر کہیں کہیں علامہ شبلی اور خواجہ عزیز جیسے سخن گو اور سخن سنج ناقدانِ ادب نے تحسین فرمائی ہے۔ حضرت ممدوح کے کلام میں متعدد مواقع پر عالی ہمتی و بلند حوصلگی کے مضامین اس خوبی سے نظم ہوئے ہیں کہ بے ساختہ دل سے واہ نکلتی ہے۔ چند مثالیں سنئے اور لطف اٹھائیے۔

مثلاً جب آپ حیدر آباد سے ترک تعلق کر کے وطن کی جانب واپس آ رہے ہیں تو ریل کے سفر میں یہ شعر کہا

شاہباز ہمتم ربطے بدستِ شاہ داشت
خوش نہ کردہ بند دستِ دیگراں پرواز کرد

شاہباز کا بادشاہوں کے ہاتھ سے تعلق قدیم رواج کی طرف اشارہ کر رہا ہے شعر کا مطلب ہے کہ جبتک بادشاہ کے ہاتھ سے تعلق رہا میری ہمت کا شاہباز پابند رہا لیکن جب دوسرے لوگ دخیل ہو گئے تو اس کو یہ محکومی گوارا نہ ہوئی اور اُڑ گیا۔

ہمتِ ما سر نمی آرد بہ اِں ونند فرود — دولتِ مالبس بود آں شوخِ سیم اندام ما

Marfat.com

اگرچہ انداز میں کوئی ندرت نہیں تاہم شعر سے شاعر کی عالی ظرفی کا پتہ چلتا ہے۔

سرِ آزادگاں بر پائے دون طبعاں بود حیف است
اگر خاک رہِ جاناں نشد بر دار بایستے

آزاد مزاجوں کے سر کے لئے دو ہی مصرف یا حل ہو سکتے ہیں۔ یا راہ دوست کی خاک ہوں یا دار کی زینت بنیں۔ یہ کیا غضب کہ ایسا سر اور ذلیل فطرتوں کے قدموں پر۔ خیال کی رفعت اور بیان کی لطافت داد سے سے مستغنی ہے لطافت بیان کی تمثیل میں چند شعر اور ملاحظہ ہوں ان سے قارئین کرام کو محروم رکھنا ہمارے نزدیک ظلم ہے۔

دارم امیدِ صلح ازاں چشم جنگ جو — جیتے ز زلفِ پریشانم آرزوست
بادِ چمن علاج تپِ دل نمی کند — عیسیٰ دمی ز گوشۂ دامانم آرزوست
نہ کردہ جلوہ بتِ شوخ و باختم دل و دیں — اگر برافگند از رخ نقاب ما چہ کنم
توانم ایں کہ لب خود بہ مے نیالایم — سیاہ مستیٔ عہد شباب را چہ کنم
خلق را بسکہ گمانہاست بہ ہشیاریٔ خویش — جلوہ فرمائیکے پرس کہ ہشیار کجاست

آپ کے کلام میں بیان کی سلاست اور زبان پر قدرت کی مثالیں بکثرت ہیں مثال کے طور پر وہ نظم پڑھئے جو "وکسی" کے ریمارک کے جواب میں تحریر کی ہے۔ آغاز یہ ہے :۔

اے کہ از غایتِ لطافتِ طبع
سحرِ نو بہار را مانی ۵

Marfat.com

خاتمہ کا شعر سننے کے قابل ہے۔

گفتۂ طالب رضائے توام
من ویزداں کہ من خدائے توام

ایک جگہ لکھتے ہیں۔

حسرت زبوئے باغ دماغم نمی رسد
بوئے وفا ازاں گلِ خندانم آرزوست

دماغ رسیدن فارسی میں مست وسرخوش ہونے کے معنی میں آتا ہے۔

کہیں کہیں کلام میں شوخی اور بے باکی کی ادا بھی جھلکتی ہے

چوں نخواہد داشت تابِ بوسہائے بیدریغ
آں لبِ میگوں برنگِ یاسمن خواہد شدن

کشیم منت بختِ بلند خود روزے
کہ درکشیم ببر آن بلند بالا را

ممکن ہے کہ بعض ثقہ طبائع ان اشعار پر چیں بہ جبیں ہوں۔ مگر جذبات کے دریا کا بند باندھنا آسان نہیں چلتے چلتے دو شعر تعلّی اور زورِ بیان کے بھی سنتے جائیے فرماتے ہیں۔

از بدخشاں لعل و از عُمان گہر
جوہر طبعم ز کانے دیگرست
نغمہ ہائے طوطی و بلبل خوش است
حسرت ما ر افغانے دیگرست

Marfat.com

ان چند سطور پر یہ تقریب ختم کرنے سے پہلے اپنے مخدوم حضرت نواب صدر یار جنگ بہادر مدظلہ العالی کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے بغایت ذرّہ نوازی مجھے اپنے کلام فارسی کو طبع کرانے اور شائع کرنے کی سعادت بخشی ع

کلاہِ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید

استاذی پروفیسر مولانا ضیاء احمد صاحب بدایونی کا بھی منّت گزار ہوں کہ اس خوشگوار فرض کی ادائیگی میں آپ نے میرا ہاتھ بٹایا۔ فجزاھم اللہ خیرالجزاء[1]

---

[1] "خوش گفتی و دُر سفتی (حسرت شروانی)

Marfat.com

۱۹۵۱ء

مستقبلِ اسلام (فیوچر آف اسلام)

تصنیف : ولفریڈ اسکا زن بلنٹ

ترجمہ : حضرت اکبر الہ آبادی،

جناب چودھری نذیر احمد صاحب[۱] کی صدارت اور مولوی عظمت اللہ صاحب ایڈوکیٹ کی نظامت میں ۱۷ اپریل ۱۹۵۱ء کو کراچی میں شاندار طریقہ پر یومِ اکبر منایا گیا۔ جس میں مرحوم کے بارے میں پُر اثر خطبات۔ مقالے اور نظمیں پڑھی گیئں۔ یہ بھی اعلان ہوا کہ بزمِ اکبر کی جانب سے حضرت اکبر کے صاحبزادے میاں عشرت کی مرتب کی ہوئی سوانح عمری عنقریب شائع ہوگی۔ نیز کلیاتِ اکبر کو[۲] بھی عمدہ طریقہ سے ازسرنو طبع کرایا جائے گا۔ لیکن کسی بھی خطبے۔ مقالے یا نظم میں حضرت اکبر کی ایک خاص ادبی و تاریخی کاوش کا ذکر نہ سُنکر تعجب ہوا۔ میری مراد مشہور مستشرق ولفریڈ اس کازن بلنٹ کی قابل قدر کتاب "فیوچر آف اسلام" کے اُردو ترجمہ "مستقبلِ اسلام" سے ہے۔

سید جمال الدین افغانی اور عربی پاشا المصری سے گہرے روابط کی بنا پر مستشرق ولفریڈ اسکازن بلنٹ کافی مشہور ہو چکے تھے نیز ان کی انتھک

---

[۱] ایڈوکیٹ لاہور سابق مرکزی وزیر حکومت پاکستان [۲] یہ کام ہو گیا۔

Marfat.com

کوششوں اور معرکتہ الآرا تصانیف نے ان کو اواخر انیسویں صدی اور اوائل بیسویں صدی عیسوی میں مسلمانوں میں حد درجہ ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ چنانچہ جنوری ۱۸۸۲ء میں جب بلنٹ کی یہ کتاب قاہرہ سے شائع ہوئی تو حضرت اکبر نے فوراً اسے اُردو میں منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا ۱۸۸۴ء میں حضرت موصوف علیگڈھ میں سب جج کے عہدے پر فائز تھے لہذا وہیں ترجمہ کو مکمل کیا اور سرسید علیہ الرحمتہ کے قائم کردہ انسٹی ٹیوٹ پریس میں "مستقبل اسلام" کے نام سے اُسے طبع کرایا۔

اس کتاب کا یہ مطبوعہ نسخہ راقم کی نظر سے نہیں گزرا۔ البتہ یہ حسن اتفاق ہے کہ خود اکبر کے قلم کا خوشخط مسودۂ کتاب تقریباً ۴۲ سال کا عرصہ ہوا مجھے اپنے وطن بریلی میں دستیاب ہوا۔ (یہ یاد نہیں کہ کس طرح) عرصہ تک میرے پاس محفوظ رہا اور میں اسے اپنے ہمراہ پاکستان بھی لے آیا۔ کتاب کی تقطیع ۲۰×۳۰/۸ اور پندرہ سطری ۲۶۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ خود حضرت اکبر کے دست خاص سے اس کے لکھے ہوتے کی ایک سے زائد بار جناب نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی اور مولانا سید طفیل احمد صاحب منگلوری مرحوم و مغفور نے مجھ سے زبانی تصدیق فرمائی یہ دونوں بزرگ حضرت اکبر کے ہمعصر اور احباب میں سے تھے، ان کے علاوہ خاتمہ کتاب صفحہ ۲۶۷ پر مشہور خطاط جناب شیخ ممتاز صاحب جونپوری مرحوم جائنٹ سکریٹری آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس نے میری فرمائش پر حسب ذیل تصدیقی نوٹ سپرد قلم فرمایا۔

"مجھ سے اور جناب اکبر الہ آبادی سے مراسم تھے اور

Marfat.com

خط و کتابت بھی کبھی کبھی ہوتی تھی انہوں نے ایک بار
مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ اوائل عمر میں ان کو خوشنویسی کا
بھی شوق تھا۔ یہ کتاب ۱۸۸۲ء کی لکھی ہوئی ہے۔
اس کی شان خط اور حضرت اکبر کے خط میں بظاہر کچھ فرق
معلوم ہوتا ہے مگر بہت سے جوڑ پیوند جو اس کتاب میں
نظر آتے ہیں اور روانی کے ساتھ قلم سے نکل گئے ہیں وہ
اس انداز سے مشابہ ہیں۔ جو آخر عمر تک ان کے شان خط
میں محفوظ رہ گئے تھے۔ اس لیے میں تصدیق کرتا ہوں
کہ یہ کتاب جناب لسان العصر اکبر آبادی کے قلم کی لکھی
ہوئی ہے۔ ممتاز حسین جونپوری بقلم خود المرقوم ۹ فروری
۱۹۴۴ء بمقام علیگڑھ۔

مصنف کتاب مسٹر بلنٹ نے تحریک اتحاد اسلامی کو تقویت پہونچانے کی
غرض سے ہندوستان کا بھی دورہ کیا تھا۔ چنانچہ جوں ہی وہ کلکتہ پہونچے حضرت
اکبر نے ان سے کلکتہ جا کر ملاقات کی اور اپنے ترجمہ کو شائع کرنے کی نہ صرف
اجازت حاصل کی بلکہ ترجمہ کے واسطے ایک دیباچۂ ثانی بھی لکھوایا جو شامل
کتاب ہے اس دیباچہ میں بلنٹ لکھتے ہیں۔

"کتاب فیوچر آف اسلام کو زبان اردو میں ترجمہ
کرنے کی اجازت دینے کے ساتھ میں اپنی بے انتہا
مسرت کا اظہار کرتا ہوں کہ میری ناچیز تصنیف کو

Marfat.com

کو ایک لائق اور تعلیم یافتہ مسلمان اکبر الہ آبادی نے دنیا میں سب سے بڑی مسلمانوں کی جماعت کے پڑھنے کے لائق سمجھکر پسند اور منتخب کیا (اشارہ بر ہمہ گیری اردو) اور میرے دل پر اس بات کا بھی اثر پڑا کہ میری محنتوں کو مسلمانانِ ہندوستان نے تسلیم کیا اور مجھکو ایک بیگانہ محض اور خواہ مخواہ دخل در معقولات کرنے والا نہیں سمجھا بلکہ درست سمجھا،،

متذکرۂ بالا دیباچہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بالمشافہ ملاقات میں حضرت اکبر نے مسٹر بلنٹ کو ان کی کچھ غلطیوں سے بھی آگاہ کیا۔ اور اسلام کے بارے میں ان کے بعض اصلاح طلب نظریوں پر توجہ دلائی جنکو تسلیم کرکے بلنٹ لکھتے ہیں۔

"اُس کے ساتھ ہی میرے دل میں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید میں نے اپنی کتاب میں ایسے الفاظ اور فقرات مندرج کئے ہیں جن پر اب تین سال کے بعد کے اس عرصہ میں جبکہ مجھکو اسلام سے زیادہ واقفیت ہوگئی اور محبت پیدا ہوئی ہے۔ مجھکو افسوس کرنا چاہیئے۔ بلا شبہ میں جانتا ہوں کہ اس کتاب میں بعض ایسی عبارتیں موجود ہیں کہ جب میں نے ان مضامین کو کسی قدر عاجلانہ طور پر لکھا تھا۔ میں اب تہ دل سے ان کو واپس لیتا ہوں

Marfat.com

الحق یعلو ولا یُعلیٰ ــــ ولفرڈ اسکاون بلنٹ کلکتہ،
یکم جنوری ۱۸۸۴ء ،،

کتاب "فیوچر آف اسلام" ، اس کے مضامین اور مصنف کے بارہ میں
ز کتاب کے اُردو ترجمہ کی نوعیت و ضرورت کو اپنے مخصوص محتاط انداز میں
ضرت اکبر تمہید مترجم کے زیرِ عنوان اس طرح لکھتے ہیں۔

"اپنے برادران اسلام کے سامنے کتاب فیوچر آف اسلام کا ترجمہ پیش کرنے میں مجھکو کچھ زیادہ تمہید کی ضرورت نہیں ہے۔ مصنف نے جو خیالات ظاہر کیے ہیں عام اس سے کہ وہ ہمارے حسبِ مراد ہوں یا نہ ہوں یا ان کی صورت تمام تر لائق تسلیم ہو یا نہ ہو ایسے نہ تھے کہ مجھکو مسلمانوں کی اطلاع کے لئے اسکے ترجمہ کا شوق پیدا نہ ہوتا۔ زمانہ کی رفتار نے مسلمانوں کے دلوں میں ایک غیر معمولی حالت پیدا کر دی ہے ۱۸۷۷ء میں روس نے یورپ کے مردِ بیمار ترکی پر حملہ کیا، خلافت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا اور تمام عالمِ اسلامی برطانوی اور یورپین استعمار کی چیرہ دستیوں کا شکار بنا ہوا تھا۔ ایسے وقت میں مجھکو اُمید ہے کہ میں نے اپنا وقت ضائع نہیں کیا۔ اگر سوچنے والے طبقوں کے دائرہ خیال کو وسیع کرنے کے لئے کچھ محنت اُٹھائی اور اسلام کی مجموعی

Marfat.com

پولٹیکل اور مذہبی حالت کی نسبت انگلستان کے
ایک عالی رتبہ اور ذی علم شخص کی رائے سے ان کو مطلع
کیا۔ مصنف نے یہ کتاب صرف اپنے ہم ملکوں اور بالخصوص
پارلیمنٹ انگلستان کو اسلام کی حالت پر توجہ دلانے
کے لئے تصنیف کی تھی۔ ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ یہ کتاب
ہندوستان میں شائع ہو یا اس کا ترجمہ کیا جائے۔ مسٹر
حمید اللہ سلمہ نے ایک جلد کتاب انگلستان سے اپنے
پدر عالی مرتبہ مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کے ملاحظہ
کو بھیجدی تھی، مولوی صاحب ممدوح کی اجازت سی
وہ کتاب میں نے پڑھی اور اس کے مضامین نے اس
کے ترجمہ پر مجھکو مجبور کیا۔ ہنوز ترجمہ ختم نہ ہوا تھا کہ مسٹر
بلنٹ خود ہندوستان تشریف لائے اور بمقام کلکتہ
مجھکو ان سے ملنے کی عزت حاصل ہوئی۔ انہوں نے
ایک اور دیباچہ بطور ضمیمہ دیباچۂ اوّل کے تحریر فرمایا۔
اور مجھکو دیا، جس کا ترجمہ میں اس کتاب کے ساتھ شامل
کرتا ہوں۔ سلطنت ترکی کے قائم رہنے کی نسبت مصنف
کو جو مایوسی تھی یہ دیباچہ اس مایوسی کو گھٹاتا ہے۔
مصنف نے مجھ سے یہ بھی فرمایا کہ سلطنت ترکی کی،
نسبت بعض اطلاعیں ان کو خود علمائے مصر و عرب سی

Marfat.com

حاصل ہوئی ہیں اور انکی صحت کے وہ خود ذمہ دار نہیں ہیں
اس ترجمہ کے حاشیہ صفحہ ۱۰ کی سطرِ آخر میں پندرہ سو
کی جگہ پندرہ ہزار پڑھنا چاہیئے۔ مصنف کو معلوم
نہیں کہ کتاب انگریزی میں کیونکر یہ غلطی واقع ہوئی۔
میں نے ارادہ کیا تھا کہ مسٹر بلنٹ صاحب کی ان تمام
اسپیچوں کو جو ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں
انہوں نے کیں اور اُن ایڈرسوں کو جو مسلمانوں اور
ہر مذہب کے علماء کی جانب سے ان کی خدمت میں پیش
ہوئے اور اس خط و کتابت کو جو بہ رضائے لارڈ رپن صاحب
گورنر جنرل ہند کے درمیان مسٹر بلنٹ اور گورنمنٹ
حیدر آباد کے درباب قائم کرنے ایک یونیورسٹی یعنی دارالعلوم
کے وقوع میں آئی۔ مسلمانوں کی اطلاع کے لئے اس کتاب
میں شامل کروں۔ لیکن اس ترجمہ کے شائع ہونے میں
بہت دیر ہو چکی تھی اور زیادہ دیر مناسب نہ تھی، جہاں
تک ممکن تھا میں نے لفظی ترجمہ کیا ہے اور مصنف کے
سلسلۂ خیالات کو ذرا بھی برہم نہیں ہونے دیا۔ فقروں
کی پیچیدگی دور کی ہے، معانی کو روشن اور کامل کرنے
کے لئے ایک لفظ کے ترجمہ میں حسب ضرورت دو دو اور
تین تین لفظ لکھدئے ہیں لیکن خیالات پیچیدہ کا سہل

Marfat.com

کرنا میرا کام نہ تھا۔

اہل علم ناظرین کتاب سے اُمید ہے کہ میری بے بضاعتی اور کم فرصتی کے لحاظ سے وہ مجھ کو معذور رکھیں گے۔ اگر اس ترجمہ میں کچھ غلطیاں پائی جائیں۔ چھاپہ اور کتابت کی غلطی تو ایک ضروری چیز ہے، اب میں ان دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے ارشاد و تحریک نے مجھے محنت ترجمہ پر مستقل رکھا۔ جناب کنور لطف علیخاں صاحب رئیس طالب نگر۔ اسپیشل مجسٹریٹ کول (نواب صاحب چھتاری کے عم محترم) نے ایک فیاضانہ مدد کی اور ایک بڑا حصہ مصارف طبع کا عنایت کیا جس کا میں دل سے شکر گزار ہوں۔ اب ناظرین ورق اُلٹیں اور مصنف کی باتیں سنیں۔ فقط سید اکبر حسین الہ آبادی مقام علیگڈھ

۲۵ مارچ ۱۸۸۴ء"

پورے دیباچہ کو نقل کرنے اور زحمتِ مطالعہ دینے سے راقم کا یہ منشا تھا کہ اب سے ۸۰ سال قبل کے حضرت اکبر الہ آبادی کے خیالات۔ عزائم اور ماحول کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجائے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس وقت ان کا طرز تحریر کیا تھا۔

جس زمانہ میں حضرت اکبر نے اپنی کتاب پیش کی تصنیف و تالیف سے زیادہ ترجمہ کو اہمیت حاصل تھی بالخصوص اس لئے بھی کہ ہمدردِ اسلام یورپین علماء

Marfat.com

اور مفکرین کو نہ صرف زیادہ سند اعتبار حاصل تھی بلکہ حکومت وقت کی نظر میں ان کی تحریریں زیادہ قابل گرفت بھی نہ ہوتی تھیں۔ اسی بناء پر سرسیّد اور ان کی سائنٹیفک سوسائٹی کے اہل قلم حضرات ملّی مفاد کے لئے ایسی چیزوں کو ڈھونڈ کر بذریعہ اقتباسات۔ ترجمہ یا ایڈیٹنگ شائع کرتے تھے جو یورپین حضرات کی لکھی ہوئی ہوتی تھیں۔

اس دیباچہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے حضرت اکبر ایک ہنسنے ہنسانے والے مصلح شاعر کی حیثیت سے مشہور ہونے سے قبل کس قدر سنجیدہ، دردمند اور پرجوش قومی کارکن تھے۔ سرسیّد اور ان کے نورتن پوری تابناکی کے ساتھ مرکز علم وعمل علیگڈھ میں اس وقت ضوفشانی فرما رہے تھے۔ اکبر بھی ان کے درمیان موجود ہونے کی وجہ سے اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اگرچہ ان کا سرسیّد سے شدید نظریاتی اختلاف بھی تھا۔ لسان العصر حضرت اکبر کی زندگی کا یہ دوران کے سوانح نگار کے لئے بہت کچھ تلاش وتحقیق کا محتاج ہے۔

Marfat.com

سنہ ۱۹۵۲ء

شررؔ کے تاریخی ناولوں کا ایک جائزہ[۱]

مولانا عبدالحلیم شررؔ نے اپنے مشہور رسالہ دلگداز کے علاوہ جسکو انھوں نے پورے پچاس سال تن تنہا مرتب کرکے شائع کیا۔ ایکسودو کتابیں بھی اپنی یادگار چھوڑیں ہیں۔ ان کتابوں میں ۱۵ تاریخیں ۲۱ سوانح عمریاں۔ ۶ نظم و ڈراما ۱۸ متفرق کتابیں ۴ خیالی ناول اور ۲۸ تاریخی ناول ہیں۔ یوں تو ان کا ہر ایک مضمون اور ان کی ہر ایک کتاب ہمارے ادب کا قابل قدر سرمایہ ہے۔ لیکن ان کو شہرت دوام تاریخی ناولوں سے حاصل ہوئی غدر ۱۸۵۷ء نے ہندوستان کے امن میں ہلچل مچاکر زندگی کی بہت سی گذشتہ اقدار کو ختم کر دیا۔ اور مولانا شررؔ نے جو زمانہ دیکھا وہ مسلمانوں کے سیاسی۔ عمرانی اور علمی زوال کا زمانہ تھا ان کے دلِ دردمند نے محسوس کیا کہ قوم کو قعرِ مذلت و پستی سے نکالنے کے لئے ضرورت ہے کہ اس میں جوش مذہبی اور ذوقِ تاریخ پیدا کیا جائے اور اسلاف کے ولولہ انگریز مذہبی و سیاسی کارناموں سے اُسے گہری دلچسپی پیدا کرائی جائے تاکہ ؎

چشم پرکارے کہ بیند رفتہ را
پیشِ تو باز آفریند رفتہ را

اقبالؔ

---

[۱] العلم کراچی جنوری ۱۹۵۲ء

Marfat.com

انہیں یقین تھا کہ اپنے بزرگوں کے حالات پڑھ کر مسلمان از سر نو ان جیسا بننے کی کوشش کریں گے اور بالآخر کامیابی وظفرمندی ان کے قدم چومے گی۔ لیکن موضوع خشک ہونے کی بنا پر مذہبی وتاریخی کتابوں کو عوام وخواص یکساں دلچسپی کے ساتھ نہ پڑھ سکتے تھے اوراس طرح اقتضائے وقت کے لحاظ سے ان کے متعین کردہ نصب العین کو قبولیت عام حاصل نہ ہوسکتی تھی جس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ ناول وافسانہ کے ذریعہ لوگوں کو تاریخ بالخصوص تاریخِ اسلام کا چسکا لگا دیں۔ ان کی یہ تدبیر بدرجہ اتم کامیاب ہوئی اور نہ صرف برصغیر پاکستان وہند میں بلکہ دنیا کے جس جس حصہ میں اُردو بولی اور پڑھی جاتی ہے مولانا شرر کے تاریخی ناول لاکھوں انسانوں کے مطالعہ میں آچکے ہیں۔ اور ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ میں مولانا شرر کے پیدا کردہ لٹریچر کو کافی دخل ہے کیونکہ بقول اقبال ؎

قوم روشن از سوادِ سرگزشت
خودشناس آمد زیادِ سرگزشت

شرر کے تمام تاریخی ناول قرون اولیٰ کے واقعات پر مبنی ہیں ان کے ناولوں میں مشرقی تہذیب جیتی جاگتی ملے گی ان کے ناول اسپین سے سندھ وقنوج تک کے حالات وواقعات اور حوادث پر حاوی ہیں۔ شرر کا حسن بین المملکتی ہے۔ اور اس طرح وہ اپنے عہد کے دوسرے دو بڑے ناول نگار سرشار اور نذیر احمد سے زیادہ پر عظمت ہیں۔

صحیح تاریخ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی دور کے صرف

Marfat.com

سیاسی واقعات ہی کا مجموعہ نہیں ہوتی بلکہ وہ اس دور کے سماجی شعور کا بھی مجموعہ ہوتی ہے۔ چنانچہ آج ہم تاریخ سے کسی عہد کے سماجی رجحانات اور ہیئت اجتماعیہ کے وجدان و شعور کا بھی ٹھیک ٹھیک اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تاریخ کا مقصد محض ماضی کے واقعات کو دہرانا نہیں بلکہ مستقبل کی فکر بھی پیدا کرنا ہے۔ یہیں سے وہ زندگی کی ساتھی ہو جاتی ہے تاریخی ناول، تاریخ کی اس خصوصیت کی ترجمانی کرتے ہیں جو ناول ماضی پرستی کے بجائے پرانی منزلوں ہی میں گم کر دیں افادی ناول نہیں کہے جا سکتے۔ یہ بہت ہی نازک مقام ہے تاریخ حقیقت پسندی کی ترغیب دیتی ہے ناول حقیقت کو افسانے کے روپ میں پیش کرتا ہے کامیاب ناول نگار وہی ہے جو ان دونوں میں توازن قائم کر دے۔ حقیقت پرستی تاریخ کے حق میں ضروری ہے۔ لیکن ناول کے لئے نہیں اس کے برخلاف زیادہ افسانویت ہی نفس افسانہ کے لئے تو بہتر ہے لیکن بحیثیت مجموعی تاریخی ناول کے خلاف دراصل مناسب یہی ہے کہ درمیانی راستہ اختیار کیا جائے۔ مولانا شررؔ کی یہی بڑی خصوصیت ہے کہ وہ تاریخ اور افسانے کے درمیان چلتے ہیں۔ دونو میں توازن قائم رکھتے ہیں اور دونوں سے بحیثیت مجموعی برابر کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انھوں نے جس انداز سے تاریخ کو پیش کیا ہے وہ غیر معمولی فنکارانہ انداز ہے۔

شررؔ نے اپنے تاریخی ناولوں میں ماضی کے پُر عظمت نقوش کو ابھارا ہے۔ اخوت و مساوات اور بہادری و سرفروشی نیز حسن و عشق کی بکثرت دلپذیر روایات کو قلم بند کیا ہے یہ روایات اگرچہ اسلامی تاریخ سے وابستہ ہیں لیکن دوربین نظروں میں ان کی وقعت بین المذہبی بھی ہے۔ جذبات صالح کی،

Marfat.com

عکاسی خالص انسانی زاویۂ نگاہ سے کی ہے جن کا عروج و ترقی انسانیت کے مقام کو بلند کرتی ہے۔ شرر نے سچائی کے ساتھ ان جذبات کو پیش کیا ہے۔ ان کے ہیرو اور ان کے مسلم نسوانی کردار بہادر، مجاہد اور اصولِ مفادِ عامّہ کے پیرو ہیں۔ اُن کے ہر چھوٹے بڑے تاریخی ناول میں یہ خصوصیت نمایاں ہے۔

مولانا شرر کے تاریخی ناولوں میں ایّام عرب۔ فلورا۔ فلورنڈہ۔ منصور موہنا اور فردوس بریں خاص طور پر مشہور ہیں۔

ایام عرب شرر کا سب سے زیادہ کامیاب ناول ہے۔ اس ناول میں انھوں نے ایام جاہلیت کے جیتے جاگتے نقشے کھینچے ہیں جیسا کہ اُن کی کتاب ارض مقدس سے ظاہر ہوتا ہے۔ شرر کو رسول صلعم کی بعثت سے پہلے کے واقعات پر خاص طور پر عبور حاصل ہے، اس لئے ایام عرب میں انھوں نے ایام جاہلیت کے معاشرے کی تصویر بہت عمدہ کھینچی ہے۔ اس ناول کو ان کے فن کا نچوڑ کہنا چاہیئے۔ اس میں ایام جاہلیت کی ترجمانی، اسکاٹ کی ترجمانی کے ہم پلہ ہے۔ اسکاٹ کی طرح وقت کا سماں باندھ دیا ہے۔

"فلورا فلورنڈہ" یہ ناول بھی شرر کے تاریخی ناولوں میں ایک کامیاب ناول ہے جس میں عیسائیوں کی اس سیاہ کاری کو بے نقاب کیا گیا ہے جو وہ مذہب کی آڑ لے کر شب و روز کیا کرتے تھے۔ اُن کے معبد اور ان کی خانقاہیں مہیب گناہوں کا مرکز تھیں جہاں گرجے کے عہدیدار و نیز امراء رنگ رلیاں منایا کرتے تھے۔ شرر نے خانقاہوں کی اندرونی زندگی کا پردہ نہایت دل آویز طریقہ پر چاک کیا ہے، اس ناول سے عہد بنو امیہ کی معاشرت پر بھی روشنی پڑتی ہے،

Marfat.com

نیز اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں مسلمان راست باز، دیندار اور مذہبی خوبیوں سے مالا مال تھے۔ ہرچند کہ عیسائی ان کے ماتحت تھے لیکن ان سے مساوات کا سلوک کیا جاتا اور ان کی عزت و جان کی حفاظت کی جاتی تھی فلورا فلورنڈہ میں اس عہد کی اس خصوصیت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ مسلمان دیبا و حریر کا استعمال کرتے تھے اور اعلیٰ درجہ کی زندگی بسر کرتے تھے جبکہ یورپ کی زیادہ تر اقوام اعلیٰ رہن سہن کے طریقوں سے نا آشنا تھیں۔ شرر نے فلورا فلورنڈا میں تہذیب و شائستگی کے وہ تمام نقوش اجاگر کئے ہیں جنکا ثبوت ہر مورخ کے یہاں ملتا ہے شرر اس ناول میں اکثر اونچی رومانی فضا پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں خصوصیت سے وہ مناظر جہاں یولاجیس کی فریب کاریوں کو منظر عام پر لایا گیا ہے بہت دلچسپ اور پُر اثر ہیں

"منصور موہنا" شرر کا یہ ناول ۳۹۵ھ یا ۱۰۱۷ء سے شروع ہوتا ہے اس میں سلطان محمود غزنوی کی فتوحات سے افسانے کو وابستہ کیا گیا ہے لیکن وہ بس اسی حد تک تاریخی ہے کہ اس میں افسانے کا آغاز و انجام سلطان محمود کے ہندوستان پر حملہ کے زمانے سے متعلق ہے۔ اس کا مرکزی خیال محمود کے حملوں کو بیان کرنا اور اسلامی عظمت کو منظر عام پر لانا ہے۔ افسانہ منصور موہنا اور عذرا کی محبت کے گرد گھومتا ہے لیکن اس کی شان نزول کس قدر بیجان ہے۔ تاریخی اعتبار سے بھی اس افسانے میں کافی غلطیاں ہیں۔ مثلاً محمود کے حملے کے زمانہ میں اجمیر کسی نمایاں اہمیت کا مالک نہ تھا۔ حالانکہ ناول نگار نے اجمیر کو ہی خاص جگہ دی ہے ہندوستان میں اس وقت بہت سی ہندو ریاستیں تھیں۔ دریائے سندھ کے قریب گندھارا میں برہمنوں کی حکومت تھی۔ قنوج

Marfat.com

اور دہلی میں توماروں کا راجہ تھا۔ گنگا کے نشیبی میدانوں میں مگدھ کے بدھ حکمران تھے مالوا میں گپتا اور مہوبہ میں چندیلے تھے۔ ہندوستان میں محمود کو تین لڑائیاں خصوصیت سے لڑنی پڑی تھیں پہلی لڑائی جے پال سے دوسری قنوج کی اور تیسری سومناتھ کی۔ شرر نے ناول میں جو وقت متعین کیا ہے یعنی ۳۹۵ھ یا ۱۰۱۶ء جو قنوج پر حملے کا وقت ہے ۱۰۱۸ء میں محمود نے تومارا راجہ کے دارالسلطنت قنوج پر حملہ کیا اور مختلف ضمنی لڑائیاں لڑنے کے بعد راہیب یارام گنگا کے کنارے ۱۰۲۰ھ میں تومارا حکومت کا مکمل استیصال کر دیا۔ دسمبر ۱۰۱۸ء کے پہلے ہفتہ میں محمود نے متھرا فتح کیا۔ اس کے بعد وہ قنوج کی طرف بڑھا تھا۔ مولانا شرر نے جن گھمسان کی لڑائیوں کے نقشے کھینچے ہیں، وہ بے بنیاد ہیں۔ جیسا کہ لین پول نے لکھا ہے، عالم یہ تھا کہ راجہ سلطان کے آنے کی خبر پا کر ہی فرار ہو گیا اور گنگا کے کنارے اس بڑے شہر کے سات قلعے ایک ہی دن میں ختم ہو گئے۔ گھمسان کی لڑائیاں ۱۰۱۸ء سے پہلے اور ۱۰۱۸ء کے بعد ہوئی ہیں۔ لہذا ۳۹۵ھ کے وقت کا انتخاب تاریخی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے۔ البتہ اسلام کی شان اجاگر کرنے اور محبت کی ہمہ گیری ثابت کرنے میں یہ ناول بہت کامیاب ہوا ہے۔

یہ ناول المیہ پر ختم ہوا ہے۔ تاریخی ناول کا المیہ انتہائی پُر اثر ہوتا ہے کیونکہ المیے میں زوال ایک عظیم زوال ہوتا ہے۔ اگرچہ منصور کوئی تاریخی شخصیت نہیں ہے لیکن افسانے نے اس کو کافی بلند کر دیا ہے۔ اور اس کا زوال خاصا اثر انگیز ہے۔

فردوس بریں۔ اس ناول میں شرر نے رومان کا ہلکا سا سہارا لے کر

Marfat.com

حسن بن صباح کے فرقہ باطینہ جو حشیشین کے نام سے مشہور ہے کی کارگذاریوں کو بے نقاب کیا ہے۔ اس ناول میں محبت کی چاشنی کم ہے بلکہ شرر نے اپنا پورا زور قلم فدائیوں کی خفیہ کارروائیاں بیان کرنے میں صرف کیا ہے۔ علاوہ ازیں ان کے تخیلی خاکے جو فردوس بریں اور قلعہ الموت سے متعلق ہیں جاندار اور اثر پذیر ہیں۔ یہ ناول ایک تاریخی حقیقت پر قائم ہے۔ ایک ایسی حقیقت جس میں کافی پذیرائی ہے۔ شرر نے فدائیوں کے ہاتھوں جو قتل دکھائے ہیں وہ گیارھویں صدی عیسوی کے دہشت ناک دور کی اسی نوعیت کی دوسری زبردست اموات کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ فدائیوں نے خواجہ حسن نظام الملک کو مارنے کا قصد کیا تو اسکو مار کر ہی دم لیا۔ ان کے ہاتھ سے بمشکل ہی سے کوئی بچا تاریخ شاہد ہے کہ کیسی کیسی اولوالعزم عظیم الشان شخصیتیں ان کے خنجر کا شکار ہوئیں۔ فردوس بریں میں صاحب الموت کی سیاہ کاریوں اور قلعہ الموت کی معصیت میں لپٹی ہوئی زندگی کا نقشہ بھی حد درجہ پر اثر ہے۔ چونکہ مولانا شرر کا ذہن مذہب کی جانب زیادہ راغب تھا اس لئے دین اور بے دینی کی بھی کافی معلوماتی بحثیں فردوس بریں میں ملتی ہیں۔ باطنی فرقے کے عقائد اور ان کی منطقی دلیلیں جس عمدگی کے ساتھ ناول میں بیان کی گئی ہیں دوسری جگہ نہیں ملتیں۔ حالانکہ فردوس بریں ایک تاریخی ناول ہے مناظرہ کی کتاب نہیں۔

مذکورہ ناولوں کے علاوہ شرر کے دوسرے تاریخی ناول ملکہ نوبیہ دلچسپ فلپانا۔ ملک العزیز ورجنا۔ حسن بن صباح۔ مینا بازار۔ قیس و لبنیٰ۔ ماہ ملک شوقین ملکہ۔ فتح اندلس۔ عزیزہ۔ زوال بغداد۔ جویائے حق۔ بابک خرمی۔

Marfat.com

مفتوح فاتح۔ الفانسو۔ رومۃ الکبریٰ و لعبت چین، یوسف نجمہ۔ مقدس نازنین۔
اور حسن انجلینا سب کی سب کم و بیش عمدہ اور یادگار زمانہ کتابیں ہیں تاریخ
اپنے سینہ میں بعض ایسے حسین ترین واقعات چھپائے ہے جو حقیقت پر مبنی
ہیں اور ساتھ کے ساتھ رومان سے بھی لبریز ہیں۔ شررؔ نے ان کو ناول سے
وابستہ کرکے اور افسانے کے رنگ میں پیش کرکے ان کی دل کشی میں چار چاند
لگا دئیے۔ وہ اُردو ادب میں ہمیشہ زندہ رہیں گے انہوں نے باضابطہ ناول
نگاری اور وہ بھی تاریخی ناول نگاری کی ابتدا کی ہے۔ اُردو داں طبقہ میں وہ
بہت مقبول ہیں اور ان کو عام عزت حاصل ہے۔ کیونکہ مذہبی و تاریخی ادب
کو عوامی بنانے میں انھوں نے مدت العمر غیر معمولی کوشش کی خصوصیت
سے منصور موہنا اور ایّام عرب خالص عوامی چیزیں ہیں۔ انھوں نے اپنے تاریخی
ناولوں کے ذریعہ عوام تک اسلام کی عظمت کے قصے پہنچائے۔ شررؔ اسلام کے
رجز خواں ہیں اور یہی ان کے ناولوں کا اولین مقصد ہے۔

(بہ شکریہ ریڈیو پاکستان)

Marfat.com

تاریخ مسلمانانِ پاکستان و بھارت

(تالیف: مولانا سیّد ہاشمی فرید آبادی)

پاکستان بننے کے کئی سال بعد تک ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں تاریخ کی پرانی کتابیں ہی پڑھائی جاتی رہیں۔ ایک ایسی تاریخ جو خصوصی طور پر پاکستان کے جغرافیائی حدود اور وجود پر بھی روشنی ڈالتی ہو موجود نہ تھی جناب مولانا ہاشمی فرید آبادی نے اس کمی کو پورا کیا اور "مسلمانان پاکستان وبھارت" کی تاریخ کو اس نہج پر ترتیب دے دیا کہ پاکستان کی تاریخ صاف طور پر علیحدہ نظر آنے لگی، واقعات سب پرانے ہیں صرف ترتیب میں مفید چابکدستی سے کام لیا گیا ہے۔

ہاشمی صاحب نے دوسرا اچھا کام یہ کیا کہ اپنی کتاب کو محض جنگی وقائع اور بادشاہوں کے رزمیہ کارناموں تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ خاتمۂ ابواب میں عہد بعہد کی علمی تعلیمی اور تہذیبی ترقیوں کو بھی موثّر انداز میں اُجاگر کرتے چلے گئے۔ جن کا مطالعہ تاریخ کے طالب علموں، پاکستانی قوم اور اس کے حاکموں کے لئے ازلبس ضروری تھا۔

چونکہ فی الوقت پاکستان میں علمی و ثقافتی سرگرمیاں اور ان کی خاطر خواہ قدر دانی نظر انداز ہے اور صاحبانِ علم و فن کا ستارہ گردش میں ہے لہذا

Marfat.com

محض اس امر کی ترغیب اور یاد دہانی کے لئے کہ مسلمانوں میں ہمیشہ اور ہر حال میں حکمرانی و معارف پروری کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔.........

..... ہاشمی صاحب کی تاریخ کو پڑھتے وقت ہم ان حصوں پر نشان کرتے گئے جو ثقافتی جدوجہد سے متعلق تھے ان نشان زدہ حصوں کا جب ہم نے یکجائی مطالعہ کیا تو عہد اسلامی کی علمی ترقیوں کی ایک مکمل تصویر آنکھوں میں پھر گئی، اپنی اس پسندیدہ تصویر کو ہم بجنسہ ناظرین "العلم" کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں تاکہ ماضی کی اس شاندار یادگار کو حال و مستقبل کے لئے نشان راہ بنایا جا سکے۔

متفرق مضامین کو مربوط کرنے کے لئے ذیلی سرخیاں قائم کی گئی ہیں اور چند سطروں کا بخط خفی اضافہ کیا گیا ہے اور جو مقام محل نظر تھے ان کو حوالوں کے ساتھ حل کر دیا ہے۔

الغرض ہاشمی صاحب کی "تھوک کی کوٹھی" سے "خردہ کی یہ دوکان" اچھی خاصی سج گئی ہے کاش اسے خریدار بھی پسند کریں۔

Marfat.com

۱۹۵۵ء

علی گڑھ میگزین (علیگڑھ نمبر)

(پروفیسر رشید احمد صدّیقی)

علیگڑھ میگزین کا زیر نظر نمبر اس کے خصوصی شمارے کی حیثیت سے خاص اہتمام کے ساتھ شائع کیا گیا ہے، پرچے کو دو الگ الگ حصوں میں تقیسم کیا گیا ہے۔ جزو اوّل کا عنوان "علیگڑھ تحریک" ہے اور جزو دوم "شخصیات اور جائزوں" کے لئے مختص کیا گیا ہے اور یہ سارا مواد میگزین کے مخصوص سائز پر کوئی ساڑھے تین سو صفحات میں سما گیا ہے۔

اپنے دور رس اثرات اور ہمہ گیر حلقۂ اثر کے لحاظ سے علیگڑھ تحریک اس برعظیم کے مسلمانوں کی تاریخ میں ممتاز ترین مقام کی حامل ہے اور گزشتہ ایک صدی کے سیاسی، معاشرتی و تعلیمی ارتقا کا کوئی جائزہ اس وقت تک مکمل نہیں سمجھا جا سکتا جب تک علیگڑھ تحریک کی حقیقت اور اس کے اثرات مابعد کا تفصیلی مطالعہ پیش نہ کیا جائے۔

حالی نے حیاتِ جاوید میں سرسیّد کی سیرت اور ان کے کردار کا نقشہ کھینچتے ہوئے انہیں ایک جامع حیثیات، شخص کہا ہے۔ حالی کے زمانے تک اور حیاتِ جاوید کی تدوین کے وقت سرسیّد کی ہمہ جہتی شخصیت کے مختلف

Marfat.com

پہلوؤں کا عام احساس شروع نہیں ہوا تھا لیکن اہل نظر اس ذہنی انقلاب کے ابتدائی نقوش سے بے خبر نہ تھے جو سر سید احمد خاں کی تحریک کے نتیجہ میں رونما ہونے والا تھا چنانچہ حیات جاوید میں انیسویں صدی کے اس عظیم انسان کی سیرت کے سارے خدوخال تفصیل کے ساتھ پیش کر دیئے گئے ہیں۔ اور اب ان پر کسی قسم کا اضافہ بہت مشکل ہے۔ بایں ہمہ تحقیق و تفحیص اور اخذ نتائج کا دروازہ کھلا ہوا ہے، علیگڑھ میگزین کے ادارے نے اس تحریک کے مختلف پہلوؤں کو از سر نو پیش کر کے ایک اہم خدمت انجام دی ہے۔ اس کوشش کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تقسیم کے بعد کے دور میں سرحد کے اس پار (دشمنوں نے ہی نہیں بعض دوستوں نے بھی)۔ سر سید اور ان کی پالیسی کی ترجمانی کچھ اس انداز پر کی جو حقیقت سے بمراحل دور تھی۔ سر سید کی دیانت، ان کی وطن پرستی اور سیاسی مسلک پر شک و شبہ کا اظہار کیا گیا۔ علیگڈھ میگزین کا یہ پرچہ ان شکوک و شبہات کو دور کرنے میں کامیاب ہوا تو یہ ایک خوش آیند بات ہوگی۔

اس نمبر کے لکھنے والوں میں بیشتر بڑے بڑے نام نظر آتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ زیادہ تر علیگڈھ کے بارے میں عام خیالات اور سطحی باتوں کو دہرا دیا گیا ہے۔ بیشتر مضامین "فرمائشی" نوعیت کے معلوم ہوتے ہیں جن میں عالمانہ غور و فکر سے کام لینے کی بجائے کہی ہوئی باتوں کو نئے انداز میں بیان کرنے پر اکتفا کر لیا گیا ہے۔ ہمارے ممتاز ادیبوں اور نامور اہل قلم کا یہ

Marfat.com

رویہ ان کے اپنے لئے بھی کچھ زیادہ فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ تاریخی شہادتوں اور متعلقہ مواد سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا جاتا۔ یہاں پاکستان میں علیگڑھ پر کام کرنے والوں کے لئے بڑی دقت یہ ہے کہ اس موضوع سے متعلق جملہ مواد ہندوستانی کتب خانوں بالخصوص علیگڑھ میں رہ گیا ہے اور وہاں جاکر کام کرنے کے لئے جس پرسکون فضا اور دلجمعی کی شرط ہے وہ بین المملکتی تعلّقات میں اب تک صحیح معنوں میں پیدا نہیں ہو سکی ہے۔ ہماری آرزو ہے کہ دونوں ممالک کے طالب علموں بالخصوص تحقیقاتی کام کرنے والوں کے لئے سرکاری سطح پر اس قسم کی سہولتیں بہم پہنچانے کا انتظام کیا جائے دریں اثنا علیگڈھ سے شائع ہونے والے پرچے سے جہاں اس موضوع پر کام کرنے کے لئے ہر ممکن مواد اور سہولتیں حاصل ہیں ایک دوم درجہ کی چیز کی اشاعت کی توقع نہیں کی جا سکتی ہمیں افسوس ہے کہ ان سہولتوں سے بہت کم فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔

سب سے پہلی بات جو اس سلسلہ میں کھٹکتی ہے وہ ایک باقاعدہ خاکہ کا فقدان ہے سرسیّد کی زندگی اور ان کے کاموں کو مختلف ابواب میں تقسیم کر دینا چاہیئے تھا۔ اور یہ باب مختلف حضرات میں ان کی دل چسپی اور رجحان کے مطابق تقسیم کر دیئے جاتے۔ ادارتی عملہ ان میں ضروری کمی بیشی کر کے تسلسل پیدا کر دیتا تو پورے پرچے میں موضوع و بیان کے ارتقا کی صورت پیدا ہو جاتی فی الوقت مختلف اور منتشر موضوعات پر مضامین فراہم کرنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ پورا میگزین پڑھ لینے کے بعد بھی ہم کسی مرکزی تصوّر تک پہنچنے

Marfat.com

سے قاصر رہتے ہیں۔ بعض عنوان ایسی عام نوعیت کے ہیں کہ ان میں سید احمد خاں کے رجحانات کا مجموعی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ بعض موضوعات پر ایک سے زیادہ حضرات نے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے چنانچہ یا تو ایک ہی بات کئی کئی جگہ بیان ہوگئی ہے یا پھر اس کی بالکل متضاد و مختلف توجیہات کی گئی ہیں جن سے ذہن کو الجھن ہوتی ہے۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ عملۂ ادارت نے بجز فراہمی وطباعت مضامین کے اور کسی طرف توجہ نہیں دی ورنہ مکرّرات کو بہ آسانی حذف کیا جاسکتا تھا اور درمیانی کڑیوں کا خلا پُر کرنے کے لئے مقامی طور پر مضامین لکھے یا لکھوائے جا سکتے تھے۔

علیگڑھ کی سیاسی زندگی پر ڈاکٹر محمد اشرف صاحب کا مضمون خاص طور پر لائق توجہ ہے سید احمد خاں کے کارناموں کو راجہ رام موہن رائے کی سرگرمیوں کا مسلم ایڈیشن قرار دے کر موصوف نے ایک نیا نظریہ پیش کیا ہے لیکن ہم اُمید کرتے ہیں ڈاکٹر صاحب اس خیال کو ایک مستقل مقالے کی صورت میں ذرا پھیلا کر پیش کریں گے تاکہ معلوم ہو سکے کہ بنگالے سے سماجی اصلاح کی جو تحریک اٹھی تھی اس نے انہیں کس طور پر اور کن ذرائع سے متاثر کیا" دل و دماغ " کی جس کشمکش کا ذکر موصوف نے علیگڈھ کی سیاسی زندگی، کے سلسلہ میں کیا ہے وہ دراصل ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے جو سر سید کے ذہن کے ارتقا کی تبدیلیوں کا عہد بعہد مطالعہ نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے۔

Marfat.com

اگر ڈاکٹر صاحب اس طرف توجہ فرمائیں کہ سر سیدؒ نے آخر میں علیگڈھ کو جس راستے پر ڈالا تھا اس کے انتخاب میں بڑی حد تک وہ گردوپیش کے حالات سے مجبور ہوئے تھے ورنہ ابتداء میں وہ خود ہندو مسلمان دونوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنے کے قائل تھے یہ موضوع تفصیلی بحث کا محتاج ہے مگر افسوس ہے کہ میگزین کے صفحات میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں نکالی گئی۔ اس باب میں ڈاکٹر صاحب سے بمشکل اختلاف کیا جا سکیگا کہ علیگڈھ کی "سیاسی بیداری" کی تاریخ لکھنے پر آج تک سنجیدگی سے توجہ نہیں دی گئی۔ ہم علیگڈھ میگزین کے ارباب حلّ و عقد کو اس ضرورت کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ میگزین کا آئندہ شمارہ اسی موضوع کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ ۴۷ء کے بعد کے علیگڈھ کے حالات کے سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے خود ہی اپنی ناواقفیت کا اعتراف کر لیا ہے اور چونکہ اس زمانہ میں ان کا دل و دماغ کانگریس کی تحریک رابطۂ عوام کی کامیابی کے لئے وقف تھا اس لئے وہ تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ اس دور کا مُسلم ہندوستان اکثریت کے جارحانہ (بلکہ جابرانہ) طرز عمل کی بدولت اپنے سیاسی مستقبل سے کس درجہ مایوس ہو چکا تھا اور علیگڈھ نے اس دور میں مسلمانوں کے سچے اور بے لاگ ترجمان کی خدمت انجام دی۔ اسکے برعکس یہ کہنا کہ بیزاری اور تلخی کا یہ سرچشمہ علیگڈھ سے پھوٹا۔ واقعات و حقائق کے مسخ کر دینے کے مترادف ہو گا۔ علیگڈھ تو اس کا منادی اور ترجمان تھا اور بس۔ اسکی ذمہ داری جس گروہ پر ہے ۴۷ء کے بعد ہندوستان میں بیٹھ کر اس کا اظہار خطرے

Marfat.com

سے خالی نہیں۔ بہرطور ڈاکٹر صاحب کا مضمون اپنی بعض انتہا پسندانہ آرا کے باوجود دعوت فکر دیتا ہے۔ پاکستانی رجحانات کے سلسلے میں "شاہنامۂ اسلام" کی مقبولیت اور مولوی ہاشمی فرید آبادی صاحب کی تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت کے عنوانِ "کشور کشائی" پر تعریض ڈاکٹر صاحب کی موجودہ سیاست کے عین مطابق ہے۔ ہندوستان میں پراچین کال کے تمدن کو اپنانے اور اس پر فخر کرنے کے عام رجحان کو ڈاکٹر صاحب بہ آسانی نظرانداز کر سکتے ہیں۔ لیکن پاکستان کی تاریخ کا منطقی سلسلہ اگر شاہان و سلاطینِ دہلی سے ملایا جاتا ہے تو سرگرانی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ علیگڑھ تحریک کا اصلی دھارا تقسیم کے بعد فطری طور پر پاکستان منتقل ہوگیا ہے۔ نئے علیگڑھ کی صورت میں اس کے بقاء و استحکام کی کوشش کی جائے تو اس پر خفا ہونے کا کوئی محل نہیں ہے۔

سرسید کے مذہبی طرزِ فکر کا ہمارے محترم دوست عمر الدین صاحب صدر شعبۂ فلسفہ مسلم یونیورسٹی نے جو تجزیہ کیا ہے وہ اس پرچہ کا نہایت وقیع مضمون ہے اور حق یہ ہے کہ موصوف نے اپنے موضوع کا بڑی کاوش سے جائزہ لیا ہے۔ مغرب کے تہذیبی اور ادبی اثرات پر آل احمد سرور صاحب نے بعض نئی باتیں کہی ہیں جن سے اختلاف بھی ممکن ہے مثلاً وہ سید احمد خاں کو مفکروں میں جگہ نہیں دے سکتے بلکہ انھیں محض ایک مبلغ سمجھتے ہیں۔ اردو نثر کی جو خدمت سرسید نے کی ہے۔ سرور صاحب نے مناسب الفاظ میں اسے خراج تحسین ادا کیا ہے۔

Marfat.com

افسوس ہے کہ شخصیات کا حصہ جو اردو زبان میں دلچسپ کارآمد اور معلومات افزا ہو سکتا تھا نسبتہً ہلکا نظر آتا ہے۔ اس فہرست میں ان تمام فرزندان جامعہ کا ذکر آنا ضروری تھا جن کی فکر و نظر نے صرف علیگڑھ اور اس کی پالیسی بلکہ پورے برعظیم کے مسلمانوں کی ذہنی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کو متاثر کیا ہے۔ اس فہرست میں ادیبوں کی کثرت نظر آرہی ہے، ادب کے گہرے اثرات اور ادیب کی خاموش ذہنی گرفت کے وزن کو کم کرنا مقصود نہیں لیکن اس ادارے کی خاک سے جو لالۂ و گل پیدا ہوئے ان کی خوشبو اور رنگینی زندگی کے دوسرے میدانوں پر بھی محیط تھی۔ اس فہرست میں صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، مہاراجہ محمود آباد، نواب سر محمد مزمل اللہ خاں، سر شاہ محمد سلیمان، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، مولانا سید طفیل احمد، سر راس مسعود اور بالخصوص ڈاکٹر ضیاء الدین احمد کی عدم موجودگی بڑی طرح محسوس ہوتی ہے اور تی شذرے میں استاذی پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی کی نگرانی کے باوجود زبان و بیان کی خامیاں افسوسناک ہیں۔

بہرحال ادارے کی یہ کوشش قابل قدر ہے بالخصوص جن حالات میں یہ پرچہ نکالا گیا ہے اس کے پیش نظر اسے غنیمت ہی سمجھنا چاہیئے۔

Marfat.com

رہبر نسواں

تصنیف: قاضی عابد علی بلہوری

قیام پاکستان کے داعیات میں ایک بڑا بلکہ سب سے بڑا داعیہ یہ تھا کہ مسلمان اپنے قومی وطن میں اسلامی معاشرہ کی آزادانہ تشکیل کریں گے۔ اس تشکیل کے لئے جہاں اور چیزوں کی ضرورت ہے وہاں تعلیم و تعلّم کا صحیح نہج مقرر کرنے کی بھی سخت ضرورت ہے۔ جب تک بچوں، اور بچیوں کی تعلیم کا صحیح نہج مقرر نہ کیا جائے گا اور اسلامی نقطۂ نظر اور اسلامی سیرت و کردار کی تعمیر کا صحیح انتظام نہ ہوگا اس وقت تک معاشرہ کی صحت و صالحیت کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اسلام جدید و قدیم کی قیود کو تسلیم نہیں کرتا۔ مسلمان کا اصول عمل ہمیشہ "خذ ما صفا ودع ما کدر" ہونا چاہیئے۔ مگر تجدد پسندی اور جدت طرازی کو وقت کا فیشن سمجھ کر اس کے سامنے معذرتی انداز میں جھک جانا اور اپنی قیمتی روایات کے سرمایہ کو خزف ریزے قرار دے کر دانش و بینش کے افلاس کا مظاہرہ کرنا ایسی بات ہے۔ جسے کوئی غیرت مند اور صاحب بصیرت انسان پسند نہیں کر سکتا۔ لیکن افسوس کہ آج پاکستان میں عموماً اور کراچی میں خصوصاً جو کچھ نظر آرہا ہے وہ یہی ہے۔

Marfat.com

یہاں اونچے ایوانوں سے لیکر چھوٹی سے چھوٹی جھونپڑی تک میں ایک ہی قسم کی ہوا چل رہی ہے اور ہر کہ ومہ اسی کے رُخ پر اُڑنے کو ذریعہ عزت و کامیابی اور اپنی روایات کی تغلیط وغیر اسلام کی تقلید کو سرمائہ افتخار قرار دے رہا ہے۔ ماحول کی یہ قیامت خیز باں ہمارے بچوں اور بچیوں کی سیرت و کردار کی تشکیل کے لئے جیسی کچھ سمِّ قاتل ہیں اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ ان کے اثرات محسوس وغیر محسوس اور شعوری وغیر شعوری ہر اعتبار سے بہت گہرے پڑ رہے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں اول تو تدارک وانسداد کا کوئی خاص انتظام نہیں اور اگر تعلیم گاہوں میں کچھ ہے بھی تو بڑی حد تک ناقص ونا کافی۔ یہ صورت حال بڑی تشویشناک بلکہ خطرناک ہے۔ ارباب حکومت، اہل علم و بصیرت اور بہی خواہان ملک و ملت پر لازم ہے کہ اس کے تدارک وانسداد پر متوجہ ہوں۔ اور جو برائیاں معاشرہ کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہیں انھیں دور کرنے کا جلد از جلد انتظام کریں۔

مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ مشہور صحافی جناب قاضی عابد علی صاحب بلہوری نے اس نقطۂ نظر کو سامنے رکھکر خشت اول کے طور پر اپنے دائرۂ فکر و عمل میں اس کام کی مبارک بنیاد رکھدی ہے اور بچیوں کی تعلیم کے سلسلہ کی ایک اہم ضرورت کو "رہبر نسواں" کے نام سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب ایک مسلسل دلچسپ قصہ پر مشتمل ہے جو خالص اسلامی و مشرقی انداز میں لکھی گئی ہے۔ زبان صاف ستھری بیگماتی اور انداز بیان اتنا شگفتہ و دل نشین ہے کہ آنکھوں کے سامنے ایک سچے باوضع مسلمان گھرانے

Marfat.com

ایک اسلامی درس گاہ اور ایک ایسے تربیتی ادارہ کا نقشہ پھرجاتا ہے جو ظاہری ومعنوی دونوں اعتبار سے مثالی حیثیت رکھتا ہے اور جسے بڑی حد تک اسلاف کے معاشرتی ورثہ کی بازیافت کا وسیلہ کہا جا سکتا ہے۔

قصہ کے پہلے باب میں مولوی عماد الدین کی زبان سے لڑکیوں کی صحیح تعلیم وتربیت کی ضرورت کو ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے۔

"بچپن میں لڑکیوں کو جیسا چاہو ویسا بنایا جاسکتا ہے۔ اگر ان کی تعلیم وتربیت اچھی ہوگئی تو اچھی بن جائیں گی، بری باتوں میں پڑیں گی، تو بری ہو جائیں گی۔ جیسے چھوٹے چھوٹے پودوں کو باغبان جہاں چاہے اکھاڑ کر لگا سکتا ہے، اگر جھکانا چاہے تو جھکا سکتا ہے۔ سیدھا کرنا چاہے تو سیدھا کر سکتا ہے۔ مگر جب وہ درخت بن جاتا ہے اور سخت ہو جاتا ہے تو اسے نہ سیدھا کیا جا سکتا ہے نہ ٹیڑھا۔ سیدھا ہو گیا ہے تو سیدھا ہی رہے گا اور ٹیڑھا ہو گیا ہے تو ٹیڑھا"

بچوں اور بچیوں کی نفسیات کو اس پیرایہ میں بیان کرنے کے بعد صحیح تعلیم وتربیت کی بنیادی باتیں سکھائی گئی ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ ہماری بچیوں کی تعلیم وتربیت کا آغاز کس طرح ہونا چاہیے۔ اس میں کن باتوں کی ضرورت ہے اور کن باتوں سے اجتناب لازم ہے۔ علم دین، امور خانہ داری اور بڑے چھوٹوں کے ادب ولحاظ سے صحت وصفائی تک آٹھ ابواب قائم کر کے انھیں گہر ہائے بے بہا سے اس طرح مزین کیا گیا ہے کہ ہر صفحہ بلکہ ہر سطر

"کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا ست

Marfat.com

کے مصداق بن گئی ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ کتاب قبول عامّہ کی سند حاصل کرے گی، اور مصنّف موصوف اس کتاب کے باقی حصے بھی زیورِ طبع سے آراستہ کر کے منصّۂ شہود پہ لائیں گے۔ توقع ہے کہ یہ حصے ندریجاً بڑے درجوں کی طالبات کی علمی و ذہنی، اخلاقی، مذہبی اور دیگر متعلقہ ضرورتوں کی تکمیل کو باحسن الوجوہ پورا کریں گے۔

Marfat.com

ہندوؤں کی تعلیم

مسلمانوں کے عہد میں

تصنیف: علامہ سید سلیمان ندوی

جس طرح افراد کے مزاج و عادات اور جبلی تقاضے مختلف ہوتے ہیں اسی طرح اقوام کے عادات وخصائص میں بھی باہم اختلاف پایا جاتا ہے اس کے اسباب علمائے حیاتیات ونسلیات کے نزدیک کچھ ہی ہوں اور آب وہوا یا وسائلِ حیات وغیرہ کے موثرات کا کیسا ہی دخل ثابت کیا جائے مگر قوموں کی زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ موثر وکارفرما نظر آتی ہے۔ وہ ان کے فکر ونظر کا وہ انفرادی انداز ہے جس سے فرد وجماعت کی زندگی کی جملہ خصوصیتیں تشکیل پاتی اور جبلتوں اور عادتوں کا رنگ اختیار کر کے مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔

اس نقطۂ نظر سے دیکھئے تو قدیم ہندوستان کے ہندو اپنی بعض خصوصیتوں میں دنیا کی تمام دوسری قوموں سے مختلف نظر آتے ہیں، اوہام وا باطیل پرستی کی قدر مشترک کو چھوڑ کر اس زمانہ کی "متمدّن" قوموں سے ان کا کوئی خاص تعلق نہ تھا۔ ذات پات کی تقسیم نے اجتماعی زندگی کو محدود ترین دائروں میں اسطرح

Marfat.com

تقسیم کر رکھا تھا کہ کسی کو ایک دائرہ سے نکل کر کسی دوسرے دائرہ میں قدم رکھنے کی جرأت نہ تھی۔ ایک دائرہ دھرم رکھشکوں اور مذہبی سرداروں کا تھا جو پیدائشی اور نسلی برہمنوں کے لئے مخصوص تھا دوسرا جنگ آزماؤں اور سورماؤں کا جس میں صرف چھتری رہ سکتے تھے۔ تیسرا ویشیوں کا تھا جو کھیتی باڑی اور تجارت کے ذریعہ لوگوں کو ضروریات زندگی فراہم کرتے تھے۔ اور چوتھا شودروں کا اور چنڈالوں کا تھا جنہیں حیوانوں سے بھی فروتر درجہ دیا گیا تھا اور جن کا جان و مال ہر وقت اور ہر حال میں اعلیٰ ذات والوں کے لئے مباح تھا۔ سفر و سیاحت اور دوسری قوموں سے ربط و تعلق کو برا خیال کیا جاتا تھا۔ اور یہ عقیدہ عام تھا کہ سمندر کا سفر کرنے سے دھرم بھرشٹ ہو جاتا ہے۔ تعلیم صرف برہمنوں کے لئے مخصوص تھی اور حکم تھا کہ اگر نیچ ذات کا کوئی آدمی اتفاق سے بھی وید کا اشلوک سُن لے تو اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جائے

یہ تھا قدیم ہندوستان کے باشندوں کا طریق فکر و نظام حیات جس کا کوئی جز و ایسا نہ تھا جس پر علیحدگی پسندی و بے تعلقی اور تعصب و تنگ نظری کی مہر ثبت نہ ہو علم کی حدبندی، مجد و شرف کی اجارہ داری اور دوسری قوموں سے بے تعلقی و بے نیازی ہی کا کرشمہ ہے کہ عہد پارینہ کا ہندوستان علمی سرمایہ سے یکسر تہی دامن ہے اور ہزاروں سال کی متمدن زندگی کے دعاوی کے باوجود کوئی ایک کتاب یا کوئی دوسرا ریکارڈ ایسا پیش نہیں کر سکتا جس سے اس زمانہ کی اجتماعی زندگی کی ترقی کا کوئی ثبوت بہم پہنچ سکے اگر کچھ ہے تو دیو مالائی بے سروپا قصے کہانیاں یا لے دے کر ایک رامائن ہے جو خود اسی قسم کی غیر عقلی داستان

Marfat.com

برائیوں پر مشتمل ہے۔ پھر یہ صورت حال عہد قدیم کے اوائل و اواسط ہی سے مخصوص نہیں، اواخر میں بھی پوری نمایاں ملتی ہے، قبل از تاریخ سے مابعد تاریخ تک کے ہر مآخذ پر نظر ڈال جایئے۔ علم کی اشاعت اور تعلیم کے کسی نظام کا کوئی ثبوت نہیں ملے گا۔ کالنگا، پاٹلی پتر اور ہڑپا یا ٹکسلا ہندوازم کے نہیں بدھ مت کے فروغ کے آثار میں شامل ہیں۔ چنانچہ جب بدھ دھرم کو زوال اور برہمنیت کو دوبارہ فروغ ہوا تو تعلیم و تعلم کے یہ مرکز بھی عصبیتِ جاہلیہ کی نذر ہوگئے۔

ایک طرف ہندو قوم کا یہ رنگ تھا دوسری طرف بادیہ نشینانِ عرب ایشیا و یورپ کے درمیان ربط و انصال کے وسیلہ بنے ہوئے تھے، یوں تجارت تو زمانہ قبل از اسلام سے جاری تھی مگر جب اسلام سے مشرف ہو کر اہل عالم کی ہدایت و رہبری پر مامور ہوئے تو سرتاسر زندگی کی برکتوں اور سعادتوں کا سرچشمہ بن گئے، ان کے قدم جہاں پہونچے جاہلیت کی نحوستیں دور ہوئیں اور دیگر قوموں نے ظلم و جور سے نجات پائی۔

ہندوستان کے مسلم عہد کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ مسلمانوں، کے نرم قدم سے یہاں تمدن و معاشرت، فکر و فہم اور علوم و فنون میں ایسا انقلاب آیا کہ ایک طرف جو لوگ جامہ دوزی کے فن اور ضرورت تک سے نا واقف تھے، وہ آدابِ معاشرت میں مسلمانوں کے ہمدوش بنے تو دوسری طرف علم و فن کے علمبردار مسلمانوں نے بے تعصبی و مساوات اور علوم و فنون کی ترقی کے میدان میں سعی و جہد کا وہ نمونہ اور حسنِ سلوک اور رفق و مدارات کا وہ معیار قائم کیا کہ راعی و رعایا میں کوئی امتیاز نہ رہا۔ ہندوؤں کو انہوں نے ہر میدان میں آگے بڑھایا، تحصیل علم اور ترقی

Marfat.com

فنون کا ذوق پیدا کیا اور سرپرستی و سربراہی کی ایسی راہیں نکالیں کہ عروج و کمال کی کوئی منزل ایسی نہ رہی جو بلند حوصلہ شخص کی زد سے باہر ہو۔ یہ داستان اتنی طویل ہے کہ اس کا استیعاب کسی ایک صحبت یا کسی کتاب کے محدود صفحات میں ممکن نہیں تاہم علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم و مغفور نے اس کے ایک عنوان "ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں" پر کاوش و تحقیق کے جو نتائج پیش کئے ہیں ان سے اس گلشن الطاف و احسان کی بہار کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے :۔

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

"ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں" حضرت علامہ مرحوم کا ایک علمی مقالہ ہے جو انہوں نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس کلکتہ منعقدہ ۱۹۱۶ء میں پڑھا تھا۔ اس کے پایۂ تحقیق و استناد کے متعلق مجھ جیسے ہیچمدان کا کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانا ہے البتہ اس موقع پر میں ایک اشارہ کر دینا مناسب سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ ایک طرف مسلمانوں کے عہد اقتدار کی یہ خصوصیتیں اور ہندوؤں پر ان کے یہ احسانات ہیں، دوسری طرف ہندوؤں کی یہ احسان فراموشی و محسن دشمنی کہ آزاد و صاحب اختیار ہونے سے پہلے ہی مسلم کشی پر کمربستہ ہو گئے اور ایک ہزار سال کے حسن سلوک کو یک قلم فراموش کر کے ان کے مذہب و تمدن ہی کو نہیں مشترکہ تہذیب کے آثار و مظاہر تک کو مٹانے پر تُل گئے۔ قومی مزاج و قماش کی اس کیفیت کو وقت کی چلتی ہوئی اصلاحات کے آئینہ میں دیکھنے کی کیسی ہی کوشش کی جائے مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ان کی قومی خصوصیت ہے اور محسن کشی و احسان فراموشی ان کا مایۂ خمیر۔ آج

Marfat.com

کے حالات میں قومی مزاج وخصائص کا یہ تقابلی مطالعہ جہاں تاریخی لحاظ سے مفید ودلچسپ ہے وہاں سیاسی اور واقعاتی اعتبار سے بھی عبرت انگیز وسبق آموز ہے۔

اللہ تعالیٰ علامہ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین!

Marfat.com

شمارہ ۱۹۵۵ء

جمہوریت اور تعلیم

(جلد اوّل و دوم)

★ مصنف: جان ڈیوی ★ مترجمہ: سید محمد تقی

اردو زبان میں تلخیص و تراجم کا دور دورہ ڈیڑھ سو سال قبل شروع ہوا تھا۔ یعنی جوں ہی اُردو میں باقاعدہ نثر نگاری کی ابتدا ہوئی سب سے پہلے دوسری زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کی طرف توجہ کی گئی۔ اس کا سبب ظاہر ہے یہ تھا کہ اُردو نسبتاً ایک نوعمر زبان ہے، اگرچہ اس کا ابتدائی سراغ سات آٹھ سو سال قبل ملتا ہے۔ جس کی نشاندہی اور صراحت اُردو کے نشوو ارتقا کے فاضل محققین نے تفصیل کے ساتھ کی ہے۔ بحیثیت ایک علمی زبان کے اس کی عمر بہرحال پونے دو سو سال سے زیادہ نہیں ہے۔ اُردو زبان میں تراجم کی غیر معمولی اہمیت کا سبب یہ ہے کہ جب انیسویں صدی کے آغاز میں اُردو کو ایک سرکاری اور بین الصوبائی زبان کی حیثیت سے اختیار کیا گیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے (جس نے فارسی کے بجائے اُردو کو اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا) محسوس کیا کہ جب تک وسیع پیمانے پر ترجمے کی تحریک نہ چلائی جائے گی ممکن نہیں کہ اُردو کو حکومت اور کاروبار حکومت کی عملی اغراض کے لئے بھرپور اور ہمہ گیر طور پہ استعمال کیا جا سکے۔ اس مقصد کے لئے سب سے پہلا قدم، کلکتے میں فورٹ ولیم کالج کے "دارالانشاء" کی شکل میں اُٹھایا گیا۔ اور ڈاکٹر

Marfat.com

جان گلکرائسٹ نے اُردو کے نامور اور ممتاز ادیبوں کو جمع کر کے اپنی نگرانی میں اُردو کی چند یادگار کتابیں تالیف اور تصنیف کرائیں جن زبانوں کو تراجم کے لئے چنا گیا تھا ان میں انگریزی اور فارسی زبان کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ انگریزی اس لئے کہ وہ برسرِ اقتدار طبقے کی زبان تھی۔ اور فارسی اس لئے کہ برصغیر (پاک و ہند) کے چھ سو سالہ تخلیقی اور علمی کارناموں کا بہت بڑا سرمایہ اسی زبان میں تھا۔ نیز یہی وہ زبان تھی جس سے اُردو نے براہِ راست علمی۔ ادبی اور شعری فیضان حاصل کیا تھا۔ فورٹ ولیم کے بعد اس سلسلہ میں دتی کالج کا نام زبان پر آتا ہے۔ جہاں ۱۸۵۷ء سے قبل فاضل ادیبوں کی نگرانی میں سائنس، ریاضی اور تاریخ کی کئی اُمہات کتب کا ترجمہ انگریزی سے اُردو میں کرایا گیا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد اس برصغیر کے مسلمانوں کے عظیم ترین قومی فکری اور تعلیمی رہنما سرسید احمد خانِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں مسلم قوم کی "نشاۃ ثانیہ" کے لئے دوسری تحریکیں شروع کیں وہاں انھوں نے مسلمانوں میں جدید تعلیم کی عمومی اشاعت و مقبولیت کے لئے بھی ایک عہد آفریں تحریک چلائی۔ سرسید نے جو تاریخ ساز کام انیسویں صدی کے نصف آخر میں شروع کیا تھا اس کی حقیقی قدر و قیمت ہمیں ۱۹۴۷ء میں معلوم ہوئی۔ جبکہ عالمی نقشے پر ایک نئے ملک نے جنم لیا۔ بلاشبہ پاکستان علیگڑھ کی علمی اور فکری تحریک کا اک ثمرِ نورس ہے۔ سرسید نے دارالعلوم علیگڑھ کی بنیاد تو بعد کو ڈالی۔ اس سے قبل وہ اُردو زبان میں تراجم کی وسیع تحریک شروع کر چکے تھے اور ان کی قائم کردہ "سائنٹیفک سوسائٹی" اس سلسلے میں کافی کام کر چکی تھی ۱۸۶۴ء

Marfat.com

میں دارالعلوم علیگڈھ کے قیام کے بعد سرسید اور اُن کے رفقا نے مسلمانوں، میں حصول تعلیم کا عام شوق پیدا کرنے کے لئے ۱۸۸۶ء میں ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ اس کانفرنس نے غیر منقسم برصغیر کے مسلمانوں میں علمی بیداری پیدا کرنے کے لئے کیا کچھ کیا؟ عام طور پر معلوم و معروف ہے۔

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس پاکستان میں ان ہی عظیم روایات کی حامل ہے جو سرسید اعظم کی تعلیمی تحریک نے ہماری قومی زندگی میں قدم قدم پر قائم کی ہیں۔ حصول آزادی سے قبل تعلیم کا نصب العین وقت کے لحاظ سے کچھ بھی رہا ہو۔ آج یقیناً قومی تعلیم کا نصب العین صرف یہی ہو سکتا ہے کہ تعلیم و تربیت کے ذریعہ پاکستان میں ایک ایسی نسل کو وجود میں لایا جا سکے جو نہ صرف ایک آزاد قوم کی حیثیت سے اپنے عظیم اور لاتعداد فرائض بجالانے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ بلکہ بین الاقوامی دنیا میں بھی اپنی سیرت و کردار اور مقاصد کے لحاظ سے ممتاز حیثیت کی مالک ہو۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کا تعلیمی اور تبلیغی نصب العین یہی ہے۔ اسی نصب العین کا عکس کانفرنس کی "اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ" کی کارکردگی میں بھی جھلکتا ہے۔ یہ ادارہ تعلیم و ثقافت، کی معیاری کتب کی تصنیف و تالیف اور اُمہات کتب (کلاسیکی تصانیف) کو اُردو زبان میں منتقل کرنے کے لئے سرگرم عمل ہے۔

امریکہ کے مشہور فلسفی ماہر تعلیم "پروفیسر جان ڈیوی" کی معرکۃ الآراء کتاب "ڈیماکریسی اینڈ ایجوکیشن" کا پیش نظر ترجمہ "جمہوریت اور تعلیم" اسی سلسلے کی ایک نمایاں کڑی ہے۔

Marfat.com

انسان معلوم کی دس بارہ ہزار سالہ تمدنی تاریخ میں "تعلیم و تعلّم" اور "درس و تدریس" کا نظام کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود رہا ہے۔ کیونکہ تعلیم کے بغیر تمدّن کا کوئی مفہوم ہی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ خود تمدّنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ رضا کارانہ یا جبری بنیادوں پر معاشرے کے افراد کو خاص نظریات و مقاصد کی تعلیم دی جائے تاکہ معاشرہ میں معنوی ربط اور داخلی اتحاد پیدا ہو سکے۔ عہد حاضر کا معاشرہ بھی اندرونی اختلال و انتشار سے بچنے کے لئے ایک وسیع تعلیمی تحریک کا محتاج ہے اور خصوصیت کے ساتھ ہم پاکستانیوں نے ایک آزاد قوم کی حیثیت سے چونکہ ابھی حال میں اپنی اجتماعی زندگی کی شیرازہ بندی شروع کی ہے لہٰذا اس سلسلے میں پروفیسر جان ڈیوی کا تعلیمی فلسفہ ہمارے ملک کے تعلیمی نظریات اور قوم کی نئی شیرازہ بندی کے دائرہ میں انقلاب عظیم برپا کرسکتا ہے۔ جان ڈیوی تعلیم اور فلسفہ کے منظر پر اس وقت نمودار ہوا تھا جب براعظم امریکہ نے صنعتی عمل اور عملی میدان میں ایک عظیم الشان پیشقدمی شروع کردی تھی اور اس پیشقدمی کے آثار فکر و نظر کے ہر گوشے میں نمودار ہو رہے تھے۔ نئی دنیا کی فکری اور عملی زندگی کا شتر مرغ اپنے مہیب اور عظیم انڈے میں سے برآمد ہو چکا تھا۔ اور اب وہ ایک لمبی تگ و تاز کے لئے پر کھول رہا تھا پروفیسر جان ڈیوی کا فلسفۂ تعلیم امریکہ کے عمل پسند صنعت کار کے اسی بنیادی ذہنی اور فکری رجحان کی نمائندگی کرتا ہے۔

سطور بالا میں امریکی قوم کی ہمہ جہتی پیش رفت اور ہمہ گیر پیشقدمی کے جس دور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کم وبیش ہماری قوم بھی اسی دور میں داخل

Marfat.com

ہو چکی ہے۔ حکومتِ برطانیہ نے اپنے ڈیڑھ سو سالہ دورِ حکومت میں تعلیم کو (اگر پروفیسر جان ڈیوی کے الفاظ استعمال کئے جائیں تو صرف ارسٹوقراطی طبقے (نام نہاد طبقۂ اشرافیہ) تک محدود رکھا۔ ڈیوی اسے لبرل طریقۂ تعلیم قرار دیتا ہے۔ اور دعویٰ کرتا ہے کہ جمہوریت کے اس دور میں حقیقی تعلیم وہ ہے جو مفید پیشوں کے ذریعے لوگوں کو دی جائے۔ ڈیوی تعلیم کو جمہوریت کے سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے اس نے ایک نیا فلسفۂ تعلیم پیش کیا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ ڈیوی کے فلسفے نے عہدِ حاضر کے علمی اور تدریسی تصوّرات کو اس شدت سے متاثر کیا ہے کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

ہم پاکستان میں جمہوریت اور عملی زندگی بسر کرنے کے ابتدائی تجربات کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں نظامِ تعلیم کا سوال بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ برطانوی عہد میں ہماری تعلیم زندگی کا جامد اور غیر متحرک نقطۂ نظر پیدا کرنے کا ایک مہذب آلہ تھی۔ اس تعلیم کو جدید صنعتی عہد کے جمہوری اور عوامی تقاضوں سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ البتہ یہ ممکن تھا کہ آپ انگریزی درس گاہوں میں تعلیم پا کر عہدِ وکٹوریہ کے ایک شریف زادے بن جائیں۔ لیکن آپ کسی متحرک ترقی پذیر جمہوری معاشرے کے مناسب رُکن بننے کی صلاحیت سے قطعاً محروم ہو جاتے تھے۔ حصولِ آزادی کے بعد بھی ہمارا نظریۂ تعلیم اور نظامِ تعلیم وہی رہا جو عہدِ غلامی میں تھا۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ڈیوی کی کتاب کا مطالعہ از سرِ نو شروع کیا جائے۔ صرف یہی کافی نہیں کہ تعلیمی دنیا کی یہ معرکۃ الآراء کتاب پاکستان میں نصابِ درسی کا جزو بن کر رہ جائے اور یہ حیثیت تو اسے مدت

Marfat.com

سے حاصل ہی ہے۔ بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ڈیوی نے تعلیم کا جو فلسفہ پیش کیا ہے۔ اسے ہم اپنی قومی اور نظریاتی خصوصیات کے اضافے کے ساتھ اپنے نظام تعلیم کا جزو بنائیں۔ تا کہ پاکستان کا تعلیمی نظام ایک اُبھرتی ہوئی قوم کی صنعتی، عملی اور تمدنی زندگی کے گوناگوں تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکے۔

آخر میں چند الفاظ میں اس کتاب کے ترجمے کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں چونکہ یہ کتاب عہد حاضر کی ان کتابوں میں سے ہے جو زبان و مطالب کے اعتبار سے حد درجہ ادق ہیں۔ اس لئے جب اس کے ترجمے کا وقت آیا تو سوال پیدا ہوا کہ اس مہم عظیم کو سر کون کرے۔ کسی علمی کتاب کا ترجمہ کرنا زبان دانی پر ہی موقوف نہیں ہوتا۔ آپ فارسی کے کتنے ہی پختہ کار ادیب کیوں نہ ہوں اگر آپ کو شعر سے فطری مناسبت نہیں تو عمر خیام کی رباعیات کا آپ ہرگز ترجمہ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ڈیوی کی اس کتاب کو انگریزی زبان و ادب کا ماہر مترجم اُردو میں منتقل نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ مترجم کو فلسفے کے اعلیٰ مباحث اور فلسفی اور منطقی بحث و استدلال کے تمام وسائل کا نظری و عملی علم ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ڈیوی صرف ماہر تعلیم ہی نہیں عظیم المرتبت فلسفی بھی ہے اور اس کا شمار امریکہ کے تین رجال فلسفہ میں سے ہے۔ یہ ڈیوی کی خوش نصیبی ہے کہ اسے اپنی عظیم کتاب کے اُردو ترجمے کے لئے سید محمد تقی مل گئے جنہوں نے اس ترجمے میں طبع زاد تصنیف کا لوچ اور حُسن پیدا کر دیا ہے۔ سید محمد تقی، مدیر روز نامہ جنگ کراچی، پاکستان کے ایک مقبول اُردو اخبار کے مدیر کی حیثیت سے اپنی صحافتی صلاحیتوں سے کتنے ہی مطمئن کیوں نہ ہوں لیکن واقعہ

Marfat.com

یہ ہے کہ ان کا اصلی میدان عملی فلسفہ اور منطق ہے، انھوں نے اپنے فلسفیانہ مباحث پر بڑے معرکتہ الآراء مضامین انگریزی اور اُردو زبان میں لکھے ہیں جن کی گونج، دور دور تک پہنچ چکی ہے۔ اور اب انہوں نے کانفرنس اکیڈیمی کی فرمائش "پرڈیوی" کو لکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ڈیوی کے فلسفۂ تعلیم کی ترجمۂ کتاب میں بہت اچھی تشریح تقی صاحب نے کی ہے، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس یہ علمی تحفہ بڑے فخر کے ساتھ ملک کے تعلیمی حلقوں کے سامنے پیش کر رہی ہے۔ اُمید کہ اہل نظر اس ناچیز علمی خدمت کو شرف قبول عطا فرمائیں گے۔ آخر میں مجھے کارکنان اکیڈیمی کی جانب سے وزارتِ تعلیم اور وزارت مال حکومت پاکستان کا بھی خصوصی شکر ادا کرنا ہے جن کی معارف پروری کی بدولت یہ اور مثل اس کے دوسرے کام پایۂ تکمیل کو پہنچ رہے ہیں۔

میسرز میکملن اینڈ کو نیویارک بھی ہماری سپاس گذاری کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ہمیں ترجمۂ کتاب کی اجازت مرحمت فرمائی۔

Marfat.com

۱۹۵۰ء

جمہوریت اور تعلیم

(حصّہ اوّل و دوم)

(تصنیف : جان ڈیوی)

(ترجمہ : سیّد محمد تقی)

عہد جدید کے مشہور فلسفی اور ماہر تعلیمات پروفیسر جان ڈیوی، کی معرکتہ آلارا تصنیف "ڈیماکریسی اینڈ ایجوکیشن" کا یہ ترجمہ پہلی بار اردو میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کتاب کا دُنیا کے کلاسیکی ادب میں شمار ہے۔ کیونکہ اُس نے فلسفۂ تعلیم میں انقلاب پیدا کیا ہے۔ ڈیوی فلسفۂ جدید، صنعتی زندگی اور آج کے حرکتی دور کی عکاسی کرتا ہے۔ ڈیوی کے نزدیک صداقت بڑی حد تک اس عمل کا نام ہے جو جسم نامی اور اس کے ماحول میں ہم آہنگی کے لئے ہوتا رہتا ہے۔ ڈاکٹر ڈیوی اس بات پر شدّت کے ساتھ مصر ہیں کہ صداقت اور حقیقت جسم نامی کے ماحول میں ہم آہنگی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتی اور اُنھوں نے اسی نقطۂ نظر کو اساس بنا کر اپنے انقلاب انگیز فلسفہ تعلیم کو مرتّب کیا ہے جو بلا شبہ ان کے بہت بڑے کارنامے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کتاب میں آپ جس نظریۂ تعلیم کو پڑھیں گے وہ یہ ہے کہ جدید عہد کی صنعتی دُنیا میں صحیح جمہوری تعلیم صرف وہ تعلیم ہے جس میں علم کا

Marfat.com

حصول مفید پیشوں کی عملی مشق کے ذریعہ ہو۔ پُرانے طرز کی کتاب کے مطالعہ کے ذریعہ نہیں۔ ڈیوی نے کہا ہے کہ لبرل طریقۂ تعلیم جمہوری برادری کے لئے [illegible] نہیں ہے۔ جمہوری دور کی تعلیم عملی پیشوں میں مشغول رہ کر ہو سکتی ہے۔ ڈیوی کے اس نظریۂ تعلیم نے امریکہ کے نظامِ تعلیم میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور اسے جدید صنعتی تقاضوں کے مطابق بنا دیا۔

جمہوریت اور تعلیم ان امہات کتب میں شامل ہے جن کا کسی زبان میں موجود نہ ہونا اس زبان کی بے مائیگی کا ثبوت ہے۔

اس کتاب کا نہایت کامیاب ترجمہ سید محمد تقی مدیر اعلیٰ روزنامہ، جنگ کراچی نے کیا ہے اور آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس نے اُسے خاص اہتمام سے شائع کیا ہے۔

Marfat.com

۱۹۵۸ء

تاریخِ تحریکِ آزادی

"پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی" ہمارے ملک میں ایک سرگرم کار علمی ادارہ ہے جو گزشتہ آٹھ سال سے بہت مفید کام کر رہا ہے۔ اس کے صدر جناب فضل الرحمٰن صاحب سابق وزیر حکومت پاکستان اور اس کے روح رواں ہمارے عزیزم و محترم دوست ڈاکٹر سید معین الحق صاحب ہیں، سوسائٹی اس وقت تک تاریخ کی کافی کتابیں شائع کر چکی ہے ایک سہ ماہی پرچہ بھی "پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل" کے نام سے جاری ہے۔

اس جماعت کی طرف سے سب کام انگریزی میں ہوتا ہے تاکہ پاکستان کا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ جو اردو نہیں پڑھتا اور غیر ممالک کے لوگ، ان مطبوعات کو پڑھ کر ہمارے ماضی کی تاریخ و ثقافت سے اگر بے خبر ہیں تو باخبر ہو جائیں اور اگر غلط رائے رکھتے ہوں تو صحیح رائے قائم کر لیں۔ ویسے بھی دو سو سالہ انگریزی دورِ حکومت کے رعب و دبدبہ نے انگریزی زبان کو السنۂ شرقیہ کے مقابلہ میں ایک انتہائی باعزت مقام کا مالک بنا دیا ہے اور انگریزی کی کتابوں کو لوگ چاہے سمجھیں یا نہ سمجھیں خاص وقعت کی نظر سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ انگریزی زبان میں کتابیں لکھنے اور چھپوانے میں ہر قسم کی سہولتیں مہیا ہیں اور ان کا مارکیٹ بھی لامحدود ہے ان ہی

Marfat.com

سب باتوں کے پیش نظر پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے قومی و ملی تاریخ انگریزی زبان میں شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ اور اپنے تالیفی و تحقیقی کام میں یہاں تک احتیاط برتی ہے کہ اُردو ماخذوں تک سے کام نہیں لیا ہے۔ کیونکہ بقول ے

"اُردو کی سند کا کیا بھروسہ"؟

پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کا سب سے اہم کام "تاریخ تحریک آزادی" کی چار جلدوں میں تدوین ہے جس کی بڑے سائز کی چھ سو صفحات پر مشتمل پہلی جلد ابھی حال میں شائع ہوئی ہے۔ کتاب کے بورڈ آف اڈیٹرس میں ڈاکٹر محمود حسین خاں۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی۔ مسٹر ایم بی احمد۔ پروفیسر اے، بی، اے حلیم۔ شیخ محمد اکرم۔ ڈاکٹر اے حلیم۔ اور ڈاکٹر سید معین الحق شامل ہیں۔ اس بورڈ کا تقرر ۱۳ جون ۱۹۵۲ء کو حکومت پاکستان نے بذریعہ سرکاری گزٹ کیا تھا۔ پانچ سال کی جدوجہد اور صرف کثیر کے بعد پہلی جلد شائع ہوئی ہے اور چونکہ اس جلد کی اشاعت کی بدولت۔ دفتر۔ کتب خانہ اور ضروری مواد کی فراہمی اور کام کرنے والوں کی تنظیم مکمل ہو گئی ہے اس لئے بقیہ تین جلدوں کی تیاری میں نہ اس قدر تاخیر ہوگی اور نہ اس درجہ مشکلات کا سامنا ہوگا۔

زیر نظر جلد اوّل کے بیس ابواب ہیں جنکو سولہ اصحاب نے لکھا ہے، پہلا تمہیدی باب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کا تحریر کردہ ہے۔ اور ہماری ناچیز رائے میں پوری کتاب میں شاہکار کا درجہ رکھتا ہے، ستاون صفحات میں جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے ہند و عہد سے لیکر موجودہ زمانہ تک برصغیر پاک و ہند میں مختلف اقوام اور جماعتوں کے عروج و زوال کی داستان اور اُن کے اسباب و

Marfat.com

علل پر نہایت عالمانہ تبصرہ کیا ہے۔ اُن حالات و واقعات کو بڑی خوش اسلوبی سے یکجا کیا ہے۔ جو اسلامی سلطنت کے زوال کا باعث ہوئے۔ مسلمانوں کے زوال کی کیفیت بیان کرنے میں ایک نقطۂ عروج پیدا کر کے کچھ ایسا محسوس کرایا ہے کہ اب یہ قوم کبھی نہ اُبھر سکے گی۔ اس منزل کے بعد اور یہ فضا پیدا کر کے ڈاکٹر صاحب نہایت ڈرامائی طریقہ پر سر سید کی شخصیت کو میدان میں لائے ہیں۔ اور بجا طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ایک "مردے از غیب" تھے جنہوں نے مسلم قوم کی ڈوبتی ہوئی کشتی کی کامیاب ناخدائی کی۔ افسوس ہے کہ تقسیم کار کی پابندیوں کے باعث ڈاکٹر صاحب مسلمانانِ پاک و ہند کی نشاۃ ثانیہ اور قیام پاکستان کی تمام و کمال داستان نہ لکھ سکے۔ بیتابی کے ساتھ جی چاہتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب ہی پوری کتاب لکھتے اور بلا فصل ذہنی ہم صرف اُنھیں کو پڑھتے۔

کتاب کے اگلے ابواب میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب کے خلاصۂ بیان کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ اور واقعات کو از سرِ نو دھرایا گیا ہے۔ اس ذیل میں باب دوم "آثارِ زوال" از ڈاکٹر ریاض الاسلام۔ باب سوم "عالمگیر کے جانشین" (بہادر شاہ اول تا محمد شاہ) از ڈاکٹر سید معین الحق۔ باب چہارم "احمد شاہ عالمگیر ثانی اور شاہ عالم" از ڈاکٹر سید معین الحق۔ باب پنجم "سکھوں کا عروج و زوال" از مولانا رشید اختر ندوی۔ باب ششم از جناب تفضل داؤد و ڈاکٹر احمد رشید۔ باب ہفتم "نوابانِ اودھ" از مرزا علی اظہر برلاس خصوصی درجہ رکھتے ہیں۔ مشہور معلوم تاریخی واقعات کو اچھی ترتیب و زبان میں مرتب کیا گیا ہے۔ باب ہشتم "آصف جاہ اول" از جناب ڈاکٹر اے۔ رحیم معرکہ کا

Marfat.com

مضمون ہے اور آصف جاہ اوّل کے کارناموں کی ایسی اچھی تصویر غالباً اس سے پہلے نہیں پیش کی گئی۔ باب نہم "شاہ ابدالی اور تیسری جنگِ پانی پت" از ڈاکٹر سید معین الحق یہ مضمون بھی کتاب میں شاہکار کا درجہ رکھتا ہے جس کی تیاری میں ڈاکٹر صاحب نے کس قدر محنت۔ کس قدر چھان بین اور کس قدر مواد فراہم کیا ہوگا۔ اس کا صحیح اندازہ عام قارئین نہیں کر سکتے۔ بحیثیت مؤلف "حیاتِ حافظ رحمت خاں" چونکہ ہماری اس دور کی تاریخ پر کچھ نظر ہے اس لئے ہم اس باب کی نہایت کامیاب تدوین پر جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کو پُرخلوص داد دینے پر مجبور ہیں۔ ۱۷۶۱ء کی مشہور جنگ پانی پت پر اس سے اچھا مقالہ لکھنا ممکن نہ تھا۔ باب دہم مخصوص روہیلوں کے متعلق ہے جس کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر شیخ عبدالرشید صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ رشید صاحب نے واقعات کی ترتیب و تفحّص میں کافی کاوش کی ہے لیکن یہ مضمون دل پر کوئی دیرپا اثر چھوڑنے میں کامیاب نہ ہوا۔ یہ مقالہ ایک اور ایک دو قسم کی چیز ہے۔ وجہ ظاہر ہے۔ آج کے ہندوستان میں بیٹھ کر اٹھارویں صدی عیسوی کے روہیلہ مجاہدین اسلام کی ملّی خدمت و کارگزاری کا صحیح اعتراف کرنا آسان نہیں ہے، روہیلہ تحریک مسلم لیگ تحریک کے مانند تھی اور روہیلوں نے گرتے ہوئے اسلامی وقار کو سہارا دینے کے لئے ہندوؤں۔ مرہٹوں۔ جاٹوں اور سکھوں کے خلاف جان کی بازی لگائی تھی۔ لہٰذا ان کی سرفروشی کی حقیقی داستان ایک "آزاد مسلمان" سپردِ قلم کر سکتا ہے۔ باب یازدہم "بنگال میں جدوجہد" ڈاکٹر اے حلیم کا نوشتہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب تاریخ کے ایک محنتی وسیع المطالعہ

Marfat.com

اور ذہین طالب علم رہے ہیں۔ ڈھاکہ یونیورسٹی میں ہسٹری ڈپارٹمنٹ کے چیرمین ہیں۔ آپ نے اپنے مضمون کو جو موضوع کے اعتبار سے بے انتہا الجھا ہوا تھا سلیقہ سے لکھنے کا حق ادا کر دیا ہے۔ لیکن وہ یہ بتانے سے قاصر رہے ہیں کہ مسلم حکمرانوں کی تمام تر جد و جہد کا آج کیا خلاصہ رہا اور موجودہ حالات پر پچھلے واقعات کس کس طرح اثرانداز ہوئے۔ باب دوازدہم "دی ایسٹ انڈیا کمپنی" از پروفیسر نامدار خاں اس مقالہ میں زبان و بیان کی خوبی لاجواب ہے۔ اس کو پڑھتے وقت ایسا محسوس ہوا کہ گویا پروفیسر صاحب موصوف ایم۔ اے فائنل کلاس میں اپنا فصیح و بلیغ لکچر دے رہے ہیں۔ چونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ تمام طلباءِ تاریخ کو ازبر یاد ہے اس لئے پروفیسر صاحب نے اپنے مقالے کو ماخذوں کے حوالوں سے بھی گرانبار نہ کیا اور ایک ہلکے پھلکے انداز میں کمپنی کے تمام اچھے برے اعمال کو پیش کر دیا۔

سیزدہم۔ چہاردہم و پانزدہم۔ یہ ابواب "حیدر علی اور ٹیپو سلطان" کے بارے میں ڈاکٹر اے، رحیم اور جناب ڈاکٹر محمود حسین صاحب نے تحریر فرمائے ہیں۔ اور دکن کے ان نامور مجاہدوں کے ولولہ انگیز حالات بڑے حسن و خوبی کے ساتھ سپرد قلم کئے ہیں۔ باب شانزدہم "شاہ ولی اللہ" حصہ اول از جناب شیخ محمد اکرام صاحب۔ شیخ صاحب نے جیسی کہ ان سے توقع تھی حضرت شاہ ولی اللہ رح کے سوانحات اور مذہبی اصلاح کے کارناموں کی نہایت دل آویز تصویرکشی کی ہے۔ آپ کا مقالہ آپ کی وسیع النظری اور وسعت معلومات کا بہترین نمونہ ہے۔ افادیت کے اعتبار سے بھی یہ باب خوب ہی خوب ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رح کی شخصیت اور ان کے مذہبی مشن کو سمجھنے کے لئے آئی۔ موزوں

Marfat.com

کو اس کا مطالعہ ناگزیر ہوگا۔ باب ہفدہم "شاہ ولی اللہ رح حصہ دوم" از پروفیسر خلیق احمد نظامی (مسلم یونیورسٹی علیگڈھ) اس باب میں حضرت شاہ ولی اللہ رح کے سیاسی افکار اور کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بڑی خوبی یہ ہے کہ بہت سا اچھوتا مواد فراہم کیا گیا ہے جو اب تک لوگوں کے علم میں نہ تھا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی ایک ہونہار نوجوان ہیں اور انھوں نے عہد زوال کی تاریخ کی چھان بین اور چھپی ہوئی معلومات کو منصۂ شہود پر لانے میں گزشتہ چند سالوں میں بڑے بڑے معرکے سر کئے ہیں، پاکستان ہسٹاریکل بورڈ لائق مبارکباد ہے کہ اس نے حضرت شاہ ولی اللہ رح کی سیاسی خدمات و نظریات لکھنے کے لئے پروفیسر نظامی کا انتخاب کیا۔ وہ ایک جوہر قابل اور ایک آزاد قلم کے مالک ہیں جو کچھ لکھتے ہیں اس میں دیانت۔ روحانیت اور بے لوث فکر و نظر کی کارفرمائی ہوتی ہے، مسلمانوں کی تحریکِ آزادی کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے انہوں نے معلومات کے بڑے بڑے خزائن کے منہ کھول دیئے ہیں۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے باب اوّل اور ڈاکٹر معین الحق کے باب نہم کی طرح پروفیسر خلیق نظامی کا تحریر کردہ یہ باب بھی کتاب کی جان ہے اور اس کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ باب ہژدہم "بنگال میں تحریکِ اصلاح" از ڈاکٹر عبدالباری یہ مقالہ بھی مفید اور معلوماتی ہے اور محنت سے لکھا گیا ہے۔ باب نوزدہم و بستم "سید احمد شہید" یہ دونوں ابواب حضرت سید احمد شہید کے حالات زندگی و تعلیمات اور داستان جہاد سے متعلق ہیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی کی "سیرت سید احمد شہید" اور مولانا غلام رسول مہر کی کتاب "سید احمد شہید" ماضی قریب میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان

Marfat.com

کے مطالعہ کے بعد ڈاکٹر محمود حسین صاحب اگرچہ معلومات میں کوئی خاص اضافہ نہ کر سکے لیکن پھر بھی محدود صفحات میں سید احمد شہید رح کی ایک مکمل تصویر پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں اور ان کی مہارتِ فن کا قدم قدم پر اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

کتاب کے مندرجۂ بالا ۱۲ ابواب پر جو تبصرہ کیا گیا وہ ۱۷۰۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کے زمانہ کی چار جلدوں میں سے ایک جلد ۱۷۰۷ء تا ۱۸۳۱ء تک کے دور پر (گویا) حاوی ہے۔ لیکن متفرق مقالات کا مجموعہ ہونے کے باعث اجتماعی حیثیت سے کوئی مسلسل و مربوط چیز سامنے نہ آسکی، ہمارا خیال تھا کہ تمام لکھنے والوں کے فراہم کردہ مواد سے کام لیکر اگر کوئی ایک چیف ایڈیٹر پوری کتاب کو لکھتا تو اس پر لفظ تاریخ کا بہتر طریقہ پر اطلاق ہوتا۔ مجموعۂ مقالات کو ہم کس طرح "تاریخ" کہیں، یہ چیز سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر تاریخِ تحریک آزادی کی بقیہ تین جلدیں بھی اسی نہج پر تیار کی جانے والی ہیں تو ہمیں اس پر نہایت ادب کے ساتھ اعتراض ہے۔ قبل ازیں اس عہد کے متعلق ولیم اِروِن کی کتاب "آخری مغل حکمران" دو جلدیں ۱۷۰۷ء تا ۱۷۳۹ء اور اس کے بعد سر جادو ناتھ سرکار کی ۱۷۳۹ء تا ۱۸۰۲ء متعدد جلدیں چھپی ہوئی موجود ہیں۔ اسی طرح میجر بی۔ ڈی۔ باسو کی لکھی ہوئی مشہور ضخیم کتاب "ہند میں کرسچین اقتدار کا عروج" چھپ چکی ہے۔ ان کتابوں کو مسلسل و مربوط طرز پر مرتب کیا گیا ہے۔ اور یہ طرز مسلّمہ اور مقبول ہے۔ اس سے ہٹ کر "تاریخ تحریک آزادی" میں جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ

Marfat.com

نہ صرف تکرارات اور ذہنی الجھنوں کو دعوت دیتا ہے بلکہ غیر دلچسپ ہونے کے باعث زیادہ محنت سے گریز کی بھی غمازی کرتا ہے۔

دوسرا نکتہ اس سلسلے میں یہ ذہن نشین کرنے کے لائق ہے کہ انگریزوں اور ہندوؤں نیز خود مسلمانوں کے ایک فرقے نے برصغیر پاک وہند کی تاریخیں اپنے مخصوص مصالح کے تحت لکھ کر شائع کی ہیں مسلمانوں کی طرف سے پاکستان بننے کے بعد یہ پہلی منظم و باوقار کوشش ہے جو ہسٹاریکل سوسائٹی کی جانب سے مسلمانانِ پاک وہند کی صحیح تاریخ لکھی جانے کے لئے کی جارہی ہے۔ اور ہم صفائی سے یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ اس میں قومی عصبیت کا عنصر غالب ہونا چاہیئے۔ بے تعلق مُنصف مزاجی جس سے اغیار کو کچھ شکایت پیدا نہ ہو ہمارے کام کی چیز نہیں ہو سکتی۔ جارحانہ اقدامات کا قاطع جواب دینے کی ضرورت ہے ۔۔۔ اور یہ ضرورت اسی وقت پوری ہو سکتی ہے جب کوئی ایک شخص قومی جوش وخروش کے ساتھ ایک ہی نصب العین کے تحت پوری کتاب مسلسل و مربوط تیار کرے اور اس سے وہ نتائج اخذ کرے جن سے مستفید ہونے کے لئے مظلوم ملت اسلامیۂ پاک وہند عرصہ سے بیتاب ہے۔

ایک اور اہم چیز جس کی طرف اشارہ کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں یہ ہے کہ جس طرح مغلوں سے پہلے پٹھان دورِ حکومت میں اشاعت اسلام کا سب سے زیادہ کام ہوا۔ اسی طرح مغلیہ زوال کے بعد اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں اسلام اور مسلمانوں کا اقتدار اس سرزمین سے مٹایا جارہا تھا تو پٹھان سرفروشوں نے ہی سب سے زیادہ تیز اور موثر کام کیا۔ یہ روہیلہ پٹھان

Marfat.com

تھے ۔ علی محمد خاں ۔ حافظ رحمت خاں ۔ محمد خاں بنگش ۔ احمد خان بنگش ۔ نواب نجیب الدولہ ۔ غلام قادر روہیلہ ۔ نواب امیر خاں اور جنرل بخت خاں ۱۷۰۷ء سے ۱۸۵۷ء تک پورے ڈیڑھ سو سال سرفروشی کرتے رہے اور ان کے مجاہدات کی کڑی سے کڑی ملتی چلی جاتی ہے ۔ یہی زمانہ حضرت شاہ ولی اللہ رح اور ان کے جانشینوں کا ہے ۔ ایک ہی زمانہ، ایک ہی مقام یعنی شمالی ہندان کی جنگی و روحانی تگ و تاز کا میدان رہا ۔ ناممکن ہے کہ ایک جماعت دوسری جماعت پر اثر انداز نہ ہوئی ہو اور جبکہ دونوں کا مقصد اسلامی اقتدار اعلیٰ کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دینا تھا تو یہ بھی ناممکن ہے کہ ایک دوسرے میں اتحاد عمل نہ رہا ہو ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ رح کے مشہور تاریخی "خواب" کی تعبیر متذکرہ روہیلہ سرداروں کی کدوکاوش میں نظر آتی ہے ۔ اور ان کی فوجوں کے ساتھ ولی اللہی سلسلے کے علماء کی بھیڑیں کی بھیڑیں چلتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں اب تک عام طور پر یہ ہوتا رہا ہے کہ روہیلوں کی تاریخ علیحدہ اجمالاً لکھ دی جاتی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے جانشینوں کی تاریخ جداگانہ مرتب کر دی جاتی ہے ۔ جس سے یہ قطعاً ظاہر نہیں ہوتا کہ ان کا ایک دوسرے سے کوئی ربط و اتحاد بھی تھا ۔

آخری گذارش یہ ہے کہ موجودہ جمہوری دور میں اچھے یا بُرے مسلمان بادشاہوں اور حکمرانوں کی تاریخ میں اب کوئی کشش باقی نہیں رہی ہے ۔ "مسلمانانِ پاک و ہند کی تاریخ تحریک آزادی" لکھنی چاہیئے جس کا آغاز عہد جہانگیری میں حضرت مجدد الف ثانی رح سے ہوتا ہے جنہوں نے احیائے

Marfat.com

اقدار اسلامی کے لئے خود اپنوں کے خلاف جہاد کیا۔ اس کے بعد رانا پرتاپ اور شیواجی کی چلائی ہوئی ہندوانہ تحاریک سے ہمارا تصادم چلتا رہا۔ پھر شمال مغرب کے بیرونی حملہ آوروں سے مڈبھیڑ ہوئی اور آخر میں ہندوؤں اور انگریزوں کے متحدہ محاذ سے مقابلہ رہا جس میں عام طور پر مسلمان حکمرانوں نے تو بزدلی یا قوم فروشی کا ثبوت دیا اور مسلم عوام اور ان کے سرفروش رہنماؤں نے بے مثل بہادری وایثار کے نمونے پیش کئے تا آنکہ جغرافیائی حیثیت سے ۱۹۴۷ء میں بیس فیصدی کامیابی بصورت قیام پاکستان اور آئندہ پیش آنے والے واقعات جن کے نتیجہ میں ہر فرد ملت آزادی وخوش حالی کا پھل کھا سکے۔ ہماری تحریک کی مختلف ارتقائی منزلیں ہیں جن پر ایک قومی مورخ کو نظر رکھنا ہے

ان تاثرات کی روشنی میں یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ محض پرانے ڈگر کی تاریخ لکھنے اور "شراب کہنہ در جام نو،، سے کام نہ چلے گا۔ نئے فکر و نظر اور جدید تحقیقات واجتہاد کی ضرورت ہے اور اس خصوص میں ہم پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے معزز ومحترم علمائے تاریخ سے مایوس نہیں ہیں۔

ہمیں یقین واثق ہے کہ وہ "تاریخِ تحریک آزادی،، کی آئندہ تین جلدوں میں نیز دوسری قیمتی مطبوعات کے ذریعہ دیرینہ قومی و ملی آرزؤں کو بروئے کار لانے میں انشاء اللہ ضرور کامیاب ہوں گے۔ وَمَا تَوفِیقِیٓ اِلَّا بِاللہ

Marfat.com

۱۹۵۸ء

مذاہب عالم

(تالیف: پروفیسر احمد عبداللہ المسدوسی)

پاکستان بالخصوص کراچی میں بہت سے ایسے باکمال موجود ہیں جو اخباری و اشتہاری نہیں ہیں۔ نیز ظاہری وجاہت اور مالی اعتبار سے بھی نمایاں نہیں اور اس لئے اس قدر معروف نہیں ہیں کہ حکومت اور دوسرے معارف پرور لوگ ان پر توجہ کر سکیں۔ وہ خود اپنی جگہ نام و نمود سے بے نیاز دن رات علمی تحقیقات و احیائے دین کے کاموں میں ہمہ تن مصروف ہیں چنانچہ ایسے ہی ایک بزرگ جناب پروفیسر احمد عبداللہ المسدوسی ہیں جن کی چار کتابیں (۱) منشور متحدہ اقوام (۲) اصول قانون (۳) قانون روما (۴) اسوۂ حسنہ (۵) اور افریقہ ایک چیلنج شائع ہو چکی ہیں اور چار مزید کتابیں (۱) اسلام اور عالمی کشمکش (۲) اسلام میں رسم و رواج (۳) اسلام کا مالیاتی نظام اور (۴) اسلامی نظام قانون زیر ترتیب ہیں۔

ان کے علاوہ ان کا سب سے بڑا کارنامۂ علمی۔ کتاب "مذاہب عالم" ہے جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے جس میں مختلف مذاہب کے تقابلی مطالعہ۔ اعداد و شمار اور بصیرت افروز نقشہ جات کے ذریعہ دنیا میں مسلمانوں کی معاشرتی

Marfat.com

وسیاسی پوزیشن کو واضح کیا گیا ہے۔ کتابت، طباعت، جلد اور گرد پوش کے اعتبار سے تقریباً پانچسو صفحات کی یہ ضخیم کتاب ہمارے علمی سرمایہ میں ایک نہایت قیمتی اضافہ ہے۔

جو کام ایک پوری اکیڈیمی کے کرنے کا تھا وہ سخت مالی مشکلات کے باوصف تنہا مسعود وسی صاحب نے کیا ہے۔ کتاب کے خاص ابواب یہ ہیں:۔

(۱) مذہب کی تعریف و اقسام (۲) مسلم آبادی سے متعلق اعداد کی چھان بین اور غلطیوں کی اصلاح (۳) مسلم آبادی کی تفصیلی فہرست ممالک کا رقبہ و آبادی (۴) مسلم آبادی کا تجزیہ و تقسیم (۵) بت پرستی (۶) بدھ مذہب (۷) تاؤمت (۸) سکھ مذہب (۹) شنٹو مذہب (۱۰) عیسائیت (۱۱) کنفیوشی مت (۱۲) ہندو مذہب (۱۳) یہودیت

اس کے بعد کتاب میں مذاہب عالم کا ایک عالمانہ تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے، آخر میں متعدد ضمیمے ہیں جن میں ہر قسم کی قیمتی معلومات جمع کی گئی ہیں۔

کتاب میں جو نقشے دیئے گئے ہیں وہ اس کی جان ہیں اور یہ اندازہ کرنا دشوار ہے کہ ان کی تیاری میں کس قدر روپیہ اور کاوش صرف کی گئی ہوگی نقشوں کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) دنیا کا مذہبی وسیاسی نقشہ (۲) مسلم افریقہ کے نقشے (۳) دنیا میں مسلمان (۴) جنوب مشرقی ایشیا (۵) مشرق وسطیٰ (۶) تیل کے چشمے (۷) فلسطین کی تقسیم کا نقشہ (۸) وسط ایشیا میں روسی استعمار کا تاریخی نقشہ (۹) استعمار کا عروج وزوال۔

Marfat.com

کتاب کو جناب زاہد حسین صاحب مرحوم و مغفور کے نام نامی پر معنون کیا گیا ہے۔ آغاز کتاب میں زاہد حسین صاحب مرحوم کے اس خطبۂ صدارت کا اقتباس بھی دیا گیا ہے جو انہوں نے آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس کراچی منعقدہ مارچ ۱۹۵۵ء میں ارشاد فرمایا تھا اور جو گویا بطور پیش لفظ کتاب ہے اور جس کو اساس کتاب سمجھنا بیجا نہ ہوگا۔

یہ کتاب بہت تفصیلی غور و مطالعہ کی محتاج ہے، ارباب حکومت اور ملک کی علمی جماعتوں کا فرض ہے کہ اس کی خاطر خواہ قدر افزائی کریں اور اس سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں۔

پروفیسر مسدوسی کے بے لوث کردار سے ہم واقف ہیں انھوں نے جو محنت کی ہے وہ صرف ملک و ملت کے اعلیٰ مفاد کو پیش نظر رکھکر کی ہے۔

Marfat.com

۱۹۵۸ء

ارتقائے انسانی

مصنفہ مولانا سیّد طفیل احمد منگلوری

انسانی اولوالعزمیوں اور سائنسی ایجادات کی بدولت جب سے ذرائع آمد و رفت اور رسل و رسائل کی زیادہ سے زیادہ آسانیاں مہیا ہوئی ہیں ترقی یافتہ اور مہذب انسان کا تصوّر زمان و مکان اپنے شہر، صوبہ اور ملک سے وسعت پذیر ہو کر ساری دنیا اور دنیا کے ہر حصہ پر حاوی ہو گیا ہے۔ اس زمانہ کا انسان تیز ریلوں اور سمندری اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ اس قدر قلیل مدت میں ساری دنیا کی سیر کر لیتا ہے کہ اتنی مدت میں زمانۂ قدیم میں اس سے اپنے تک کی سیر و سیاحت بھی کسی طرح ممکن نہ ہو سکتی تھی۔ اسی طرح خاص اپنے ملک کے دور دراز حصوں کی نیز دوسرے ممالک کی جو خبریں برسوں، مہینوں، ہفتوں اور دنوں میں ملا کرتی تھیں وہ اب منٹوں اور سیکنڈوں میں ہم تک پہونچ جاتی ہیں۔ دنیا کے رہنے بسنے والوں کے اچھے یا بُرے باہمی تعلقات اور ان کی ہر قسم کی ضروریات ایک دوسرے سے اس درجہ وابستہ ہو گئی ہیں کہ ان کا چند صدی پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ موجودہ دور کی ہمہ گیری کی بدولت ہر قسم کی علمی، تعلیمی، ثقافتی، معاشی اور سیاسی تحریکیں بھی ہمہ گیر ہیں۔ کسی ایک ملک کی معاشی حالت خراب

Marfat.com

ہو جاتی ہے یا دوسرے ممالک کے مقابلہ میں ضرورت سے زیادہ بہتر ہو جاتی ہے۔ کوئی اہم ایجاد اور علمی تحقیق ہوتی ہے، یا کوئی زبردست سیاسی واقعہ رونما ہوتا ہے تو برقی رو کی طرح اس کا اثر ساری دنیا میں پھیل جاتا ہے۔ حالات کی تیز رفتاری نے ایک ترقی یافتہ ملک اور قوم کو دوسرے ممالک اور اقوام سے ہمہ وقت باخبر رہنے اور تعلقات قائم رکھنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ وہ اپنے ملک کے سوا دوسرے ملکوں اور قوموں کے بارہ میں بھی ہر قسم کی معلومات حاصل کرے۔ نہ صرف جدید بلکہ قدیم بھی اور یہ معلومات تمام ممالک اور اقوام کی ترقی و تنزل کی علیحدہ علیحدہ اور یکجائی تاریخ کے مطالعہ سے ہی حاصل ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ اسی سبب سے پوری دنیا کی قدیم و جدید تاریخ کے پڑھنے اور لکھنے کو اول درجہ کی اہمیت دی جاتی ہے۔

کوئی شخص اس وقت تک کامیاب تاجر۔ صنعت کار۔ معلّم۔ ادیب۔ صحافی۔ سیاست داں اور حکمراں نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسکو ساری دنیا کی تاریخ پر عبور نہ ہو۔ تاریخ عالم کی اسی اہمیت کے پیش نظر انگریزی لٹریچر اور دوسرے یورپین لٹریچر میں دنیا کی بکثرت تاریخیں مختلف عنوانوں سے لکھی جا چکی ہیں۔

مشرقی زبانوں بالخصوص اُردو زبان میں سائنٹیفک نقطۂ نظر سے جدید ترین ارضی وسماوی تحقیقاتوں کی روشنی میں اس وقت تک کوئی مستند کتاب موجود نہیں ہے۔ مولانا سید طفیل احمد صاحب نے جن کی نگاہ دور رس، مطالعہ وسیع اور قوت تحریر بے پناہ تھی۔ جہاں تک ہمیں علم ہے ایک نہایت پرکار انداز

Marfat.com

یں سب سے پہلے قدم اُٹھایا اور حقیقت یہ ہے کہ اپنے موضوع کا حق ادا کر دیا۔

۲۵ اگست ۱۹۴۲ء کو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں وہاں کے باکمال اصحاب کے علمی و تحقیقی کام کو اجتماعی شکل دینے کی غرض سے جب راقم نے "مجلس مصنفین" قائم کی تو اس کے (۶۲) جلسوں سے (۸) جلسوں میں جناب مولانا نے اپنی اسی زیر تالیف "تاریخ عالم" کے مقالے پڑھ کر سنائے۔ جنکو ہم نے اپنے مجلہ "مصنف" علی گڈھ میں محفوظ کر دیا تھا۔ ان میں سے تین مقالوں میں مولانا نے "تخلیق کائنات۔ اور ابتدائی انسان" وغیرہ جیسے انتہائی اہم موضوعات پر موجودہ سائنس اور جدید علمی و تاریخی تحقیقاتوں کی روشنی میں جس تسلسل اور روانی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے وہ اُنھیں کا حصہ تھا۔ دنیائے قدیم کا یہ حصہ ایک طرف پر از معلومات ہے تو دوسری طرف حد درجہ عبرت خیز ہے۔ سبق آموز حصے وہ ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ کے مختلف مذاہب و ملل کے پیروؤں میں جو روایات عقائد کے درجہ پر پائی جاتی ہیں اور جن میں ایک دوسرے پر برتری ثابت کرنے کے لئے شدید نزاعات برپا ہیں وہ دراصل اس زمانۂ قدیم کی چیزیں ہیں جبکہ موجودہ مذاہب و ملل کا وجود بھی نہ تھا۔ اگر فراخ دلی اور روشن دماغی کے ساتھ مقالات کے ان حصوں کو پڑھا گیا اور ان سے صالح اثر بھی قبول کیا گیا تو یقین ہے کہ مختلف انسانی جماعتوں کے درمیان نفاق و شقاق کے بہت سے دروازے بند ہو جائیں گے۔

ہم اس بات کے مدعی ہیں کہ دنیا اخلاقی و تہذیبی اعتبار سے ترقی کر رہی ہے۔ اور ہماری یہ ترقی گویا معراجِ کمال پر پہونچ چکی ہے۔ لیکن تاریخ عالم کے

Marfat.com

ان پرانے واقعات کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ ابتدائی انسان اور قدیم زمانے کے لوگوں کی اخلاقی قدریں اور کردار نیز دنیا کو ہر میدان میں ترقی یافتہ بنانے کے لئے ان کی زبردست کوششیں ہم سے کہیں زیادہ ارفع واعلیٰ تھیں۔ چوں کہ عام طور پر ہم پیچھے مڑکر نہیں دیکھتے اس لئے ہمیں اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ اخلاقی طور سے ہم کس درجہ پسماندہ ہوتے چلے جارہے ہیں۔

مولانا سید طفیل احمد صاحب کی یہ کتاب جس قدر مفید اور پراز معلومات ہے، یقین ہے کہ اسی قدر اس کو قدرو منزلت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ اور عوام وخواص، کم علم اور زیادہ علم کے لوگ اس سے یکساں طور پر مستفید ہونگے (انشاء اللہ)

آخر میں کارکنانِ کانفرنس اکیڈمی کی جانب سے میں مصنف علام کے خلف الصدق جناب مولوی محمد احمدؒ کاظمی ایڈووکیٹ ممبر بھارتی پارلیمنٹ (الہ آباد) کا بہ دل شکر گذار ہوں کہ انھوں نے اپنے مکتوب مورخہ ۱۴ اکتوبر ۵۸ء کے ذریعہ کتاب ہذا کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

Marfat.com

۱۹۵۵ء

پُراسرار کائنات

★تصنیف: سر جیمس جینس ★ ترجمہ: سید محمد تقی بی، اے

یہ دُنیائے فلسفہ اور سائنس کی ایک ممتاز اور مستند کتاب ہے۔ اس میں قابل مصنف نے محققانہ طور پر ان مباحث علم طبیعات پر روشنی ڈالی ہے جو اس صدی کے اوائل میں ظہور پذیر ہوئی تھیں اس کتاب میں صاحبِ موصوف نے چار مضامین میں علم طبیعات پر بحث کی ہے۔ "مرتا ہوا سورج" "جدید طبعیات کی نئی دُنیا" مادہ اور حرارت"۔ "اضافیت اور ایتھر"، اور آخری بحث ان سب مسائل کو ملا کر فلسفیانہ طرز پر کی ہے۔ ان مضامین پر اس طرح مصنّف نے روشنی ڈالی ہے کہ ایک وہ شخص بھی جو علم سائنس سے نابلد ہو انھیں سمجھ سکے۔ اگر اس کتاب کو چالیس سال کے تحقیقاتی مسائل کا انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

جناب سید محمد تقی صاحب ایڈیٹر جنگ نے اس کتاب کا ترجمہ نہایت سلیس اور رواں اُردو میں کیا ہے اور آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس نے اُسے شائع کیا ہے یہ ترجمہ صرف ترجمہ ہی نہیں بلکہ ایک قابل مطالعہ تالیف ہے۔ یہ کتاب زبان اُردو کے ذخیرہ میں ایک مایۂ ناز اضافہ

Marfat.com

ہے۔ جناب ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب اور ڈاکٹر سید مجتبیٰ کریم صاحب ڈین آف دی فیکلٹی آف سائنس کراچی یونیورسٹی نے اس کتاب پر عالمانہ، مقدمہ اور تعارف لکھا ہے۔

Marfat.com

۱۹۵۵ء

مشاہیر کے تعلیمی نظریئے

(مقدمہ)

وقتِ عزیز رفت بیا تا قضا کنیم
عمرے کہ بے حضورِ صراحی و جام رفت

زیر نظر کتاب اپنے وسیع موضوع کے اعتبار سے "حرفِ آخر" نہیں، ہے بلکہ اسے "حرفِ آغاز" کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ اور اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ متقدمین، متوسطین اور متاخرین میں ہزاروں ہزار ایسے مشاہیر گزرے ہیں جنہوں نے اپنی پوری پوری زندگیاں توسیع تعلیم اور خدمت علم میں گذاری ہیں۔ اور ان کے نتائج فکر و عمل کو یکجا کیا جائے تو لاتعداد ضخیم مجلدات تیار ہوسکتی ہیں۔

دنیا کی تمام ترقی یافتہ قومیں اپنے مشاہیر کے نظریاتِ علمی و تعلیمی کی تحقیق کر رہی ہیں اور اُن کی مدد سے نہ صرف کائنات کے رازہائے سربستہ کو روشنی میں لایا جارہا ہے بلکہ اپنی موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لئے حصولِ علم کو زیادہ سے زیادہ آسان اور مفید بنانے کی سعی کی جارہی ہے۔ صرف پاکستان اس باب میں سب سے پیچھے ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کا قدیم نظام تعلیم جو عربی، ایرانی اور

Marfat.com

ہندوستانی تہذیبوں کے امتزاج کا نتیجہ تھا۔ برطانوی استعمار کی چیرہ دستیوں کی نذر ہوگیا۔ نئے حکمرانوں نے اپنی مخصوص مصالح کے تحت جو نظام جاری کیا وہ پورے طور پر قابلِ قبول نہ ہوسکا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد اگرچہ بادل ناخواستہ اسے درجۂ قبولیت دیا گیا مگر ساتھ ہی پورے نوّے ۹۰ سال تک بہی خواہانِ ملک مسلسل ایک قسم کی ذہنی کش مکش میں مبتلا رہے اور توسیع تعلیم کی جدوجہد کے ساتھ ہی ساتھ اس کی اصلاح اور اس کو مناسب حال بنانے کی کوشش سے بھی غافل نہ رہے۔ یہ کوشش کچھ کچھ بارآور ہوئی مگر زیادہ تر غیر ملکی حکمرانوں اور ہندو اکثریت کی پیدا کردہ رکاوٹوں کے باعث حسب دلخواہ طریقہ پر کامیابی کا منہ نہ دیکھ سکی۔

مسلم مصنفین اور مُدیرانِ جرائد کے بصیرت افروز مضامین، قومی شعراء کی ولولہ انگیز اصلاحی نظمیں۔ مسلم یونیورسٹی کا نوکیشن ایڈرس، آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاسوں کے خطباتِ صدارت، مقالات اور منظور شدہ تجاویز انتہائی عرق ریزی اور دیدہ وری سے تیار کیجاتیں ان کی اشاعت ہوتی اور چند روز ان کا چرچا ہونے کے بعد وہ نسیاً منسیاً ہوجاتیں۔ ہم میں سے وہ لوگ جو اپنی عمروں کا بڑا حصہ عہد مجبوری و غلامی میں گذار چکے ہیں حصول آزادی کے بعد بھی اُس تلخ کامی کو آجتک نہ بھولے ہیں جو عمدہ سے عمدہ عزائم و تجاویز کے بیدردی سے ٹھکرا دئے جانے پر محسوس کیا کرتے تھے۔ لیکن حیرت و حسرت ہے کہ مجبوری و غلامی کی زنجیریں کٹ جانے کے بعد ہم نے آزادی سے وابستہ اپنی تمام اُمیدوں اور منصوبوں

Marfat.com

کو بالکلیہ فراموش کر دیا۔ اور اس پورے سو سالہ لٹریچر کو جس میں بزرگوں کی تیار کی ہوئی تعلیمی اسکیمیں۔ نتائجِ تحقیق اور افکار و نظریاتِ عالیہ درج ہیں یکسر فراموش کر دیا۔

قیام پاکستان سے پہلے ہم نے باربار یہ بات کہی اور سُنی تھی کہ پاکستان مسلمانوں کی ثقافتی قدروں کے تحفظ اور اس معاشی و سماجی نظام کی تجربہ گاہ کے طور پر بنایا جا رہا ہے جو اسلام نے پیش کیا ہے اور جو جدید دُنیا کے مصائب و آلام کا واحد علاج ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ دعویٰ جس بلند آہنگی اور تسلسل سے کیا گیا تھا اسی قدر جلد اور سُرعت کے ساتھ اسے بھلا دیا گیا۔ اور اب صورت یہ ہے کہ ماضی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا جاتا اور یہ نہیں سوچا جاتا کہ کیا کچھ کہا گیا تھا اور کیا کچھ کرنا ضروری تھا۔ آزاد پاکستان میں ایک مثالی ثقافت اور سماج پیدا کرنے کے لئے برصغیر کے مسلمان دماغوں نے جو غیر معمولی کاوشیں کی ہیں ان کی مثال عالم اسلام کے کسی دوسرے ملک کی تاریخ سے پیش نہیں کی جا سکتیں، چنانچہ اس کا سرسری اندازہ آپ کو اس کتاب کے مطالعہ سے ہوگا جس میں مسلمان اکابر و فضلا نے جو بیک وقت مغربی علوم و معارف پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ ہی ساتھ علوم مشرقیہ کے بھی ماہر تھے، جدید تعلیمی نظریوں اور مسلمانوں کی اپنی ممتاز مذہبی و ثقافتی ضروریات کے پیش نظر ان کے عملی اطلاقات کے ہر پہلو پر بحث کی ہے۔ بطور مثال "نصب العین اور مقاصدِ تعلیم" کے عنوان ہی کو لے لیجئے۔ اس ضمن میں گیارہ فضلاء نے جن میں اکثر یورپ کی

Marfat.com

یونیورسٹیوں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مغربی تمدن کے پرانے شناور کی حیثیت رکھتے ہیں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ مغربی مفکروں کے اس سلسلہ میں کیا نظریات ہیں اور مسلمانوں کے مخصوص حالات کے پیش نظر ان کا کس طرح اطلاق ہو سکتا ہے۔ اسی طرح دوسرے عنوانات پر جن میں تعلیم کے تقریباً سارے نظری و عملی پہلو آجاتے ہیں۔ اکابر کے خیالات اور فکری کاوشوں کا ایک تاریخی ذخیرہ جمع ہو گیا ہے۔ اس ذخیرہ میں ہماری موجودہ ثقافتی ضروریات کے لئے کافی مواد موجود ہے جس سے پاکستان کے نظام تعلیم کی تشکیل اور نصب العین متعین کرنے میں خاطر خواہ فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔

زمانہ کے حالات اور واقعات کی نوعیت نے آج ان جواہر پاروں سے قوم کو ناواقف بنا دیا ہے۔ اسی خیال سے یہ مختصر سا مجموعہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں اکتیس ۳۱ مسلمان مفکرین اور انشاء پردازوں کے ان خیالات کو بالاختصار بیان کیا گیا ہے جو انہوں نے تعلیم اور اس کے اسلامی تقاضوں کے سلسلہ میں ظاہر کئے ہیں، اس میں آپ کتب خانوں کے قیام، اور اسکول کے بچوں کے طبی معائنہ سے لیکر "ابتدائی ریاضیات کی قدر و قیمت"، "تعلیم نسواں"، "عربی فارسی کی تعلیم"، "اُردو کی حیثیت"، غرض ان تمام تعلیمی پہلوؤں پر برصغیر کے صفِ اوّل کے اہل علم و نظر کے خیالات پڑھیں گے جن سے ہم آج بھی دوچار ہیں۔ اور موجودہ عہد کے ہمارے پیچیدہ تعلیمی مسئلوں کے حل میں بے حد مفید بن سکتے ہیں۔

کتاب کے پہلے اور دوسرے باب میں اسلام اور تعلیم اسلام کے متعلق

Marfat.com

ایک سیر حاصل جائزہ شامل کتاب کیا گیا ہے جس میں قرآن مجید کے اس رجحان پر بحث سے لیکر جو مسلمانوں میں ہمہ گیر تعلیمی سرگرمیوں کا سرچشمہ اور سبب اصلی بنا مختلف ادوار میں تعلیم سے متعلق مُسلم حکومتوں اور امراء کی گہری دلچسپی کا قدرے تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے تاکہ اس جامع پس منظر میں ان کوششوں کا بھی سرسری جائزہ لیا جا سکے جو مسلمانوں نے گزشتہ تقریباً ایک صدی میں کی تھیں۔

میری دلی دُعاء اور آرزو ہے کہ یہ کتاب اُس جامع و مانع علمی و فکری ذخیرہ کی اشاعت کی ابتدائی کڑی بنے جو ہمارے اکابر نے جمع کر دیا ہے۔ اگر اہل علم اور ارباب نظر نے ہمت افزائی کی تو اُمید ہے کہ اس اہم قومی فرض کی تکمیل جلد ہو جائے گی۔

زیر نظر مجموعۂ مضامین کی ایک اہمیت اور بھی ہے جس نے اسے تاریخی دستاویز کی حیثیت دے دی ہے اس مجموعہ میں پہلی بار حضرت علامہ اقبالؒ کے "علوم اسلامیہ" اور "علم الانساب" پر دو خطوط ہیں جو جُداگانہ مضامین کی حیثیت رکھتے ہیں اور تدوین نصاب کے سلسلہ میں علاّمہ مرحوم کے اختراعی طرز فکر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اپنے فکر خیز مباحث کی وجہ سے ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

آخر میں مجھے مرتب کتاب مولوی محمد حسین خاں صاحب زبیری ایم، اے (علیگ) کی سلیقہ شعاری کا اعتراف کرنا ہے کہ انہوں نے

Marfat.com

کانفرنس اکیڈمی کے منصوبہ اور خواہش کے مطابق ترتیب کتاب میں کافی کوشش و کاوش صرف کی اور ایک ایسی چیز تیار کردی جو پاکستان کی موجودہ اور آئندہ نسلوں کی تعلیمی راہ نمائی میں مفید ثابت ہوگی۔

Marfat.com

مقدرِ انسانی

تصنیف : ڈاکٹر۔ لی۔ کامت۔ دو۔ نوائے
ترجمہ : پروفیسر عبدالمجید قریشی

کسی معیاری کتاب کا ترجمہ ایک اونچی تصنیف و تالیف سے زیادہ مشکل کام ہے۔ مترجم کے لئے لازم ہے کہ جس زبان میں اصل کتاب ہے اور جس زبان میں اس کو منتقل کیا جا رہا ہے۔ ان دونوں کا ماہر ہو اور ساتھ ہی مبحثِ کتاب پر بھی اس کو کامل عبور ہو تاکہ وہ مضمون میں ڈوب کر اس کی تہ سے کتاب کا جوہر نکال سکے۔ اور مصنف کا اصل مافی الضمیر زیادہ سے زیادہ سریع الفہم زبان میں دوسروں تک پہونچا سکے۔

مشہور زمانہ سائنس داں اور مفکر لی۔ کامت۔ دو۔ نوائے کی کتاب "ہیومن ڈسٹنی" (مقدرِ انسانی) میں مصنف نے کائنات میں انسان کا صحیح مقام اور روئے زمین پر اس کے وجود کا مقصد متعین کرنے کے لئے بکثرت مادی و روحانی لاینحل مسائل کو سائنٹیفک طریقِ استدلال کے ذریعہ سلجھایا ہے۔ ان مسائل کو سمجھنا اور سمجھ کر دوسروں کو اردو زبان میں سمجھانے کے لئے ایک بڑے عالم و ادیب کی ضرورت تھی۔ استادِ محترم جناب عبدالمجید قریشی

Marfat.com

سابق پروفیسر ریاضی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی درخواست پر اس خدمت کے لئے تیار ہو جانا ایک ایسی خوش نصیبی ہے کہ اس پر جس قدر بھی فخر کیا جائے کم ہے۔

سرسید اور محسن الملک کے بعد علی گڑھ میں بلند پایہ تصنیف و تالیف اور تراجم علمی کا کام قریب قریب ختم ہو گیا تھا۔ بڑے بڑے اکابر علم و فن کی قابلیت علمی کے دُنیا میں یوں تو ڈنکے بجتے رہے۔ لیکن کوئی ایسی بلند پایہ تصنیف جوان کی شایانِ شان ہوتی اور بقائے دوام حاصل کرتی معرض وجود میں نہ آسکی پروفیسر عبدالمجید قریشی بھی اسی اول درجہ کے اکابر علی گڑھ میں سے ہیں اور دلی افسوس تھا کہ تقریباً پچاس سال تک علم اور اہل علم کی بےمثل خدمت کے باوجود بھی کوئی کتاب اب تک نہ لکھ سکے تھے۔ لی۔ کامت۔ دو۔ نوائے کے عالمانہ ترجمہ نے اس کمی کو پورا کر دیا۔ اور جس طرح مصنّف کا نام ہمیشہ باقی رہے گا اس کے فاضل مترجم کو بھی دنیا کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔

Marfat.com

نومبر ۱۹۶۰ء

علم و عمل ــــ وقائع عبد القادر خانی

ترجمہ : مولوی معین الدین افضل گڑھی

ترتیب و حواشی : پروفیسر محمد ایوب قادری

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کی جانب سے "علم و عمل ــــ وقائع عبد القادر خانی" جلد اول کو زیور طبع سے آراستہ کرا کر علمی دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں ہمیں غیر معمولی مسرت ہے۔ اس مسرت کی وجہ یہ ہے کہ کتاب کی اہمیت و افادیت کے ماسوا اس کے ساتھ چند در چند عزیز یادیں بھی وابستہ ہیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی المخاطب بہ نواب صدر یار جنگ بہادر کے سایۂ عاطفت میں ۱۹۳۵ء تا ۱۹۵۰ء حیات مستعار کے جو سب سے زیادہ قیمتی پندرہ سال گذرے اس کے لاتعداد اور گوناگوں فوائد میں سے ایک بہت بڑا فائدہ آن مرحوم و مغفور کے مشہور زمانہ کتب خانہ حبیب گنج سے استفادہ تھا۔

جہاں علی گڈھ شہر سے ۲۸ میل دور ریاست حبیب گنج میں ایک وسیع و عریض گڑھی، کوٹھی، محل سرائے اور پائیں باغ نواب صاحب کی شانِ امارت کے مظہر تھے تو ان کے جذبۂ دینی کی یادگار ایک حسین و جمیل مسجد بھی تھی ساتھ ہی

Marfat.com

نواب صاحب نے اپنے ذوق علمی کی تسکین کے لئے گڑھی میں ایک بلند و بالا عمارت کتب خانہ کے لئے تعمیر کرائی تھی جس میں سات ہزار نادر اور منتخب کتابیں جن میں سے اکثر قلمی تھیں کمالِ حسنِ ترتیب سے محفوظ کی گئی تھیں۔ کتب خانہ میں اہل علم و تحقیق کے قیام کے لئے متعدد آرام دہ کمرے تھے۔ صبح سے دوپہر تک کے اوقات نواب صاحب بہ نفس نفیس کتب خانہ میں صرف فرماتے۔ کتب خانہ کے مہتمم مولوی معین الدین صاحب افضل گڑھی مع اپنے ماتحت عملہ کے دن رات مصروف کار رہتے اور تشنگانِ علم کو ان کی ضرورت کی کتابوں کی نشاندہی اور ان سے استفادہ کرنے میں مدد دیتے۔ حضرت نواب صاحب کی اجازتِ خاص سے کتابوں کی نقل اور ان کے ترجمے کا انتظام بھی ممکن ہوجاتا تھا۔

راقم نے متذکرہ سہولتوں سے امکان بھر فائدہ اُٹھایا اور اٹھارویں اور اُنیسویں صدی عیسوی کی تاریخ اور علمی و تعلیمی تحریکات سے متعلق بکثرت کتابوں کے مطالعہ کے ماسوا چند اہم کتابوں کو نقل و ترجمہ بھی کرالیا۔ اُنھیں آخرالذکر کتابوں میں "وقائع عبدالقادر خانی" ہے جس کو باضافۂ نام "علم و عمل" جناب مولوی معین الدین صاحب افضل گڑھی نے میرے لئے فارسی سے اُردو میں ترجمہ فرمادیا $\frac{20 \times 30}{4}$ کے بڑے سائز پر یہ کتاب چھ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

عزیزی و محبی محمد ایوب قادری ایم۔ اے کے تشریحی و وضاحتی نوٹس نے مسودہ کو قریب قریب دوگنا کردیا۔ لہٰذا کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کرکے شائع کیا جارہا ہے۔ پہلا حصہ نذر ناظرین ہے۔ دوسرا حصہ اگلے سال پیش

Marfat.com

کیا جائے گا انشاء اللہ! کتاب کس پایہ کی ہے؟ اور اس پر کس درجہ محنت صرف کی گئی ہے؟ اس سے معلومات میں کسقدر اضافہ ہوتا ہے؟ اس کا اندازہ مطالعہ کرنے والے حضرات کو خود بخود ہو جائے گا۔ مگر پھر بھی اس کتاب کے ایک خاص علمی پہلو کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ مؤلف وقائع کو علم ہیئت و فلکیات پر بڑا تبحر حاصل ہے جس کی مثالیں کتاب میں جابجا ملتی ہیں۔ باقی ع مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔

Marfat.com

وقائعِ عبدالقادر خانی (ب)

(از محمد ایوب قادری صاحب ایم، اے لکچرار اُردو کالج کراچی)

یہ نادر و نایاب مخطوطہ نواب صدر یار جنگ بہادر حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم و مغفور کی معارف پروری اور علم دوستی کی بدولت ان کے مشہور زمانہ کتاب خانہ حبیب گنج (علیگڈھ) میں محفوظ تھا۔ مرحوم نے اس کو دہلی میں ایک عالی خاندان معمر خاتون سے حاصل کیا تھا ۱۹۳۸ء تا ۱۹۵۰ء راقم کو نواب صاحب سے قرب خاص کی سعادت نصیب ہوئی تو اس کے لاتعداد فوائد میں سے ایک فائدہ اس کتاب کی زیارت بھی تھا۔ میں نے اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر نواب صاحب کی اجازت سے کتاب خانے کے فاضل مہتمم جناب مولوی معین الدین صاحب افضل گڈھی سے اپنے لئے اس کا فارسی سے اُردو میں ترجمہ کرالیا۔ قیام پاکستان کے بعد جب میں کراچی آیا تو، اس ترجمہ کو بھی اپنے ہمراہ لانے میں کامیاب ہوگیا۔ عرصہ سے خیال تھا کہ اس کو زیور طبع سے آراستہ کرایا جائے مگر دو دقتیں حائل تھیں۔ اولاً کوئی لائق و مستند شخص اس کو اڈیٹ کردے۔ ثانیاً اس کے مصارف طباعت وغیرہ کا خاطر خواہ انتظام ہو جائے اس عرصہ میں خود عدیم الفرصتی اور بے زری کا

Marfat.com

حسب معمول شکار رہا۔

اللہ کا احسان ہے کہ سنہ ۱۹۶۰ء کے مبارک سال میں یہ دونوں رکاوٹیں دور ہو گئیں عزیز رفیق کار محمد ایوب قادری بی اے ایم اے جن کے علمی و تحقیقی کارناموں سے ناظرین "العلم" باخبر ہیں کتاب کو اڈٹ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس نے اس کو طبع کرنا منظور کر لیا۔

اصل کتاب $\frac{20 \times 30}{4}$ سائز کی تقریباً پانچسو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اس کے بعد اس پر مفصل نوٹ لکھے گئے تو کتاب کی ضخامت بہت زیادہ ہو گئی۔ لہذا اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ پہلا حصہ جو $\frac{20 \times 30}{8}$ یعنی "العلم" سائز کے ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہے عنقریب شائع ہونے والا ہے[1]۔

---

[1] اس کتاب کے دونوں حصے آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی جانب سے طبع ہو چکی ہیں۔

Marfat.com

اردو زبان اور اسالیب

تصنیف: سید محمد محمود رضوی مخمور اکبر آبادی

برصغیر پاک و ہند کی تقسیم کی تحریک، اس میں شک نہیں مذہبی و ثقافتی اقدار، دو قومی نظریات اور سیاسی اختلافات کی بناء پر پروان چڑھی۔ لیکن جس چیز نے اس کو سب سے زیادہ تقویت پہنچائی اور بالآخر کامیابی کی منزل تک پہنچا دیا وہ اُردو زبان کے تحفظ و بقا اور اس کو غیر جنسی، نامانوس اور ملت کش اثرات کے بحران سے مصئون و مامون کے درجے تک پہنچا دیا وہ اُردو زبان کے تحفظ رکھنے کا بے پناہ جذبہ تھا، جو برصغیر کے ہر حصہ میں پایا جاتا تھا۔

اُردو کو جو بھارت میں ہر دلعزیز اور مقبول عام ہونے کے باوجود حکومت کی بے اعتنائی اور ایک بڑے طبقہ کی کھلم کھلا مخالفت کے زیر اثر "مظلوم اور یتیم" سمجھی جانے لگی تھی قیام پاکستان کے باعث اب ترقی کرنے اور پروان چڑھنے کا موقع مل گیا ہے۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس مملکت خداداد میں جو ملی اور قومی نظریات و مقتضیات کے احترام اور تکمیل کے لئے عالم وجود میں آئی ہے اُردو کو اس کا جائز منصب اور واقعی حق مل چکا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اس کو اپنی قدرتی صلاحیتوں کو اُبھارنے اور قدر دانانِ اُردو کو اس

Marfat.com

کی ترقی اور وسعت میں بیدریغ کوشش کرنے کے لئے ایک وسیع میدان مل گیا ہے۔

بد قسمتی سے ہماری قوم اب تک غلامانہ ذہنیت سے نجات حاصل نہیں کر سکی ہے، جس کا سب سے زیادہ مہلک اثر یہ ہو رہا ہے کہ تعلیم، ادب اور بالخصوص زبان کے معاملے میں ہمارا احساسِ کمتری کم ہونے کے بجائے زیادہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ اُردو کو اپنانے اور اس کی مقبولیت و افادیت کو تسلیم کرنے میں بھی یہی چیز سنگ راہ ثابت ہو رہی ہے۔ نئے تعلیم یافتہ حضرات کا ایک عام اعتراض یہ ہے کہ اس زبان کا نہ کوئی سائنٹیفک رسم الخط ہے نہ اس کے قواعد واسالیب منضبط ہیں نہ اس کی کوئی اپنی فلالوجی ہے، ادبی علمی سرمایہ تو ایسی بے مایہ زبان میں ہو ہی کیا سکتا ہے۔ جس میں ہر قسم کے اَنمل بے جوڑ محاورات اور دوسری زبانوں سے لئے ہوئے الفاظ کی بھرمار ہو۔ یہ تو وہ مانتے ہیں کہ قومی سالمیت اور اتحاد ملی کے لئے ایک واحد زبان کا ہونا ہر قوم کے لئے ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر کوئی قوم قوم نہیں کہی جا سکتی۔ اور نہ قومی اتحاد کی داغ بیل پڑ سکتی ہے۔ لیکن ان کے خیال میں اردو پاکستان کی قومی زبان بننے کی پوری صلاحیت ابھی نہیں رکھتی اس کے مقابلے میں انگریزی زبان آسانی سے قومی و مادری زبان کی جگہ لے سکتی ہے۔ اب یہ دعویٰ بھی کیا جا رہا ہے کہ مذہبی زبان ہونے کی بنا پر عربی، اُردو سے زیادہ ملک کی قومی زبان بننے کا استحقاق رکھتی ہے۔

اردو کی ساخت اور تدوین کا جہاں تک تعلق ہے اس کی نوعیت اور اس کے ارتقا پر نظر غائر ڈالنے سے یہ امر بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس زبان

Marfat.com

کی تشکیل بعض ناگزیر حالات اور سماجی، معاشی و عمرانی عوامل و ردِ عمل کے تحت وقوع پذیر ہوئی۔ ان ہی اثرات کے پیش نظر اس زبان میں مختلف قدیمی اور عصری زبانوں کے لاتعداد الفاظ و محاورات داخل ہوتے چلے گئے جنکو نہ تو نقد و احتساب کی کسوٹی پر جانچا گیا نہ ان کے معانی و مطالب کا تعین ہو سکا، اس کی توقع ہی نہ تھی کہ زبان اور اسلوب زبان اور صرف و نحو کے متعلق صحیح قواعد و ضوابط مرتب کئے جائیں۔ سیاسی حالات نے مسلمان بادشاہوں نوابوں اور اُمراء کو اُردو کی سرپرستی پر مجبور کیا۔ اور اس کو تقرب سلطانی کا ایک کامیاب وسیلہ بنا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُردو کا شعری سرمایہ غزل۔ قصیدہ وغیرہ کی شکل میں سرعت سے بڑھتا رہا۔ لیکن زبان کی ساخت و تعمیر اور ٹکنیک کی طرف لوگوں کی بہت کم توجہ ہوئی یہاں تک کہ اُردو کی نثر بھی خصوصیت سے اس کی شاعری کا ساتھ نہ دے سکی۔ اور کئی صدی کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے برصغیر میں قدم جمانے کے بعد اور خود انگریزوں کی کوشش اور سرپرستی کے زیر اثر اُردو نثر کے ارتقا اور اس کو ایک علمی زبان بنانے کی داغ بیل پڑی جس میں برگ و بار سرسید احمد خاں اور ان کے رفقاء کی انتھک کوششوں سے پیدا ہوئے۔

ان حالات میں اگر بھی خواہانِ اردو کو قواعد زبان اور صرفی و نحوی اصول کے مبادیات متعین کرنے، املا اور تلفظ کی بحث اُٹھانے اور اس میں آسانیاں پیدا کرنے اور علم اللسان کے اصول کے مطابق زبان کو ڈھالنے کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا تو یہ فروگذاشت قابل گرفت نہیں ہے، جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان حالات میں بھی بعض مشہور علمائے ادب اُردو نے اس اہم صنف ادب کو

Marfat.com

تشنہ نہیں چھوڑا۔ گو ملک وقوم کے نئے سیاسی اور فنی ارتقا کے زیر اثر اور خود اردو کی ہمہ جہتی ترقی کے نتیجہ میں اسالیب، معانی اور بیان میں جو تغیرات پیدا ہوئے ہیں اور متروکات ومحذوفات کی جو طویل فہرست اساتذہ کے اسناد سے اردو زبان میں تیار ہو چکی ہے، ان کے پیش نظر متذکرہ علمائے ادب کی بلند پایہ تصانیف بھی "اوراقِ پارینہ" شمار ہونے لگی ہیں۔

یہ امر موجب امتنان ہے کہ ہمارے لائق احترام بزرگ سید محمد محمود رضوی مخمور اکبرآبادی نے زیر نظر کتاب " اردو زبان اور اسالیب "، لکھ کر اس کمی کو پورا کیا۔ اور گویا اردو کی پرانی دیوار کو ٹوٹنے اور گرنے سے بچا لیا۔ مخمور صاحب حضرت دلگیر اکبرآبادی مرحوم، مولانا نیاز فتحپوری۔ ل۔ احمد اکبرآبادی اور حضرت جوش ملیح آبادی جیسے اساتین ادب کے قریب قریب ہمعصر اور برابر کی ٹکر لینے والے ادیب ونقاد ہیں۔ زبان وبیان کے مروجہ مسامح اور اغلاط پر وہ شکرہ کی طرح جھپٹتے ہیں اور بلا لومتہ لائم ان کا تجزیہ کر ڈالتے ہیں۔ انگریزی اور اردو علم اللسان میں ان کا مطالعہ اور معلومات بے پناہ ہیں۔ بڑے بڑے لکھنے والوں کی شاہکار تحریروں کے وہ بخیئے ادھیڑ کر رکھ دیتے ہیں، لیکن اس خصوص میں زبانی تلخ نوائی کے بعد ان کی تحریروں میں بلا کی شیرینی اور تہذیب لفظی نظر آتی ہے۔ ان کی ضخیم مجلدات میں کوئی ایک فقرہ اور جملہ بھی ایسا نظر نہ آئے گا جو مذاق سلیم پر بار ہو یا کانوں کو ناگوار ہو۔ پختہ دلائل وبراہین اور ادائے مطالب کے لئے صاف ستھری شوخ عبارت ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ مخمور صاحب متعدد بلند پایہ کتابوں کے مصنف مؤلف اور مترجم ہیں۔ مضامین اور تحقیقی مقالات لاتعداد لکھ چکے ہیں۔ ان کی لکھی

Marfat.com

ہوئی ہر چیز معیاری ہوتی ہے۔ اور لسانی تحقیق پر یہ کتاب "اُردو زبان اور اسالیب" جس کی چار سو صفحات کی پہلی جلد اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی شائع کر رہی ہے۔ جناب مخمور صاحب کی شاہکار کتاب ہے۔ مدت العمر کی ریاضت شاقہ کا حاصل اور ان کے علم و فن کا عطر ہے۔ جس کی خوشبو سے توقع ہے کہ ملک کے طول و عرض میں اہل علم کا مشامِ جان معطر و محظوظ ہوگا۔

ممکن ہے بعض نقادانِ فن مخمور صاحب کے نقطۂ نظر اور افکار و آراء سے متفق نہ ہوں۔ لیکن ان کے لئے بھی کتاب اس لحاظ سے مفید ثابت ہوگی کہ لسانیاتی ترقی کے موجودہ سائنسی دور میں تحقیق کا ایک نیا باب کھلے گا، اور اہل تحقیق کی مخالف و موافق کاوشوں کے نتیجہ میں ہمارے سرمایۂ ادب میں بیش قیمت اضافہ ہوگا۔

پاکستان کے سرآمد اہل علم جناب ممتاز حسن صاحب سابق سکرٹری فنانس گورنمنٹ آف پاکستان کے عالمانہ مقدمہ نے اس کتاب کی قدر و قیمت اور افادہ میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ یہ دراصل آں محترم ہی کی نکتہ رسی اور تحریک و تشویق کا نتیجہ تھا کہ کانفرنس اکیڈیمی نے بصرف کثیر اس کتاب کی طباعت و اشاعت کی خدمت کو اپنے ذمہ لیا۔ کیونکہ جس چیز کو جناب ممتاز حسن صاحب کی نظر کیمیا اثر پسند کرلے اس کے پسندیدہ ہونے میں پھر کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی

توقع ہے کہ نقادانِ فن کتاب کو اسی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں گے جس کی کہ وہ مستحق ہے۔ اس سے نہ صرف طلباء استفادہ کریں گے بلکہ اساتذہ بھی کماحقہ فائدہ اُٹھائیں گے۔ آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ جن مقاصد عالیہ کے تحت یہ صحیفۂ ادب تیار ہوا ہے۔ وہ بدرجۂ اتم شرف قبولیت حاصل کرے۔ آمین!

Marfat.com

۱۹۶۱ء

ذکر و فکر

(تصنیف: سیّدہ انیس فاطمہ بریلوی)

سیّدہ انیس فاطمہ بریلوی کے رشحات قلم بعنوان "تاثّرات" العلم میں مسلسل شائع ہو کر حد درجہ مقبول ہوئے ہیں کیونکہ بقول اخبار "علیگڈھ" یہ ایسے نفسیاتی جواہر پارے ہیں جو علاوہ دلچسپ و مفید ہونے کے سوسائٹی کے ایک خاص پہلو کو اُجاگر کرتے ہیں۔ ان تاثّرات کی بنیادیں چونکہ آنکھوں دیکھے ایسے واقعات پر قائم ہیں جن سے لکھنے والے نے خود اثر لیا ہے اس لئے وہ پڑھنے والے کے دل کو بھی براہِ راست متاثّر کر دیتے ہیں۔"

"تاثّرات" کی اسی مقبولیت و افادیت کے پیش نظر ان کو کتابی شکل میں "ذکر و فکر" [1] کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔ سیّدہ انیس فاطمہ کی یہ دوسری مطبوعہ [2] تصنیف ہوگی، اس سے قبل ان کی مشہور کتاب "۵۷ء کے ہیرو" کے دو ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

---

[1] کتاب کا دوسرا ایڈیشن مع ایزادی مضامین "تاثّرات و مشاہدات" کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ [2] ایک اور کتاب "ادب منزل بمنزل" کے نام سے طبع ہو کر مقبول ہو چکی ہے۔

ناشر، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

Marfat.com

ایک تیسری کتاب بھی زیر ترتیب ہے جو اُن کے درج ذیل معاشی و اصلاحی مضامین و مقالات کا مجموعہ ہوگا۔

۱۔ یہ فلاکت تا بکے ؟

۲۔ دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا۔

۳۔ پاکستان میں آبادکاری کا مسئلہ۔

۴۔ ہمارا معاشی مسئلہ۔

۵۔ کولمبو پلان۔

۶۔ نیا دستور اور خاتمۂ زمینداری و جاگیرداری۔

۷۔ پاکستان کا اسلامی آئین اقتصادی اور معاشی پہلو پر ایک نظر۔

۸۔ پاکستان کا سالانہ بجٹ۔

۹۔ یہ زمین کس کی ہے ؟

۱۰۔ انقلاب اکتوبر ۵۸ء کا معاشی پس منظر۔[۵]

ان عنوانات سے کتاب کی قدر و قیمت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

انیس فاطمہ کی تحریریں خلوص اور سچائی کی حامل ہوتی ہیں۔ وہ جو کچھ لکھتی ہیں تفصیلی مطالعہ، عمیق غور و فکر اور محنتِ شاقہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں سنجیدہ اور ادق مباحث پر بہت کم خواتین قلم اُٹھاتی ہیں حالانکہ دیگر ممالک میں تاریخ۔ فلسفہ۔ سائنس۔ معاشیات اور ریاضیات وغیرہ، پر لکھنے والی خواتین کی بڑی کثرت و بہتات ہے۔ کئی ایک کو نوبل پرائز بھی مل چکا ہے۔ ہمیں توقع ہے اہل ملک سیدہ انیس فاطمہ کی خدمات کی خاطر خواہ قدردانی کریں گے۔

---

۵ یہ کتاب "پاکستان کا معاشی پس منظر" کے نام سے آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی جانب سے شائع ہو چکی ہے۔

Marfat.com

حکیم عمر خیّام

تصنیف روسی زبان میں : از مسٹر ذہروسوسکی۔
(سر ڈینیسن راس کے انگریزی ترجمہ سے اردو ترجمہ)
از ابو المکارم سلیم اللہ فہمی

عمر خیّام سلجوقی عہد سلطنت کی ایک تاریخی شخصیت ہے، یہ عہد اسلامی عظمت و بزرگی کا آئینہ دار ہے۔ عباسیوں کے سیاسی زوال نے جب عالم اسلامی کو درہم برہم کر کے رکھ دیا تو یہ سلجوق ہی تھے جنہوں نے عالم اسلامی کو سیاسی انتشار و پراگندگی سے نکال کر اتحاد و یگانگت کی نئی روح عطا کی، اور اس کی کھوئی ہوئی عظمتوں کو از سر نو حاصل کر کے ایک ایسی حکومت کی بنیاد رکھی جس نے تہذیب و تمدّن، علم و فضل، دولت و ثروت، روحانیت و اخلاق کی قدروں کو بلند کیا اور مسلمانوں کو وہ سب کچھ بخشا۔ جو وہ اپنے افتراق و اختلاف سے کھو چکے تھے اس لحاظ سے عہد سلاجقہ کی تاریخ کو اسلام کی تاریخ کے ایک روشن باب کے عنوان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

عین اس زمانہ میں جبکہ عربوں کے خلاف عجمی اسپرٹ جنم لے رہی تھی اور عربی و عجمی عصبیت امین و مامون کی صورت میں دست و گریبان تھی اور یہ

Marfat.com

بیماری گھن کی طرح عباسی سلطنت کو کھائے جارہی تھی کہ معتصم خلیفہ ہوا اس نے اس بیماری کا علاج یہ سوچا کہ ان کے خلاف ایک تیسری قوت کو کھڑا کیا جائے جو ضرورت کے وقت عربوں اور عجمیوں کو دبانے میں سلطنت کے کام آسکتی ہو، اس نے ترکی غلاموں کی ایک فوج مرتّب کرکے اس عصبیت کو دبانے کی کوشش کی جو سلطنت عباسیہ کو تباہی کے غار کی طرف ڈھکیل رہی تھی۔ لیکن معتصم کے بعد یہ فوج خود عباسیوں کے لئے خطرہ بن گئی اور ایک صدی کے عرصہ میں یہ ترکی غلام عباسی حکومت کے مالک بن گئے وہ جسے چاہتے خلیفہ بناتے اور جسے چاہتے خلافت سے علیحدہ کردیتے، متوکّل اُنھیں کے قتل کا نشانہ بنا مُستعین اس قدر پریشان ہوا کہ اُس نے بغداد سے سامرا بھاگ جانے میں عافیت سمجھی اور اُن کے بُلانے پر جب وہ نہ آیا تو اُنھوں نے اس کو خلافت سے معزول کرکے قتل کردیا۔ مہدی کو انھوں نے قید کردیا۔ قاہر کو معزول کیا اور متقی کو اندھا کرکے علیحدہ کیا۔ مرکزی حکومت کے اس انتشار نے گورنروں کے دل میں خودمختاری کی ہوس پیدا کی خراسان کے گورنر طاہر بن عبداللہ نے سب سے پہلے ۲۳۰ھ ۸۴۴ء میں خودمختاری کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد ۲۵۴ھ ۸۶۸ء میں احمد بن طولون مصر کا گورنر اس راہ پر گامزن ہوا۔ اور اُس نے مصر و شام میں ایک خودمختار ریاست قائم کرلی۔

تیسری صدی ہجری کے وسط میں یعقوب بن لیث ٹھٹھیرے کے دل میں مرکزی حکومت کے انتشار کو دیکھ کر حکومت کی خواہش پیدا ہوئی اُس نے سیستان پر قبضہ جمایا۔ ۲۵۹ھ میں اُس نے طاہریوں سے خراسان چھین کر

Marfat.com

فارس اور طبرستان تک اپنی حکومت قائم کرلی۔ اس کی حکومت، حکومت صفاریہ کے نام سے موسوم ہوئی۔

دیلم، طبرستان اور گیلان پر حسن بن زید علوی نے قبضہ کرکے ان علاقوں کو عباسیوں سے منقطع کر دیا۔

ماوراء النہر میں سامانی خاندان نے اپنی حکومت کا علم بلند کیا یہانتک کہ انہوں نے سنہ ۲۶۱ھ/۸۷۴ء میں دربار خلافت سے ماوراء النہر کی حکومت کا پروانہ حاصل کرلیا۔

یہ سب کچھ صوبوں میں ہو رہا تھا کہ مرکز میں الراضی باللہ سنہ ۳۲۲ھ/۹۳۳ء -- سنہ ۳۲۹ھ/۹۴۰ء) برسر اقتدار آیا۔ یہ اس شان کا خلیفہ تھا کہ اس کی حکومت بغداد اور اس کے مضافات کے سوا کہیں نہ تھی۔ بحکم نے اس کی اس گئی گذری خلافت کو بھی مجروح کر دیا۔ اور وہ جوڑ توڑ ملا کر امیر الامراء کا خطاب حاصل کر کے خلافت پر اس طرح مستولی ہوا کہ خلیفہ کی حیثیت ایک وظیفہ خوار کی رہ گئی۔ آخر میں عباسی خلفاء کی بیچارگی کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان کی حکومت قصر خلافت تک محدود ہو کر رہ گئی۔

عباسیوں کا آفتاب خلافت ابھی پوری طرح گہن میں نہ آیا تھا کہ شمالی افریقہ سے ایک اور طوفان اٹھا جس نے عباسی حکومت کی رہی سہی تاب و تواں کو بھی چھین لیا۔ یہ فاطمی خاندان تھا جس نے مصر کو فتح کرکے چند سال بعد شام اور حجاز کو بھی اپنے حیطۂ اقتدار میں لے لیا۔ یہاں تک کہ مکہ اور مدینہ میں عباسیوں کے بجائے فاطمیوں کا خطبہ پڑھا گیا۔ عباسیوں کے عالم نزع کی،

Marfat.com

آخر میں یہ کیفیت تھی کہ بساسیری نے ۴۵۰ھ میں بغداد پر قبضہ کر لیا اور جامع بغداد میں مستنصر عبیدی کا ایک سال تک خطبہ پڑھا گیا۔

عباسیوں کے اس زوال نے عالم اسلامی کو زیر وزبر کر رکھا تھا۔ یاس کی گھٹائیں ہر طرف چھائی ہوئی تھیں۔ رہی سہی مسلم حکومتیں آپس کی چپقلش میں مبتلا تھیں۔ مسلمانوں کے فکر و عمل، اخلاق و عادات، کردار و اطوار پر انحطاط پورے طور پر چھا رہا تھا کہ یاس کے اس گھٹاٹوپ اندھیرے میں اُمید کی ایک اور کرن پھوٹی۔ یہ غزنویوں کے بعد سلجوقیوں کی حکومت تھی۔

یہ شرف قدرت نے سلجوقی خاندان کے مقدّر میں لکھا تھا کہ وہ مسلم قوم کی گرتی ہوئی دیوار کو تھام لے اور ان کی عظمت رفتہ کو واپس دلائے۔ سلجوقی پانچویں صدی کی ابتداء میں برسر اقتدار آئے۔ ملک گیری کا سلسلہ شروع کرنے سے پہلے یہ نواحِ بخارا کے میدانوں میں اسلام قبول کر چکے تھے ان کا چھوٹا سا قبیلہ ایک عرصہ تک ترکستان سے نکل کر مارا مارا پھرتا رہا۔ ابتداء میں اسکی بیکسی اور بے بسی کا یہ عالم تھا کبھی محمود غزنوی اس کو نکال دیتا کبھی وہ خوارزم کے دامن میں پناہ ڈھونڈتے۔ غرض کہ کہیں دنیا میں ان کا ٹھکانہ نہ تھا، آخر سلجوقیوں نے ۴۲۹ھ میں خراسان کی طرف پیشقدمی کی اور غزنویوں کو خراسان سے بیدخل کر کے ان کے ایک سردار طغرل بیگ نے خراسان کی بادشاہی کا اعلان کیا آخر ایک دن وہ بھی آیا کہ اُنھیں خانہ بدوش سلجوقیوں نے غزنوی حکومت کے عالیشان قصر کو منہدم کر کے رکھ دیا۔

۴۶۵ھ ۱۰۷۲ء سے ۴۸۵ھ ۱۰۹۲ء تک سلجوقیوں کا وہ دور ہے جسے ان کے

Marfat.com

زرّیں عہد سے تعبیر کیا جاسکتا، یہی وہ زمانہ ہے جس میں الپ ارسلان اور ملک شاہ جیسے مدبّر فرمانروا برسراقتدار آئے اور اُنھیں نظام الملک طوسی جیسا، .... عقلمند دوراندیش وزیر ملا، ان دونوں بادشاہوں اور وزیر نے ملکر اپنی تدبیروں اور حکمت عملی سے سلجوقی سلطنت کو جس عروج و کمال پر پہونچایا اس کی مثال تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔

اچھی حکومت جہاں عوام پر سیاسی، تمدّنی اور سماجی ترقی کی راہیں کھولتی ہے وہیں اس کے دامن میں علوم و فنون پرورش پاتے ہیں یہی حال سلجوقیوں کے عہد حکومت کا تھا۔ انھوں نے اپنے حُسن انتظام سے جہاں عوام پر فلاح و بہبود کے دروازے کھولے وہیں ان کی معارف پروری نے اسلامی علوم و فنون کی شمع روشن کی، علماء کی قدر افزائی کی، تعلیم کو عام کیا، جس کی وجہ سے ان کی مملکت میں علوم و فنون پھیلے اور علماء اور اہل ہنر نے ان کی قدرشناسیوں سے مطمئن ہو کر اپنے کو علم و فن کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔

سلجوقیوں کے دور میں گلستانِ علم میں جو بہار آئی اور سدا بہار پھول کھلے ان میں امام غزالی، عبدالکریم شہرستانی، ابوالحسن خرقانی، ابوبکر شاشی، اثیرالدین ابہری، راغب اصفہانی، ابواسحٰق شیرازی، خواجہ قطب الدین مودود چشتی، ابوالقاسم قشیری، شیخ شہاب الدین سہروردی، عبدالقادر جرجانی اور عمر خیام جیسے وہ گل سرسبد ہیں جنکی خوشبو اور نکہت آج بھی اہل نظر کے مشام جان کو معطر بنائے ہوئے ہے۔

جناب ابوالمکارم سلیم اللہ صاحب فہمی نے ان میں سے عمر خیام کو منتخب

Marfat.com

کرکے اپنی اس کتاب کا موضوعِ خاص بنایا ہے

غیاث الدین ابو الفتح عمر بن ابراہیم خیام گیارہویں صدی عیسوی کے وسط میں نیشاپور میں پیدا ہوا، یہ اپنے زمانہ کا جید عالم، سائنس دان اور ماہر علم ہیئت تھا۔ خیام نے اپنے وقت کا بڑا حصہ علوم و فنون کی خدمت میں صرف کیا۔ شاعری کی حیثیت اس کے یہاں ثانوی تھی۔ یعنی تفنن طبع اور تنوع کے لئے وہ اپنے فرصت کے اوقات میں شعر بھی کہتا تھا۔ ورنہ اس کی ساری توجہ علم ہیئت نجوم اور ریاضی پر مرکوز رہی۔ ملک شاہ کے دور حکومت میں اس نے کلنڈر میں اصلاح کی اور سلجوقی عہد حکومت کے اعتبار سے اس نے ۱۵ مارچ ۱۰۷۹ء سے نیا سال شروع کیا۔ خیام کی شہرت اس کی زندگی میں بحیثیت ماہر سائنس و ریاضیات کے ہوئی وہ اپنی زندگی میں بحیثیت شاعر کے شہرت نہ پا سکا اس کی وفات کے بعد بھی اس کی شاعری پر کسی نے توجہ نہ دی یہاں تک کہ اس کی ساری تصانیف ناقدریٔ روزگار کا شکار ہو کر رہ گئیں۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ زمانے کی بے اعتنائی کی وجہ سے اس کے حالاتِ زندگی بھی گوشۂ گمنامی میں رہے۔

۱۸۵۹ء میں جب فٹز جیرالڈ نے رباعیات عمر خیام کا آزاد ترجمہ کر کے اور اس کی مختلف رباعیوں کو ایک نیا تسلسل دے کر ایک طویل نظم کی شکل میں انگریزی میں پیش کیا تو مغرب اس کے شاعرانہ کمال کے اعتراف سے گونج اٹھا اور پہلی مرتبہ بحیثیت شاعر دنیا خیام سے روشناس ہوئی اور اس کے نام کو ثبتِ دوام حاصل ہوا۔

Marfat.com

غالب نے اپنی فارسی شاعری پر فخر کرتے ہوئے کہا ہے ؎

فارسی بیں تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ
بگذر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگِ من است

لیکن قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اسی مجموعۂ بے رنگ نے ان کی شہرت کو چار چاند لگائے بعینہ یہی معاملہ عمر خیام کے ساتھ ہوا۔ وہ جن علوم وفنون کی خدمت میں عمر بھر مصروف رہا وہ اس کے نام کو آگے نہ بڑھا سکے، لیکن جس چیز نے اس کو آسمان شہرت پر آفتاب بنکر چمکایا وہ اس کی شاعری تھی جس کو اسنے اپنی زندگی میں کبھی اہمیت نہ دی تھی۔

خیام نے ۱۱۲۳ء میں وفات پائی کہتے ہیں کہ اس نے اپنی وفات سے پہلے پانچسو سے زیادہ رباعیاں لکھی تھیں۔ لیکن ہم تک یہ رباعیاں بہت کم پہنچی ہیں۔ اس کی شاعری کا موضوعِ خاص لذتیت ہے، وہ عیش ونشاط وکامرانی کو زندگی کا ماحصل سمجھتا ہے، شاید اسی کے فلسفہ سے متاثر ہوکر بابر نے کہا تھا ؏

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اس مختصر سی کتاب میں جس طرح عمر خیام کے حالات زندگی کا جائزہ لیا گیا ہے اور جس طور پر تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے اسے دیکھ کر کوزے میں دریا کو بند کرنے کی مثل یاد آتی ہے۔ فاضل مترجم ایک کہنہ مشق ادیب ہیں، آپ کی تحریر میں سلاست وروانی اور جامعیت ہوتی ہے۔ جس کا یہ کتاب ایک بیّن ثبوت پیش کرتی ہے۔ اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس جناب فہمی صاحب کی شکرگزار ہے کہ طباعت واشاعت کے جملہ حقوق آپ نے بلا معاوضہ مرحمت فرمائے۔ آپکی یہ معارف پروری ہمیشہ یاد رہے گی۔

Marfat.com

۱۹۶۱ء

شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ

اور

اُن کی تعلیمات

تالیف : مولانا اعجاز الحق قُدّوسی

مولانا اعجاز الحق قدّوسی کو دیکھکر بیساختہ بیدل کا یہ مصرع ذہن کے دریچوں سے جھانکنے لگتا ہے ؎

ہرچند عقل کل شدۂ بے جنوں مباش

وہ دیوانہ وار صبح سے شام تک حصول علم میں لگے رہتے ہیں۔ کتابوں کے پلندے لئے شہر کے مختلف کتب خانوں میں آتے جاتے نظر آتے ہیں، ذراسی بات ہوگی اس کے لئے تحقیق کا حق ادا کردیں گے، وہ سچے آدمی ہیں، بات کریں گے تو پھول جھڑیں گے، چھوٹوں میں بیٹھ کر چھوٹے اور بڑوں کی صحبت میں بردبار اور بڑے، اسی لئے وہ ہرجگہ رونق محفل بن جاتے ہیں۔ خوش خلقی، وضع داری اور شرافت ان کا چلن ہے۔ وہ پیدائش سے لیکر اب تک صرف طالبعلم

Marfat.com

ہیں۔ اور اسی خصوصیت نے ان کے ذہنی ارتقا کو کسی منزل پر بھی آگے بڑھنے سے نہیں روکا ایک تصنیف کے بعد دوسری اور پھر تیسری جیب خالی، پیٹ خالی، لیکن علم کی لگن میں ایسے مگن کہ کسی بات کا ہوش نہیں، قناعت مزاج اور توکل تکیہ، مجسّم علم، جوڑ توڑ سے متنفّر، سیاست کے پیچوں سے دور۔

مولانا اعجاز الحق قدوسی قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور کے رہنے والے ہیں، ۱۹۰۵ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ چشتیہ کے نامور صوفی شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی اولاد سے ہیں۔ ابتدائی تعلیم اس زمانہ کے رواج کے مطابق اپنی نانہال قصبہ ابنیٹھہ، ضلع سہارن پور میں مولانا شفیق احمد صاحب انبیٹھوی سے حاصل کی۔ کچھ عرصہ تک مدرسہ مجددیہ سرہند میں تعلیم پاتے رہے۔ اور پھر علوم مشرقیہ کی تکمیل ہندوستان کی مشہور دینی درس گاہ مظاہر العلوم سہارن پور سے کی۔ مولانا خلیل احمد محدث رح شیخ الحدیث مولانا ذکریا صاحب کاندہلوی۔ مولانا اسد اللہ رامپوری، مولانا عبدالرحمٰن کیمبل پوری، مولانا ثابت علی مرحوم، اور مولانا منظور احمد سہارنپوری جیسے یگانۂ روزگار علماء سے نہ صرف تعلیم حاصل کی بلکہ ان بزرگوں کی خدمت میں رہ کر اپنے جوہر قابل کو نکھارا۔

۱۹۲۸ء میں حیدر آباد دکن چلے گئے اور وہاں ۱۹۵۱ء تک محکمہ امور مذہبی سے وابستہ رہے۔ یہیں ۱۹۳۲ء میں انھوں نے اپنی سب سے پہلی کتاب "مسلمان بیبیاں" کے نام سے لکھی۔ جسے مکتبۂ جامعہ ملّیہ دہلی نے شائع کیا۔ اس کتاب کے اب تک متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب کی مقبولیت کے بعد انھوں نے اسی طرح کی کتابیں سراپائے رسول ﷺ، رسول ﷺ پاک

Marfat.com

کی صاحبزادیاں، پاک بیبیاں، سیرت بتولؓ، عہدرسالت کے دو بچے، درسگاہ رسولؐ کے دو طالب علم، ہمارے نبی کے صحابہ، خلفائے راشدین کی صاحبزادیاں، رسولؐ اللہ کے دو محبوب، سیرت امام حسن رضؓ جیسی مقبول عام کتابیں لکھیں، یہ سب کتابیں تاریخی اعتبار سے ایک خاص ندرت لئے ہوئے ہیں۔

جن مشاہیر کے تعلقات نے ان میں لکھنے کا شعور پیدا کیا، ان میں الیاس احمد مجیبی، خواجہ حسن نظامی، جوش ملیح آبادی، مولانا عبداللہ العمادی، مولانا سیدابوالاعلیٰ مودودی اور سید حسام الدین راشدی ہیں، وہ کہا کرتے ہیں۔ کہ الیاس احمد مجیبی مرحوم نے مجھے سب سے پہلے لکھنے کے ذوق سے آشنا کیا میں نے ان کو کتابیں لکھتے ہوئے دیکھکر خود کتابیں لکھنا شروع کیں۔ خواجہ حسن نظامی مرحوم کی نیاز مندیوں نے مجھے کام کی لگن کا درس دیا۔ جوش صاحب کی صحبتِ نے مجھے شعر کا صحیح عرفان بخشا، مولانا عبداللہ العمادی کے تعلقات نے مجھے بتایا کہ انسان کو اپنی آخری عمر تک خود کو طالب علم ہی سمجھنا چاہیئے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی کرم فرمائیوں نے مجھے تحقیق کا ذوق عطا کیا، اور سب سے آخر میں سید حسام الدین راشدی کے لطف وکرم نے مجھ پر لکھنے کی نئی راہیں کھولیں۔ میں ان سب کو اپنا استاد معنوی کہتا ہوں"

مولانا اعجاز الحق قدوسی اگرچہ علمی وادبی حلقوں میں بحیثیت شاعر کے بہت کم متعارف ہیں، لیکن وہ کبھی کبھی شعر بھی کہتے ہیں۔ ان کی غزلوں اور نظموں میں رنگینی، کیف اور ندرت خیال کا ایک دل کش اور حسین امتزاج ہوتا ہے وہ اپنی شاعری میں جوش سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ جب کبھی کوئی

Marfat.com

ان سے ان کی غزل یا نظم چھاپنے کی فرمائش کرتا ہے تو وہ نیم تبسم کے ساتھ ہمیشہ یہ جواب دیتے ہیں کہ میری یہ کج مج بیانی تو صرف دوستوں کی گرمیٔ محفل کے لئے ہے ورنہ میں تو تاریخ اور اسلامیات کیلئے بنا ہوں۔

زوال حیدر آباد کے بعد وہ پاکستان چلے آئے اور سندھی ادبی بورڈ کراچی کے شعبۂ تاریخ سے وابستہ ہو گئے اس ادارے سے وابستہ ہو کر سندھی تہذیب وادب کا ایسا چسکا پڑا کہ سندھ کی تاریخ وادب کا مطالعہ شروع کر دیا اور کچھ عرصہ بعد "سندھ کی تاریخی کہانیاں" کے نام سے ایک ایسی کتاب تحریر کی جو نہ صرف حد درجہ مقبول ہوئی بلکہ اس موضوع پر اردو میں پہلی کتاب ہے اس کے کچھ ہی عرصہ بعد "تذکرۂ صوفیائے سندھ" کے نام سے ان تمام صوفیائے کرام کا تذکرہ قلم بند کیا جو سرزمین سندھ میں پیدا ہوئے اور جن کے فیوض و انوار سے اسلام کی جڑیں یہاں گہری ہو گئیں۔ یہ تذکرہ بھی اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے، قدوسی صاحب کے انداز بیان اور زاویہ نظر نے اس میں اور جان ڈالدی۔

یہ کتاب سندھ میں تصوف کے ارتقاء کی ایک ایسی تاریخ ہے جو اہل علم اور شائقینِ تصوف کے لئے فکر ونظر کے نئے راستے کھولتی ہے "تذکرۂ صوفیائے سندھ" بھی ان کی اور کتابوں کی طرح بہت مقبول ہوئی۔

اس کے بعد انھوں نے اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی فرمائش پر "شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات"

لہ آج کل قدوسی صاحب اردو ڈویلپمنٹ بورڈ سے متعلق ہیں (بریلوی)

Marfat.com

کے نام سے کتاب پیش کی ہے۔ یہ کتاب نہ صرف حضرت شیخ کی سوانح حیات ہے بلکہ سلسلۂ چشتیہ صابریہ کی عہد حاضر تک مستند تاریخ بھی ہے، حاشیوں نے اس کتاب کی اہمیت اور افادیت میں اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔ یہ کتاب تاریخی اور تحقیقی اعتبار سے ایک دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے اور دسویں صدی ہجری کی ان تمام تحریکوں اور عوامل کو سامنے لاتی ہے جن میں حضرت شیخ نے رشد و ہدایت کی شمع روشن کی۔

آج کل مولانا اعجاز الحق قدوسی برصغیر پاک و ہند کی تاریخِ تصوّف کے مختلف گوشوں پر کام کر رہے ہیں۔

ان کی ہمت اور حوصلہ کو دیکھ کر آس بندھتی ہے کہ ابھی ہمارے معاشرے میں ایسے لوگ باقی ہیں جو نامساعد حالات کے باوجود اپنے کاموں میں منہمک ہیں، خدا انھیں عمرِ خضر عطا فرمائے ؎

خزاں کے جور سے ہر چند غار ہیں یہ لوگ
مگر امانتِ فصلِ بہار ہیں یہ لوگ

Marfat.com

۱۹۶۲ء

مسلمانوں کا نظام تعلیم

(طبع ثانی)

(تالیف :- پروفیسر سعید احمد رفیق)

فلاسفۂ یونان کی رائے میں تعلیم ایک فن ہے۔ جس کا مطمح نظر دوسرے فنون کی طرح قوم، معاشرہ اور فرد کی اصلاح و بہبود ہے۔ لیکن دیگر فنون کے مقابلے میں تعلیمی فلاح کا وسیع دامن بہت سی ذہنی اور اخلاقی نعمتوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ تعلیم کا اولین مقصد یہ ہے کہ انسانی کردار کی صحیح تشکیل کر کے فرد کو ایک مکمل اور مثالی زندگی کا اہل بنا دے۔ نیز ہر صحت مند جسم میں صحت مند دماغ کی نشو و نما کر کے پورے معاشرہ کی تزئین و تہذیب کے اسباب مہیا کرے۔ تعلیم کا صحیح نصب العین یہی ہے لیکن اس نصب العین کا حصول اس وقت قابل عمل ہو سکتا ہے جبکہ قوم کا نظام تعلیم قومی تقاضوں اور معاشرے کے ماحول و مزاج سے نہ صرف ہم آہنگ ہو بلکہ قوم و افراد کی امنگوں اور آرزؤں کی منزل تک پہنچنے کے لئے مشعل راہ کا کام دے اور بدلتا ہوا نظام تعلیم معاشرہ اور وقت کے تقاضوں کو بھی بدرجۂ اتم پورا کرے۔

تعلیم کے اغراض و مقاصد کی تشریح و توضیح کے سلسلے میں یوں تو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور ماہران تعلیم نے اس میدان میں خوب خوب دماغی جولانیاں

Marfat.com

دکھلائی ہیں جن سے بعض اوقات تعلیم کی غرض و غایت کے خطوط بجائے متعین اور واضح ہونے کے دھندلے نظر آنے لگتے ہیں۔ تاہم یہ ظاہر ہے کہ ان کا اصل مقصد یہ ہے کہ نئی نسلیں نہ صرف اپنے آباؤ اجداد اور زمانۂ ماضی کے مفید علوم و فنون اور ادب و ثقافت کو حاصل کریں بلکہ خود ان کے عہد میں جو جدید ترقیات علوم و فنون، سائنس اور صنعت و حرفت میں ہوئی ہوں ان سے بھی پورا پورا استفادہ کریں۔

اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی یہ کتاب "اسلامی نظام تعلیم" جس کا دوسرا ایڈیشن اب "مسلمانوں کا نظام تعلیم" کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے۔ مندرجۂ بالا نظریات اور تقاضوں کو بدرجہ اتم پورا کرتی ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ملک کے تعلیمی حلقوں میں مقبولیت عام حاصل کر چکا ہے۔ تعلیمی درس گاہوں، بالخصوص اساتذہ کے تربیتی اداروں میں اس کی بہت مانگ ہوئی۔ ٹریننگ کالجوں کے طلباء نے بھی اس سے استفادہ کیا اور مبصرین تعلیم نے اس کے متعلق پر زور الفاظ میں اظہار پسندیدگی فرمایا بالخصوص جب سے پاکستان میں "اسلامی تاریخ" کو اعلیٰ ثانوی تعلیم میں داخل نصاب کیا گیا ہے کتاب کی مانگ میں روز افزوں اضافہ ہو گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کے فاضل مؤلف جناب پروفیسر سعید احمد رفیق نے اس کی تدوین میں بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام لیا ہے، ہمارے مورخین نے برصغیر پاک و ہند کے دور وسطیٰ کے سیاسی کوائف کو تو پوری تشریح و وضاحت کے ساتھ قلم بند کیا۔ لیکن تہذیب و تمدن میں جو بیش بہا ترقی ہوئی

Marfat.com

اور خاص کر علوم کی ترویج واشاعت کے سلسلہ میں سلاطین وامراء نے اس عہد میں جو خدمات انجام دیں ان پر خاطر خواہ روشنی نہیں ڈالی۔ موجودہ عہد کے مورخین نے اس کمی کو محسوس کر کے قدیم ماخذوں اور دیگر ذرائع کی مدد سے حتی الامکان تلافی کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ابھی بہت کچھ کام کرنا باقی ہے کیونکہ اس عہد کے ثقافتی اور تمدنی حالات اگرچہ بہت کچھ روشنی میں آچکے ہیں پھر بھی اسلامی نظام تعلیم، ترقی تعلیم اور ترتیب نصاب اور تعلیمی اداروں کے قیام وانتظام میں جو نصب العین پیش نظر تھا وہ ہنوز پردۂ خفا میں ہے۔

ہمارے لئے یہ ممکن تھا کہ اس کتاب کو طبع ثانی کے لئے ترتیب دیتے وقت اس میں مزید مضامین اور حواشی کا اضافہ کر کے اس کو مفید تر بنانے کی کوشش کرتے لیکن کانفرنس اکیڈمی کے سامنے اسی سلسلہ کا ایک بہت اہم اور تفصیلی منصوبہ (بزبان انگریزی) "ہسٹری آف مسلم ایجوکیشن" کا ہے جس کی ترتیب وتکمیل کے کافی مراحل طے ہو چکے ہیں ابتدائے عہد تاریخ سے زمانہ حاضرہ کے تعلیمی مسائل پر پانچ پانچسو صفحات کی چار جلدوں میں یہ ایک مبسوط کتاب ہوگی جس میں اسلامی نظام تعلیم پر پوری تفصیل سے لکھا جائے گا۔ اور کوشش یہ ہے کہ اس مفید تعلیمی جائزہ کی تدوین میں...... کوئی پہلو تعلیم سے متعلق کسی نہج سے تشنہ نہ رہے اس کتاب کی خاص ضرورت عرصۂ دراز سے اس لئے محسوس ہو رہی ہے کہ بغیر سیر حاصل تاریخی پس منظر کے ہمارے ملک میں جب اور جو بھی تعلیمی اسکیم تیار ہوتی ہے وہ عمل درآمد کے وقت عام طور پر ناکام ہو جاتی ہے کیونکہ ہمارے ملک میں رہنے بسنے والوں کا ایک مخصوص کلچر، قومی مزاج، روایات اور ترقی تعلیم

Marfat.com

میں ان کی مسلسل جد وجہد اور قربانیوں کی اپنی جگہ ایک مستقل تاریخ ہے۔ جس کو نظر انداز کر کے نظام تعلیم کی تعمیر نو خاطر خواہ طریقہ پر بار آور نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح ہر ایک تعلیمی منصوبہ میں اس امر کا پورا پورا لحاظ رکھنا ناگزیر ہے کہ موجودہ سائنسی و حرفتی تقاضوں کا اس میں مکمل حل مل سکے اور ساتھ کے ساتھ نصابی تعلیم کے ذریعہ ہماری قوم کی حقیقی سیرت سازی بھی ہو سکے۔

در اصل تعلیم کوئی مقصود بالذات شئے نہیں ہے بلکہ یہ ایک وسیلہ ہے۔ قومی نصب العین کے حصول کی کوشش کا اور اپنے قومی ثقافت و تمدن اور تہذیبی ذخیرہ کو محفوظ رکھنے کا۔ تعلیم سے قوموں میں شعور پیدا ہوتا ہے، یہ نہ صرف افراد کو ایسے شعبہ ہائے فنون سے آراستہ کرتا ہے جو دنیا میں ایک باعزت زندگی بسر کرنے اور معاشرہ کا ایک باعظمت اور قابل احترام فرد بننے کے قابل بنائے۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ انسان اپنی زندگی کے مقصد اور فرائض سے بھی واقف ہو کسی قوم کی ثقافتی انفرادیت، دماغی صلاحیت اور سیرت و کردار کی پختگی تعلیم کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اس کے بغیر وہ اپنے ثقافتی تمدنی اور تہذیبی ورثہ کو، آئندہ نسلوں کے لئے صفحات تاریخ پر محفوظ کر سکتی ہے۔ جو قوم یہ سرمایہ بطور ایک امانت آئندہ نسلوں کی رشد و ہدایت اور ان کی راہنمائی کے لئے نہ چھوڑے وہ زندۂ جاوید قوموں کی صف میں جگہ پانے کا استحقاق پیدا نہیں کر سکتی تعلیم کو صرف دماغی بیداری، معلومات آفرینی اور سوسائٹی میں ایک خاص تشخص اور بلند حیثیت حاصل کرنے کے ایک موثر ذریعہ کی حیثیت تک ہی محدود نہ رکھنا چاہیئے بلکہ قومی نصب العین، معاشرتی و قومی ثقافت کی تخلیق، ترتیب و تکمیل

Marfat.com

کا ذریعہ سمجھکر اس کے اعلیٰ اصول اور مطامح نظر کے استدراک و استحصال کی پوری کوشش کرنی چاہیئے تعلیم قوم و معاشرہ کے کسی ایک محدود گوشہ پہ ہی اثر انداز نہ ہونی چاہیئے۔ بلکہ اس کے دائرہ اثر و عمل میں ترقی یافتہ قوموں کی تقابلی ہمہ جہتی عالمگیر سرگرمیاں بھی شامل ہونی چاہئیں۔ جن سے قوم کی فلاحی تعمیر مضبوط بنیادوں پر قائم ہو سکے۔

لہٰذا یہ کتاب جب آپ ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ لائق مصنف نے متذکرہ بالا مقاصد کی منّادی میں کس حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔

آخر میں رفیق محترم جناب پروفیسر محمد حامی الدین خاں صاحب ایم، اے سابق صدر شعبۂ تاریخ مہاراجہ کالج جے پور کا مجھے شکریہ ادا کرنا ہے جن کی نظر ثانی کے بعد اس کتاب کو زیور طبع سے از سر نو آراستہ کیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ طبع اول کی طرح کتاب کا یہ دوسرا ایڈیشن پہلے سے زیادہ مقبولیت حاصل کرے گا۔

Marfat.com

مخدوم جہانیاں جہاں گشت

تالیف: پروفیسر محمد ایوب قادری ایم۔ اے

کراچی میں ایک نیا ادارۂ تحقیق و تصنیف حال میں قائم ہوا ہے اس کے صدر جناب مفتی انتظام اللہ شہابی صاحب، نائب صدر پروفیسر حافظ رشید احمد ارشد ایم اے۔ معتمد عمومی جناب محمد ایوب قادری ایم اے معاون معتمد مسٹر منور اسلام صدیقی۔ خازن جناب ثناء الحق صدیقی ایم، اے ہیں۔

ارکان میں پروفیسر محمد حامی الدین خاں ایم، اے۔ توکل حسین قدوائی صاحب، نصیب اختر صاحب۔ ثناء اللہ ندوی صاحب اور عبدالرشید شیخ شامل ہیں۔

ادارہ کا مقصد تاریخ اسلام، اکابر اسلام، بالخصوص اہل باطن و صوفیا اور مبلّغین اسلام کے حالات زندگی پر ریسرچ کرنا اور ان کو کتابی شکل میں شائع کرنا ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی مسٹر محمد ایوب قادری کی تحریر کردہ کتاب "مخدوم جہانیاں جہاں گشت" ہے جس میں حضرت موصوف کے مفصّل حالات و سوانح بڑی کاوش و تحقیق سے جمع کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کا تعارف جناب مولا محمد ناظم ندوی شیخ الجامعۃ العباسیہ بہاولپور۔ دیباچہ جناب ڈاکٹر سید معین الحق۔

Marfat.com

پیش لفظ لفٹننٹ کرنل عطاء الرحیم اور مقدمہ جناب ثناء الحق صدیقی ایم۔ اے
نے تحریر فرمایا ہے۔ ثناء الحق صدیقی صاحب کے مقدمہ سے کتاب کی اہمیت اور افادیت
بڑی حسن و خوبی کے ساتھ واضح ہو جاتی ہے۔ زبان و ترتیب کی رعنائی بھی حد درجہ
لائق ستائش ہے، یہ کتاب $\frac{18 \times 22}{8}$ سائز کے تین سو چار صفحات پر مشتمل ہے۔
کاغذ، کتابت اور جلد دیدہ زیب ہے، آخر میں کتابیات اور اشاریۂ اعلام نے
کتاب کی اہمیت کو بہت کچھ بڑھا دیا ہے۔ ہم ادارہ "تحقیق و تصنیف" کو اس
قابل قدر پیش کش پر دلی مبارکباد دیتے ہیں۔ اور متوقع ہیں کہ موجودہ عہد میں
جبکہ ہر چہار جانب دین و اقدار دین سے بے اعتنائی اور اہل اللہ سے اظہار
بیگانگی عام ہوتا جارہا ہے۔ یہ ادارہ جلد از جلد دوسرے نفوس قدسیہ کے حالات
پر بھی اچھی اچھی کتابیں شائع کرے گا اور اس طرح صحیح اسلامی خطوط پر تعمیر ملّی
کی گرانقدر خدمات انجام دے گا۔ وما توفیقی الّا باللہ

Marfat.com

سنہ ۱۹۶۲ء

گلشنِ بے خار

تالیف : نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ

ترجمہ : احسان الحق فاروقی ایم، اے

غالب بہ فنِ گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او
نَنوشت در دیواں غزل تا مصطفےٰ خاں خوش نکرد
غالب

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے ادارۂ تصنیف و تالیف (اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ) کی جانب سے جون ۱۹۵۶ء سے اس وقت تک گیارہ ہزار صفحات پر مشتمل بکثرت بلند پایہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن کا برصغیر پاک و ہند کے تعلیمی و تحقیقی حلقوں میں پُر جوش خیر مقدم ہو چکا ہے۔ علمی خدمت گذاری کے اسی سلسلے کی ایک نہایت اہم کڑی عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ مظفر جنگ کی مؤلفہ شاہکار کتاب "گلشنِ بے خار" کو مع ترجمہ و حواشی ۲۰×۳۰ سائز کے مجلد ۵۵۲ صفحات پر عمدہ کاغذ و کتابت اور دیدہ زیب گرد پوش کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ نواب مرحوم کے اخلاف نے جو عظیم احسانات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ایجوکیشنل کانفرنس اور سر سید گرلس کالج پر کیے ہیں ان کی بناء پر کتاب کو جناب غلام احمد صاحب مدنی سابق کمشنر کراچی کے نام نامی پر معنون کیا گیا ہے بارہ روپے

Marfat.com

قیمت ہے۔

صاحب کتاب نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مرحوم اپنی بے نظیر علمی قابلیت اور ادب نوازی کی بدولت برصغیر پاک وہند کے علمی حلقوں میں تقریباً ایک صدی سے مشہور و معروف رہے ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ آپ علمی استعداد اور باطنی خوبیوں کے اعتبار سے اپنے ہمعصروں میں جن میں مومن، غالب، صدرالدین خاں آزردہ، ذوق، مولانا فضل الحق خیرآبادی اور مولوی امام بخش صہبائیؔ جیسے مشاہیر اجل شامل تھے، فرد فرید تھے بقول سرسید مرحوم آپ

"نبض شناس سخن داں، نکتہ سنج و نکتہ داں۔ اخلاق و خصائل میں مہبطِ انوارِ سعادت اور حاتم کرم اور اسی طرح علمی قابلیت میں بدرو ماہ تاباں، تقویٰ و طہارت اور خدا پرستی میں زاہدِ شب زندہ دار تھے"

ان کے والد بزرگوار نواب مرتضیٰ خاں بہادر عہد شہنشاہ فرخ سیر میں افغانستان سے وارد ہند ہوئے۔ غضنفر جنگ نواب محمد خاں بنگش والی فرخ آباد کے ہم جد تھے۔ مہاراجہ ہلکر، نواب امیر خاں والی ٹونک اور بعد ازاں لارڈ لیک کے ساتھ بڑے بڑے معرکے سر کئے جس کے صلہ میں ان کو تین لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کی جاگیر عطا ہوئی اور علاقہ جہانگیر آباد انھوں نے اپنے خلف الرشید نواب مصطفیٰ خاں کے نام خود خرید کیا۔

شیفتہ نہ صرف مسند آرائے علم وادب تھے بلکہ انھوں نے ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ جس کی پاداش میں سات سال

Marfat.com

تک قید فرنگ کی تکالیف برداشت کیں اور ان کے وظائف سرکاری اور نصف حصہ جائداد ضبط ہوا۔ نواب شیفتہ ۱۸۶۹ء تک بقیدِ حیات رہے۔ سرسید کی تحریک سے آپ کو قریبی وابستگی تھی اور انھوں نے سرسید کو حالی جیسا انمول رتن دیا۔ نواب مصطفےٰ خاں حسرتی و شیفتہ تخلّص کرتے تھے، انھوں نے تہذیب شعر اُردو کی ایک نئی عمارت قائم کی جو نہ صرف فارسی کی ہم سطح ہو گئی۔ بلکہ بعض باکمالوں کے ہاتھوں زیادہ بلندی پر پہنچ گئی۔ شیفتہ کی یہ خدمت ہماری ادبی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، ان کا مجموعۂ کلام اُردو اور تذکرہ "گلشن بے خار" وغیرہ ان کے ایجاد کردہ اسلوبِ نگارش کا بہترین ثبوت ہیں۔

"گلشن بے خار" آج بھی شعرائے اُردو کے تذکرہ نگاروں کے لئے ناگزیر سمجھی جاتی ہے اس کتاب نے سب سے پہلے ادب میں صحیح اصول تنقید و تبصرہ کی داغ بیل ڈالی۔ چونکہ موجودہ نظامِ درس و تدریس میں فن تنقید ایک ضروری جزو ہے اور اُردو ادب کو سمجھنے اور اس سے شغف پیدا کرنے کے لئے اس فن سے دلچسپی اور واقفیت نہایت ضروری ہے۔ اس لئے آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس نے اس کتاب کا جو یونیورسٹی کی اعلیٰ جماعتوں کے نصاب میں داخل ہو چکی ہے اُردو ترجمہ شائع کیا تاکہ بہی خواہانِ اُردو ادب کو اس سے استفادہ کرنے میں کوئی دقت نہ ہو در حقیقت اس کے ایک مستند، بامحاورہ اور ٹکسالی اُردو زبان میں ترجمہ کی ضرورت ادبی حلقوں میں عرصۂ دراز سے شدت کے ساتھ محسوس کی جا رہی تھی۔

یہ حسن اتفاق ہے اور اُردو کے لئے فال نیک بھی کہ نواب صاحب

Marfat.com

جیسے متبحر عالم ۔ سخن سنج اور صاحب طرز انشاء پرداز کی اس تخلیق فائقہ کو اردو جامہ پہنانے کا کام ایک ایسے قابل قدر دوست نے اپنے ہات میں لیا جو خود بھی فارسی اور اردو میں دستگاہ رکھنے کے ساتھ ساتھ شعر و سخن کے ستھرے مذاق سے متصف ہیں۔

مترجم کتاب ہذا جناب احسان الحق فاروقی ایم، اے (منشی فاضل) سے ہیں کچھ عرصہ قبل متعارف ہوا اور پہلی ہی ملاقات میں آپ کی دل کش شخصیت سے کافی متاثر ہوا۔ فاروقی صاحب مشہور و معروف فقیہ سلطان التارکین حضرت صوفی حمید الدین ناگوری کی اولاد میں ہیں، آپ کی پیدائش ۱۹۱۵ء میں بھارت کے مشہور شہر جے پور کے علاقہ جھنجھنوں میں ہوئی۔ یہ مقام مدتوں قائم خانی نوابوں کا دارالحکومت رہنے کی وجہ سے اسلامی معاشرت و تہذیب کا مرکز اور عالی مرتبت صوفیاء و صاحب باطن بزرگوں کا مرکز رہا ہے۔ آج بھی وہ لوگ وہاں محو استراحت ہیں۔ اور ان کے مزارات و خانقاہیں مرجع خلائق ہیں۔ فاروقی صاحب کم سنی ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہو گئے اس لئے انکی ابتدائی تعلیم ان کے جد امجد مولوی محمد رمضان صاحب کے زیر نگرانی ہوئی جو اپنے وقت کے جید عالم اور صاحب تصنیف تھے، لیکن وہ بھی آپ کو نو سال کا چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس کے بعد آپ اپنے چچا حضرت فخر الدین کے پاس جے پور تشریف لے آئے اور وہیں رہ کر .... آپ نے انگریزی اور اردو کی تعلیم حاصل کی جس سے فارغ ہونے کے بعد ریاست کے محکمۂ زراعت میں ملازمت اختیار کرلی لیکن تعلیم کا شوق برابر جاری رہا،

Marfat.com

اور اُردو فارسی کی اعلیٰ قابلیت کے امتحانات کی اسناد آپ نے زمانۂ ملازمت ہی میں حاصل کیں۔

شہرِ جے پور ۱۸۵۷ء سے مسلمان شرفا اور اہل ہنر کا ایک اہم مرکزی مقام رہا ہے دہلی۔ لکھنؤ اور روہیلکھنڈ کے بہت سے باکمال مسند نشین علم وفضل اور صاحبانِ سیف وقلم نے راجستھان کی طرف توجہ کی جے پور کے حکمرانوں کا چونکہ سلاطین مغلیہ سے قریبی تعلق رہا تھا اور ریاست کی بقا وترقی ان کی بے مثل رواداری اور رعایا پروری کی مرہونِ منت تھی اس لئے دیگر راجپوت ریاستوں کے مقابلے میں جے پور نے دہلی کی عظمتِ رفتہ کے ان جیتے جاگتے پیکروں کو زیادہ فراخدلی سے ہاتھوں ہاتھ لیا، مہاراجگان اور روساء نے ان کی خاطر خواہ قدر افزائی کی، جاگیریں عطا کیں بیش قرار مشاہرے اور روزینے مقرر کئے یہاں تک کہ بہت سے مسلمانوں کو اپنے مشیروں اور مصاحبوں میں جگہ دی' ان نوواردِ مسلمانوں نے بھی حق وفاداری ادا کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی، نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو مسلمانوں کی مشترکہ کوشش سے جہاں ایک طرف ریاست کی تشکیلِ نو اور اندرونی استحکام اور وقار کی بحالی کا مشکل کام بحسن وخوبی انجام پایا وہیں علوم وفنون کی ترقی اور صنعت وحرفت کی ترویج کے ساتھ ساتھ مشرقی اور اسلامی تمدن وثقافت نے بھی فروغ پایا۔ کالج واسکولوں کے جدید تعلیمیافتہ طلباء اور نوجوانوں میں (بشمول ہندو مسلم) اُردو شعر وادب سے اُنس پیدا کرنے میں جن لوگوں نے کام کیا ان میں مولوی محمد امیرالدین خاں اور پروفیسر حامی الدین خاں حال ڈپٹی ڈائرکٹر کانفرنس اکیڈیمی کے ساتھ ساتھ فاروقی

Marfat.com

صاحب نے بھی حصّہ لیا۔ یوم نظیر، یوم اقبال اور لٹریری کارپوریشن کے قیام میں ان صاحبوں نے بڑا حصّہ لیا۔ شاعری میں فاروقی صاحب کو اُستادِ سخن مولانا منظور احمد کوثر مرحوم کاکوروی سے شرف تلمّذ حاصل ہے۔

۱۹۴۷ء میں آپ پاکستان منتقل ہو گئے اور کچھ عرصہ بعد محکمہ ترقیات بلدیہ کراچی (کے۔ ڈی۔ اے) سے وابستہ ہو گئے اور ابتک اُسی میں ہیں۔

فاروقی صاحب نے "گلشنِ بے خار" کا اردو ترجمہ کر کے علم و ادب کے سرمایہ میں گرانقدر اضافہ کیا ہے۔ ہمیں اس کتاب کو اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی مطبوعات میں شامل کر کے دلی مسرت ہے۔ ترجمہ شستہ، رواں اور ... بامحاورہ ہے۔

فاروقی صاحب کی طرح دوسرے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو بھی دوسری زبانوں بالخصوص فارسی کی بیش بہا کتابوں کے ترجمے کر کے اُردو کے ادبی سرمایہ میں اضافہ کرنا چاہیئے۔ ہماری قومی و عوامی زبان کو فارسی سے بہت کچھ لینا ہے۔ علمی اصطلاحات کے وضع کرنے میں فارسی سے استفادہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ فارسی کی تحصیل کی طرف اب بہت کم توجہ دی جارہی ہے اس لئے بھی یہ لبسا ضروری ہے کہ فارسی کلاسیکی ادب کو اُردو میں بہترین طریقے پر منتقل کیا جائے

آخر میں ملک کے علمی ادبی اور تعلیمی اداروں نیز صاحبان علم وتحقیق سے توقع ہے کہ وہ ازراہ معارف پروری کتاب کی خاطر خواہ قدردانی کر کے ہمیں ممنون و مفتخر فرمائیں گے۔

طالب لعل و گہر نیست وگرنہ خورشید   ہمچناں در عمل معدن و کانست کہ بود

(حافظ)

Marfat.com

علمائے سلف و نابینا علما

تصنیف: مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی (نواب صدر یار جنگ)

تعارف : علامہ سید سلیمان ندوی

تعلیقات و حواشی: مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی و ثناء الحق صدیقی ایم، اے،

مولانا حسرت موہانی کا مشہور شعر ہے ؎

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظمِ حسرت میں کچھ مزا نہ رہا

جس طرح حسرت کو ابوالکلام کی نثر دیکھنے کے بعد کسی کی نظم، حتیٰ کہ خود اپنی نظم میں، جو مسلّمہ طور پر بہت اونچی تھی کوئی مزا باقی نہ رہا۔ اسی طرح میرے لئے اپنی زندگی میں حسرت شروانی (نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی) کو ۱۹۳۵ء تا ۱۹۵۰ء پندرہ سال قریب سے دیکھنے اور برتنے کے بعد کسی دوسری عظیم شخصیت میں کوئی جاذبیت باقی نہ رہی۔ میرا کاروبارِ حیات کچھ اس قسم کا ہے کہ عرفِ عام میں چھوٹے سے چھوٹے آدمی سے لے کر بڑے سے بڑے شخص سے میرا واسطہ رہا ہے مگر ؎

دلم بہ ساغر و مینا نمی کشد حسرت
کہ بُردہ نرگسِ مستانہ ز خود مارا

Marfat.com

نواب صاحب جیسا ذی علم اور ساتھ ہی عالی ظرف انسان دیکھنے میں نہ آیا۔ مرحوم کے انتقال کو سال پر سال بیت رہے ہیں اور اگرچہ ہر سانس میں اُن کی یاد دل کو ستاتی ہے لیکن افسوس ہے کہ ان کے شایانِ شان اُن پر کچھ لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ سچ ہے انسانی فطرت کی یہ کمزوری ہے کہ وہ اپنے محسنوں سے ہی عملاً لاپرواہ رہتا ہے۔

نواب صاحب کے انتقال کے بعد ہی سے ارادہ تھا کہ ان کے لاتعداد احسانات کے حقیر بدل کے طور پر اُن کی روح پاک کو خود ان کی پسند کا کوئی تحفہ پیش کیا جائے۔ سب سے زیادہ مرحوم کتاب کے عاشق تھے چنانچہ جون ۱۹۳۵ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی خدمت گذاری کے سلسلہ میں جب میں پہلی بار ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو "سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا ست" کی گرفت سے بچنے کے لئے میں نے طاہر وحید کا قلمی دیوان نذر گذرانا، اور مجھے وہ مسرت و شادمانی آج تک یاد ہے جو اس ہدیۂ محقر کو قبول کرتے وقت انکے چہرے سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر ہو رہی تھی۔ اسی طرح ان کے آخری ایام حیات میں جب ان کا جسم گھُل کر تارِ عنکبوت ہو گیا تھا۔ ثقل سماعت اور نسیان انتہا کو پہونچ گیا تھا۔ دنیا کے رنج و راحت سے بے نیاز ہمہ وقت صرف اپنے معبودِ حقیقی سے جا ملنے کی آرزو ان پر غالب تھی۔ میں نے ان کا مجموعۂ فارسی کلام "بوستانِ حسرت شروانی" خاص الخاص اہتمام سے طبع کرا کر خدمت گرامی میں پیش کیا تو لیٹے سے اُٹھ کر بیٹھ گئے اور ہمہ تن محو ہو کر جب تک کتاب کا ایک ایک ورق اُلٹ پلٹ کر نہ دیکھ لیا دوسری جانب نگاہ غلط انداز تک نہ ڈالی۔ راقم

Marfat.com

کے لکھے ہوئے مقدمہ کی پہلے ہی "خوش گفتی و دُرسفتی" کے مرصّع و مذہّب الفاظ میں داد دے چکے تھے۔

الغرض ! غرض یہ کرنا تھا کہ نواب صدر یار جنگ بہادر کا حق ذرہ نوازی و معارف پروری ادا کرنے کی ایک ہی صورت سمجھ میں آئی کہ ان کی علمی یادگار کو اُجاگر کیا جائے۔

نواب صاحب کی علمی یادگاروں میں ایک یادگار تو ان کا مشہور زمانہ کتاب خانہ حبیب گنج ہے جو علیگڈھ مسلم یونیورسٹی لائبریری کی جدید عظیم الشان عمارت میں منتقل ہو کر حیات جاوید پا گیا۔ اور دوسرے قریب ایک درجن بلند پایہ تصانیف ہیں، ان تصانیف میں جہاں تک راقم کی ناچیز رائے کا تعلق ہے "علمائے سلف اور نابینا علماء"، بہترین ہے۔ لہذا طے کیا گیا کہ اگرچہ اس کے بہت کافی ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں تاہم اس کو ازسرنو چھاپا جائے اور انتظام یہ کیا جائے کہ سلفِ صالحین میں سے جس عالم کے ذکر میں نواب صاحب نے دوسرے علماء و مشاہیر یا ممالک و بلاد کا ذکر کیا ہے ان پر توضیحات و تعلیقات کا اضافہ کر کے چراغ سے چراغ روشن کیا جائے۔ بلکہ پورا چراغاں کر دیا جائے۔

اس اہم کام کی بحُسن وخوبی بجا آوری کے لئے ایک ایسے بزرگ کی تلاش کی گئی جو اہلیتِ کار کے اعتبار سے ہر طرح موزوں ہونے کے علاوہ نواب صاحب کی ذاتِ ستودہ صفات سے تعارف و واقفیت قریبی بھی رکھتا ہو، چنانچہ جناب مفتی محمد انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی کا انتخاب عمل میں آیا۔ مفتی صاحب سے نواب صاحب بھی بہت محبت کرتے تھے ایک مرتبہ راقم اور مفتی صاحب حبیب گنج

Marfat.com

چند روز قیام کرنے کے بعد رخصت ہونے لگے تو موصوف نے درج ذیل شعر ایک پرچہ پر لکھکر ہم لوگوں کو مرحمت فرمایا ؎

کرم کردند الطاف و شہابی
ز لطفِ نور شد روشن روانم

جناب مفتی صاحب نے بھی اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی فرمائش پر علمائے سلف کی توضیحات و تعلیقات قلمبند کرنے اور کتاب پر ۳۷ صفحات کا ایک مبسوط و محققانہ مقدمہ لکھنے میں پورا پورا حق ارادت ادا کر دیا۔

اس اہم کام کی کامیاب انجام دہی میں جناب مفتی صاحب کے رفیق کار مسٹر ثناء الحق صدیقی ایم اے۔ بی ٹی لائق تحسین و ستائش ہیں کہ ان کی بالغ نظری اور امداد خاص کی بدولت کتاب کی افادیت میں چار چاند لگ گئے۔

اللہ سے دعا ہے کہ یہ قیمتی کتاب اپنے نئے روپ میں طبع ہو کر ملت اسلامیہ میں شغف علمی کی ایک تازہ روح پیدا کرنے کی موجب ہو اور بقول مصنف علام ؎

رہ روان شوق از ما سالہا آرند یاد
نقش ہا انگیخت در راہِ محبت گام ما

Marfat.com

حیاتِ حافظ رحمت خاں

(دیباچہ طبع ثانی)

باز ایں اوراق را شیرازہ کن
باز آئینِ محبت تازہ کن

"حیاتِ حافظ رحمت خاں" کی تالیف کا کام ۱۹۳۳ء میں ختم ہوا اور وہ اوائل ۱۹۳۴ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ علمی اور تحقیقی کتابوں کی ابنائے زمانہ کے ہاتھوں ناقدری ایک ضرب المثل بن گئی ہے۔ لیکن اس کتاب کا خلافِ توقع پرجوش خیر مقدم ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ مؤقر اخبارات اور رسائل نے اعلیٰ درجہ کے تبصرے لکھے اور مشاہیرِ اہلِ علم نے اس کی تعریف و توصیف میں بکثرت خطوط تحریر فرمائے۔ ان مشاہیر میں نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی۔ علامہ سید سلیمان ندوی ڈاکٹر مولوی عبدالحق، مولانا ظفر علی خاں۔ نواب سر محمد اکبر خاں (ہوتی۔ مردان) پرنس غازی الدین خاں (چترال) اور ڈاکٹر سید محمود صاحب کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

کتاب کیوں مقبول و مشہور ہوئی؟ یہ میرے لئے آج تک معمہ ہے میں

Marfat.com

نے اسے مؤرخ، محقق اور ادیب بننے کے لئے نہیں لکھا۔ ایک عصری تقاضہ کو پورا کرنا البتہ میرے پیشِ نظر ضرور تھا۔ ۳۲-۱۹۳۱ء میں برصغیر پاک و ہند کی تحریک آزادی شباب پر تھی جن میں ہندو برادران وطن اپنی غالب اکثریت دولت و ثروت اور دفتری بالادستی کے باعث پیش پیش نظر آرہے تھے۔ اور مُسلم زعماء ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی بلکہ اس سے بھی پہلے حضرت سیّد احمد شہید کے زمانے سے بے پناہ قربانیاں دینے کے باوجود کسی شمار و قطار میں نہ تھے مسلم عوام بھی شدید کس مپرسی اور احساس کمتری کا شکار تھے مسلمانان ہند کے عظیم الشان تاریخی کارنامے اور مسلم جانبازوں کی بے مثل کارکردگیوں کو عالم فراموشی میں ڈال دیا گیا تھا...... اس کے برعکس۔۔ رانا پرتاپ سنگھ، شیواجی، گرو گوبند اور بندا بیراگی وغیرہم کو قومی ہیرو بنا کر خوب خوب اچھالا جا رہا تھا مہاراشٹر کے علاقہ میں تو یہ حال تھا کہ شیواجی کی تصویریں گھر گھر اور دوکان دوکان آویزاں تھیں جنکو دیکھ کر ہر ہندو نوجوان اس جیسا بننے کی کوشش کر رہا تھا مسلم قوم اور اس کے نوجوانوں کے سامنے ایسا کوئی مقامی ہیرو نہ تھا جس کی شخصیت اور کردار ان میں جوشِ عمل پیدا کرنے میں معاون و مددگار ہو۔

شمالی ہند میں راقم کو اور جنوبی ہند میں مولوی محمود بنگلوری کو اس صورتِ حال کا بیک وقت توارد خیال ہوا۔ میں نے حافظ الملک حافظ رحمت خاں شہید کی شخصیت کو مرکز توجہ بنایا اور محمود بنگلوری نے اپنی معرکتہ الآرا کتاب "سلطنت خداداد میسور" لکھ کر حیدر علی اور ٹیپو سلطان شہید کے مجاہدانہ کارناموں کو اُجاگر کیا۔ دونوں کتابیں قریب قریب بیک وقت شائع ہوئیں

Marfat.com

اور ان پر ایک ساتھ اخبارات و رسائل میں تبصرے شائع ہوئے

روہیلوں اور ان کے جانباز سردار۔ حافظ رحمت خاں۔ نواب نجیب الدولہ اور نواب دوندے خاں وغیرہ کا شمار مرہٹوں۔ جاٹوں اور سکھوں کے مانند غاصبوں اور سرکشوں کی صف میں تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ حیاتِ حافظ رحمت خاں کی اشاعت کے بعد سے یہ نظریہ یکسر تبدیل ہو گیا۔ اور اٹھارویں صدی عیسوی کے تاریخی حالات لکھنے والا اب کوئی مورخ یا مضمون نگار ایسا نہیں ہے جو ان کو عزت و احترام کا درجہ نہ دیتا ہو۔ حیاتِ حافظ رحمت خاں کے حوالے اور اقتباسات بھی ہر جگہ دیئے جاتے ہیں۔

اس یادگار خدمت کے سلسلہ میں آغاز کار اس طرح ہوا کہ سنہ ۱۹۳۰ء میں علیگڈھ میں ایل ایل بی کے امتحان میں ناکام ہو کر جب میں اپنے وطن بریلی واپس آیا اور بوجوہ خانہ نشینی پر مجبور ہوا تو اسی زمانہ میں ایک روز حافظ الملک کے مقبرہ پر جانے کا مجھے خیال آیا۔ فاتحہ خوانی کے بعد کافی دیر میں وہاں بیٹھا رہا۔ میرے دل و دماغ کے نہاں خانہ میں حافظ الملک کے عروج و زوال کے جو واقعات خوابیدہ تھے گنبد مزار اور گرد و پیش کے دوسرے شکستہ تاریخی آثار نیز ماحول کی ویرانی سے بیدار ہو گئے۔ پھر خود بخود دل میں تحریک پیدا ہوئی کہ اس مجاہد اعظم اور بطلِ حریت کے سچے حالاتِ زندگی سے دنیا کو روشناس کرانا چاہیئے اور اس شہیدِ راہ حق کی گرانمایہ شخصیت پر ڈیڑھ سو سال سے غلط فہمیوں کا جو پردہ پڑا ہوا ہے اس کو اب چاک ہونا چاہیئے۔

اس وقت میرے سراپا پر ایک عجیب قسم کے خشوع و خضوع کی سی کیفیت

Marfat.com

طاری تھی۔ گھر لوٹ کر آیا تو اسی روز سے میں انتہائی جوش و انہماک کے ساتھ مطبوعہ اور قلمی کتب۔ نوشتہ جات۔ فرامین اور یادداشتوں وغیرہ کی فراہمی میں لگ گیا۔ اس زمانہ میں میرے مکان کے قریب ہی حافظ الملک کے اہل خاندان کا ایک پورا محلہ گلی نوابان نامی، موجود و معمور تھا جس میں ایسے بزرگوں کا اجتماع تھا جو قدیم روایات تہذیب و معاشرت اور نسبی خصوصیات کے حامل تھے۔ اسی طرح شہر کے مغرب و مشرق کے دوسرے محلوں میں اس عظیم المرتبت خانوادے کے کافی لوگ رونق دہِ حیات تھے خصوصیت سے بزریہ صندل خاں کے ستر سالہ بوڑھے نواب نثار احمد خاں سے جب میں ملا اور ان سے اپنے عزم و ارادے کا ذکر کیا تو وہ بہت خوش ہوئے انہوں نے اپنا یہ معمول بنا لیا کہ روزانہ سہ پہر کو قریب دو میل پیدل چلکر میرے غریب خانہ پر تشریف لاتے اور ایک دن میں جس قدر مواد فراہم ہوتا یا جتنا کچھ میں لکھ لیتا اس کو ملاحظہ فرماتے مقصد یہ تھا کہ میں کسی دن بھی کام کا ناغہ نہ کروں۔ مجھے فکر رہتی کہ نواب صاحب جیسے بزرگ کافی زحمت اُٹھا کر تشریف لاتے ہوں گے۔ مایوس واپس نہ جائیں۔ کچھ نہ کچھ کام اُنھیں دکھانے کے لئے ضرور کر لیا جائے۔

ایک دوسرے بزرگ مولوی محمد عظیم الشان خاں تھے جنکی بے لوث محبت کو میں کبھی فراموش نہ کر سکوں گا میری فارسی دانی محدود تھی اور فارسی کے قلمی مسودات اور کتابوں کی مُقفّٰی اور مسجع عبارتوں پر قابو پانا نہ صرف یہ کہ میرے لئے آسان کام نہ تھا بلکہ میں ان کی الجھنوں سے اُکتا کر بار بار حیات حافظ رحمت خاں کی تالیف سے دست بردار ہونے کا ارادہ کر لیتا تھا لیکن

Marfat.com

خاں صاحب موصوف نے میری ہمت بندھائے رکھی، شام کے چار بجے سے پانچ چھ بجے تک میں روزانہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور وہ خالصتاً لوجہ اللہ تین سال تک مسلسل فارسی سے متعلق جو جو مشکلات ہوتی تھیں ان کو حل کرنے میں امداد فرمایا کرتے تھے۔

میری بیگم سیدہ انیس فاطمہ اور میرے والد محترم سید اسحاق علی صاحب مرحوم کا استقلال و ایثار بھی بے مثل تھا ان لوگوں نے اس علمی و قومی خدمت کے سلسلہ میں شب و روز کی مصروفیت کو نہ صرف خوشدلی کے ساتھ انگیز کیا بلکہ تین سال کے طویل عرصہ میں مجھ پر ایک دفعہ بھی تقاضہ نہ کیا کہ میں اُسے ترک کر کے کچھ ذریعہ روزگار کی بھی فکر کروں، درانحالیکہ میں صاحب اولاد تھا اور ہمارا خاندان ان دنوں سخت معاشی بحران میں مبتلا تھا۔

بالآخر وہ وقت آیا کہ قلم کا مسافر اپنا دشوار گزار سفر طے کر کے منزل مقصود پر پہونچا اور ایک روز شام کو قبل مغرب "تمت بالخیر" ضبط تحریر میں لانے کی نوبت آگئی۔ اس وقت بجائے خوشی کے مجھ پر ایک دوسرا خوف و ہراس طاری ہوا کہ بارالہا! کتاب لکھنے کو تو لکھی گئی اس کے چھپنے کی کیا صورت ہوگی۔ میں نے اپنی میز کی دراز میں مسودہ کو بند کرتے ہوئے بڑی حسرت و یاس سے یہ خیال کیا کہ اب اس کو شاید ہی دوبارہ نکلنے کی نوبت آئے گی اور جس طرح ہزارہا مصنفین اور مولفین کی مدت العمر کی کاوشیں قلمی کتابوں کی شکل میں پنساری کی دوکان پر نسیاً منسیاً ہو جاتی ہیں اور نئی یا پرانی کتابوں کے ارزاں

Marfat.com

فروش تاجروں کے ذریعہ امراء کے نجی یا پبلک کتاب خانوں کی زینت بنی پڑی رہتی ہیں تا آنکہ امتداد زمانہ سے کرم خوردہ ہو کر ان کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ میری کتاب کا بھی یہی انجام ہو؟ بہر حال تن بہ تقدیر کپڑے پہن کر اور سائیکل سنبھال کر ہوا خوری کے خیال سے باہر نکلا۔ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک کرم فرما سیّد حضوری میاں جن سے برسوں سے ملاقات نہ ہوئی تھی مجھے زور زور سے آواز دے رہے ہیں میں رک گیا تو قریب آ کر انہوں نے فرمایا "ارے بھائی سیّد! کہاں جا رہے ہو"؟ ہم نے سنا ہے کہ تم نے حافظ رحمتؒ خاں کی بہت اچھی لائف لکھی ہے تو سنو! ان کے خاندان کے ایک فرزند صاحبزادہ عبدالواجد خاں ابھی حال ہی میں ریاست بھوپال سے بریلی آئے ہیں۔ ان سے ذکر آیا تھا اور وہ آپ سے ملنے کے بہت مشتاق ہیں۔ آپ ابھی میرے ساتھ کتاب لے کر چلئے۔ میں نے بہت کچھ عذر کیا کہ میرا جانا بے نتیجہ ہوگا کیونکہ میری ان سے کوئی سابقہ شناسائی نہیں ہے لیکن حضوری میاں جو دوست نوازی میں جنات کی سی خصوصیات رکھتے تھے زبردستی اپنے ہمراہ لے گئے۔ اور جناب صاحبزادہ صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا۔ صاحبزادہ صاحب ایک شکیل و وجیہہ اور خلیق آدمی ثابت ہوئے۔ انہوں نے مجھے عزت و تکریم کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مسودہ کتاب مجھ سے لیکر اس کی ورق گردانی کی اور فرمایا کہ اس کو دو تین روز کے لئے میرے پاس چھوڑ دیجئے تاکہ ذرا تفصیل سے اس کا مطالعہ کر لوں، میں نے گھبرا کر کہا کہ جناب یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ کتاب میری جان ہے۔ اور میں اس کو کسی کے بھی،

Marfat.com

حوالے نہیں کر سکتا" اس پر وہ مسکرائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی خوابگاہ میں لیگئے وہاں ایک بکس کھول کر فرمایا کہ اس میں کتاب کو رکھ دیجئے پرسوں اسی جگہ آپ کو محفوظ حالت میں ملے گی۔ ان کے کہنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ میں بے بس ہو گیا۔ اور بادل ناخواستہ کتاب چھوڑ کر واپس آگیا۔ دو شب و روز ایسی بے چینی میں گزرے کہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے۔ تیسرے روز میں بے تابانہ وقت مقررہ پر صاجزادہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور بدحواسی سے عرض کیا کہ میری کتاب واپس کر دیجئے۔

اس دفعہ صاجزادہ صاحب میری عجیب و غریب وحشت پر کھلکھلا کر ہنسے اور مثل سابق میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی خوابگاہ میں لے گئے اور اس بکس کو جس میں کتاب رکھی ہوئی تھی کھول کر فرمایا "لیجئے! یہ رہی آپ کی کتاب" میں نے بیتابانہ کتاب اٹھا کر اپنے قبضہ میں کی اور کہا :۔ "آپ کا بہت بہت، شکریہ! اب مجھے جانے کی اجازت دیجئے" ، دراصل اپنے واہمے کی بنا پر میں اس وقت کتاب کی طباعت کے مسئلہ کو بالکل بھول چکا تھا۔ اور اس کو دوبارہ حاصل کرنے ہی کو اپنی بڑی خوش قسمتی سمجھ رہا تھا۔ صاجزادہ صاحب بہت ہمدرد اور ماہر نفسیات انسان تھے۔ انھوں نے فرمایا "میں آپ کی کسی بات کا برا نہیں مان رہا ہوں، مجھے ایک عرصہ سے خیال تھا کہ اپنے مورث اعلیٰ حافظ الملک حافظ رحمت خاں کی سوانح حیات خود لکھوں لیکن آپ نے ویسی ہی کتاب لکھدی جیسی کہ میں چاہتا تھا۔ اب ہونا یہ چاہیئے کہ آپ نے تو کتاب لکھدی اور میں اس کو چھپوا دوں، کتاب بہت عمدہ طبع ہونی

چاہیئے"

مجھے اپنی قومی زندگی میں صاحب ثروت اصحاب کے مواعید کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا اس لئے میں نے صاجزادہ صاحب کی مہربانی کا شکریہ تو ادا کردیا لیکن مکان واپس آکر پھر ان کی کافی عرصہ تک خبر نہ لی۔ ایک روز اتفاقاً بازار میں مڈبھیڑ ہوگئی مجھے دیکھکر فوراً تانگہ سے اُتر آئے اور سلام و دعاء کے بعد میرا ہاتھ پکڑ کر کتب خانہ کے پارک میں لے گئے جہاں ایک بنچ پر بیٹھکر فرمانے لگے "آپ تشریف نہیں لائے"؟ میں نے عرض کیا "دو بار تو حاضر خدمت ہو چکا ہوں مزید حاضری کی توفیق نہ ہوئی"، اس پر موصوف نے خوش دلی سے فرمایا :-

"آپ جتنے اچھے مصنف ہیں اتنی ہی اچھی باتیں بھی کرتے ہیں۔ دیکھئے میں نے دروغ گوئی سے کام نہیں لیا ہے مجھکو واقعی کتاب کو بہت شان دار طریقہ پر چھپوانے کا جذبہ ہے۔ آپ بلا تاخیر اس کی طباعت کا تخمینہ بنوائیے جس قدر روپیہ کی ضرورت ہوگی میں آپ کو پیش کروں گا"، اس دفعہ میرے دل پر صاجزادہ صاحب کے خلوص کا گہرا اثر ہوا اور میں اسی روز بدایوں چلا گیا وہاں پہونچکر مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی بدایونی کو جنکی شفقت بزرگانہ کا میں عرصہ سے مورد تھا ساری داستان سنائی اور انھوں نے اپنے صاجزادہ مسٹر احید الدین منیجر نظامی پریس سے نفیس کاغذ۔ کتابت اور جلد بندی وغیرہ کا تخمینہ بنوا کر میرے حوالہ کر دیا۔ جو اس سستے سمے میں ایکہزار روپیہ کا ہوا۔ اس زمانہ میں ایک ہزار کی قیمت اس وقت کے کم از کم

Marfat.com

دس ہزار روپے کے برابر تھی۔ اس لئے مجھے تشویش ہوئی کہ اتنا بڑا تحفۂ مصارف صاحبزادہ صاحب کے لئے قابل قبول بھی ہوگا یا نہیں۔ بہرحال نین بہ تقدیر بریلی واپس آکر اسے موصوف کی خدمت میں پیش کیا، اور میری خوشی کی حد نہ رہی کہ صاحبزادہ صاحب نے اسکو نہ صرف بہ طیب خاطر منظور فرمایا بلکہ موعودہ رقم کا چیک بھی لکھکر میرے حوالے کردیا چیک لیکر میں سوچنے لگا کہ اس بدذوق زمانے میں اگر کسی شخص کی خود اس کی اپنی سوانح عمری بھی لکھدی جائے تو وہ اتنے روپے صرف نہ کرے گا کجا یہ کہ زمانۂ ورانہ کے اس دنیا سے گذرے ہوئے اپنے مورث کی سوانح حیات کے لئے یہ خدا کا نیک بندہ اس قدر روپیہ دے رہا ہے۔ میرا وہم اس درجہ پر پہونچ چکا تھا کہ جب تک دوسرے روز چیک کی رقم بنک سے نقدی کی شکل میں ہاتھ میں نہ آگئی میں برابر اعتبار اور بے اعتباری کی کشمکش میں مبتلا رہا۔ یادش بخیر! اپنی زندگی میں یہ پہلا ہی چیک بھی تھا جو کسی نے مجھے دیا تھا اور اس کی بدولت میں نے کسی بنک کے اندر قدم رکھا تھا۔

پہلا مرحلہ اچھی کتابت کا تھا سو اس کے لئے اس زمانہ میں منشی فیض الحسن المخاطب "بدر رقم" کا اضلاع بریلی و روہیلکھنڈ میں بہت شہرہ تھا۔ انکی نازک دماغی اور طبیعت کے کھرے پن کی بھی بہت سی کہانیاں مشہور تھیں تاہم میں ہمت کرکے منشی صاحب کے مکان واقع محلہ خواجہ قطب بریلی پہونچا۔ کنڈی کھٹکھٹائی تو ایک چیچک اور سیاہ فام شخص نمودار ہوا اور اس نے میرے سلام

Marfat.com

کی پرواہ کئے بغیر بڑی تلخی سے پوچھا "کہئے کیا ہے"؟ میں نے کہا آپ سے کتاب لکھوانی ہے۔ بولے "مجھے فرصت نہیں" میں نے کہا بہتر ہے کم ازکم پانی تو پلا دیجئے اور ممکن ہو تو تمبا کو کا ایک پان بھی کھلا دیجئے۔ چمک کر بولے "خوب! بہت خوب!" زور سے کنواڑ بند کر کے مکان کے اندر گئے اور تھوڑی دیر میں ایک کٹورے میں پانی اور بنا ہوا پان کا ٹکڑا ہاتھ میں لیکر واپس آئے ہیں اس دوران میں ان کے دروازے کی دہلیز پر بڑے اطمینان سے بیٹھ چکا تھا۔ پانی پیا۔ پان کھایا پھر اس کے بعد باول ناخواستہ رخصت ہونے کے لئے کھڑا ہوا تو اس وقفہ میں وہ مجھے اور کتاب کے مسودہ کو جو میری بغل میں دبا ہوا تھا برابر غور سے دیکھتے رہے اور جب انھوں نے خیال کیا کہ میں مایوس جانے والا ہوں تو للکار کر کہنے لگے "کیا کتاب لکھی ہے آپ نے"؟ میں نے مسودہ ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ کھڑے کھڑے تھوڑی سی اس کی ورق گردانی کی اور کہیں کہیں سے اُسے کچھ پڑھا بھی۔ اس کے بعد فرمایا۔ "کتاب تو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ دیکھئے صاحب! اگر آپ مجھ سے کتاب لکھوائیں گے تو $\frac{20 \times 26}{8}$ سائز کے سولہ صفحات (یعنے ایک جزو) کے چار روپیہ پچاس پیسہ لوں گا"، اپنی دانست میں انہوں نے مروجہ نرخ سے اس قدر بڑھا کر اُجرت کے دام بتائے کہ گویا میں انکار کر کے ان کی جان چھوڑ دوں گا۔ لیکن میں نے ان سے کہا کہ جناب میں آپ کو چار روپیہ پچاس پیسے کے بجائے پانچ روپیہ جزو دوں گا لیکن شرط یہ ہوگی کہ جب تک میری کتاب ختم نہ ہو جائے آپ دوسرا کام نہ کریں گے۔ منشی صاحب کو میرے جواب پر تعجب سا ہوا اور پہلی بار کھلکھلا کر ہنسے اور بولے "میاں بڑے ضدی

Marfat.com

معلوم ہوتے ہو۔ اچھی بات ہے! جو کام میرے ہاتھ میں ہے آٹھ روز میں ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ کی کتاب لکھنا شروع کروں گا لیکن ایک بات سُن رکھئے کہ کاپی کی صحت کرنے آپ خود میرے پاس آیا کریں گے اور بعد صحت ہر جزو کی اُجرت جب آپ مجھے دیدیں گے تو اس کے بعد آگے لکھا کروں گا "میں نے منشی صاحب کی یہ شرطیں بھی مان لیں بلکہ ایک جزو کے پیشگی پانچ روپیہ بھی نذر کر دئے۔

ان منشی فیض الحسن "بدرقم" نے جیسی کتاب لکھی اس کی آج تک دھوم ہے بلکہ آفسٹ پرنٹنگ کے ماہرین بھی اسکو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتے ہیں۔ اور اب جبکہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن نذر ناظرین کیا جا رہا ہے تو پانچ روپیہ کے بجائے بتیس ۳۲ روپے فی جزو کتابت کے دئے گئے ہیں اور اسی مناسبت سے دوسری مدات طباعت پر صرف کثیر ہونے کے باوجود کتاب جیسی کچھ چھپی ہے آپ کے سامنے ہے، سچ ہے ؎

گھٹ گئے انسان بڑھ گئے سائے

کتاب کے پہلے ایڈیشن میں دس روپیہ ریم کا چکنا ولایتی کاغذ لگایا گیا تھا جو آج کل ستر، اسی روپے ریم کے حساب سے بمشکل دستیاب ہوتا ہے نظامی پریس بدایوں نے بھی طباعت میں کمال کر دیا اور خود مسٹر احید الدین کا کہنا ہے کہ ایسی اچھی کتاب ان کے ہاں سے چھپ کر نہیں نکلی اور اس سے ان کے مطبع کی نیک نامی میں خاصہ اضافہ ہوا، پروف ریڈنگ کا کام مولوی نظام الدین حسین صاحب نظامی مرحوم و مغفور جیسے جید صحافی اور مصنف

Marfat.com

نے بہ نفس نفیس فرمایا جس کی وجہ سے کتاب میں ہر قسم کی غلطیوں کا امکان ختم ہوگیا۔ متذکرۂ بالا طباعت کی تمام خوبیوں اور چار سو صفحات کی ضخامت کے باوصف کتاب کی قیمت تین[۳] روپیہ سے زیادہ نہ رکھی جا سکی جس پر کتب فروشوں کو تینتیس[۳۳] فیصدی کمیشن دیا گیا.......... اس کے برعکس جب کتاب کا اسٹاک ختم ہوگیا اور اس کو دوبارہ چھپوانے کی گوناگوں علائق زندگی نے مجھے فرصت نہ دی تو فروخت شدہ کتابیں مشاہیر کو نذر کرنے کے لئے خود میں نے پہلے پانچ روپے پھر دس[۱۰] روپے اور بعدہٗ پچیس[۲۵] روپے فی جلد کے حساب سے خریدیں۔

جس طرح کتاب کی اشاعت پذیری اور اس کی مقبولیت میں قدم قدم پر تائید ایزدی کارفرما رہی اسی طرح خود مجھکو اور جناب صاحبزادہ عبدالواجد خاں صاحب کو اللہ رب العزت نے اپنے بے پایاں انعامات سے نوازا۔ صاحبزادہ موصوف معاشیات میں ایم اے کر کے ہز ہائی نس نواب سر حمید اللہ خاں بہادر والی ریاست بھوپال وچانسلر چیمبر آف پرنسیسز کے سکریٹری تھے، اس عہدہ سے سبکدوشی حاصل کر کے وطن واپس آئے تھے تو اس وقت ہی ان سے میری وہ ملاقات ہوئی جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ اس زمانہ میں ان کے سامنے کوئی مستقبل نہیں تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد گھر بیٹھے ان کے پاس مہاراجہ پٹیالہ کی پیشکش آئی اور آپ کی حکومت کے سکریٹری اور آنریری کیپٹن بنائے گئے۔ مہاراجہ نے کارگزاری سے متاثر

Marfat.com

ہو کر دو سال کے لئے آپ کو ولایت پی ایچ ڈی اور بیرسٹری کے امتحانات پاس کرنے کے لئے بھیجدیا۔ ولایت سے واپس آئے تو چیمبر آف پرنسیز کے سکریٹری مقرر ہوئے پھر کچھ عرصہ بعد آپ ریاست جاورہ کے وزیراعظم کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہو گئے بعدازاں متحدہ بنگال کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولس ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد منسٹری آف اکنامک رالیفیرس کے ڈپٹی سکریٹری مقرر ہوئے اور اب نیک نامی کے ساتھ وظیفہ یاب ہو کر اپنے اوقاتِ عزیز اطمینان وسکون کے ساتھ کراچی میں گزار رہے ہیں۔

راقم کا معاملہ یہ رہا کہ ملک میں ایک کامیاب مصنف خیال کئے جانے کے علاوہ ۱۹۳۵ء سے تا ایں دم مسلمانان پاک وہند کی تعلیمی وعلمی خدمت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دینے کے مواقع بھی مجھے اس کتاب کے طفیل حاصل ہوئے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے ۱۹۳۴ء میں حیاتِ حافظ رحمت خاں چھپنے کے بعد فیض عام ہائی اسکول میرٹھ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس سر شیخ عبدالقادر صاحب مرحوم کی صدارت میں تھا جس میں میں بھی شریک ہوا۔ ایک ریزولیوشن پر تقریر کرنے کے لئے جب صدارت کی جانب سے میرے نام کا اعلان ہوا اور میں ڈائس پر گیا تو "صدر محترم و حضرات" کے الفاظ زبان سے ادا کرنے ہی پایا تھا کہ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی سکریٹری کانفرنس اپنی نشست سے اٹھ کر بولے کہ "ٹھہرئیے صاحب"! میں نے اپنی تقریر روک دی اور پریشان ہوا کہ نہ معلوم کیا غلطی سرزد ہوئی ہے جو نواب صاحب مجھے تقریر کرنے سے

Marfat.com

روک رہے ہیں ۔ عین اسی وقت نواب صاحب میرے پاس تشریف لائے ۔ اور کاندھے پر ہاتھ رکھ کر مجمع کو مخاطب کیا اور فرمایا کہ صاحبو" ! ان بریلوی نے ایک لاجواب کتاب لکھی ہے اسے میں تین بار پڑھ چکا ہوں ہنوز سیری نہیں ہوئی ہے ۔ کتاب اپنے ساتھ لایا ہوں " اس کے بعد نواب صاحب ڈائس ہی پر مجھ سے بغلگیر ہوئے اور میری پیشانی کو بوسہ دے کر فرمایا " اب تقریر کرو " اس ڈرامائی عزت افزائی سے میرا دل اس قدر بڑھا کہ اس کی لذت آج تک فراموش نہ ہو سکی ۔ حاضرین جلسہ نے بھی مسرت سے تالیاں بجائیں ۔ حضرت نواب صدر یار جنگ بہادر کی نظر کیمیا اثر نے ہی مجھے یکم جون ۱۹۳۵ء سے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے مرد فتر کے عہدے پر پہنچایا اس جگہ پر مجھ سے پہلے خان صاحب میر ولایت حسین ۔ مولوی محمود احمد عباسی ۔ قاضی تسلیم حسین ایم اے مولانا عبدالماجد دریابادی اور خان بہادر مولوی ادریس احمد جیسے ذی علم اصحاب کام کر چکے تھے اور اس کو دارالعلوم علیگڈھ و بیرون علیگڈھ میں کافی اعزاز کی چیز سمجھا جاتا تھا ۔ اس آسامی کے لئے ۵۵ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تجربہ کار اصحاب نے درخواستیں دی تھیں جن میں بہ اعتبار تعلیمی اسناد میری درخواست سب سے کمتر درجہ کی تھی ۔ لیکن جب ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں تقرر کا مسئلہ پیش ہوا تو نواب صاحب نے میری تصنیف کا ذکر کر کے فرمایا کہ " ہمیں کام کا آدمی مل گیا ہے ۔ اس لئے دوسری درخواستیں دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے " آں مرحوم ومغفور کی مولانا سید طفیل احمد منگلوری مرحوم اور استاذی پروفیسر عبدالمجید قریشی صاحب نے پرزور تائید کی اور وہ دن اور آج کا دن ہے کہ میں مالی نقطہ نظر

Marfat.com

سے تو نہیں البتہ علمی تعلیمی اور ثقافتی سرگرمیوں کے اعتبار سے خاصا کامیاب اور مرفّہ الحال ہوں۔

میرے لئے یہ خوش نصیبی بھی کچھ کم نہیں ہے کہ بہت سے انقلابات اور حوادث ذاتی و زمانی سے گزرنے کے باوجود خدائے بزرگ و برتر نے تیس سال کے بعد مجھے پھر فرصت ارزانی فرمائی کہ "حیاتِ حافظ رحمت خاں" میری اپنی نگرانی میں از سرِ نو چھپ رہی ہے ___ نہ صرف مثل سابق اُردو میں بلکہ انگریزی میں بھی۔

انگریزی ترجمہ کی تحریک اس طرح ہوئی کہ ۱۹۴۲ء میں بمقام حیدرآباد دکن انڈین ہسٹری کانگریس کے پانچویں اجلاس میں "نواب دوندے خاں" پر جب میں نے اپنا تحقیقی مقالہ پڑھا تو میرے سیکشن کے چیئرمین خان بہادر پروفیسر کیمسریٹ ایم اے ٹی ای ایس (ریٹائرڈ) بمبئی نے مجھ سے دریافت کیا کہ "کیا آپ ہی نے حیاتِ حافظ رحمت خاں لکھی ہے" میں نے عرض کیا کہ "جی ہاں" اس پر فرمایا کہ ہم ایسی ہی کتابوں پر ڈاکٹریٹ دیتے ہیں، آپ اس کا انگریزی میں ترجمہ کیوں نہیں کرتے تاکہ اُردو سے نابلد اسکالر بھی اس سے استفادہ کرسکیں۔ حُسنِ اتفاق سے اس وقت میرے فاضل دوست پروفیسر محمد حامی الدین خاں صدر شعبۂ تاریخ مہاراجہ کالج جے پور بھی جلسہ میں تشریف رکھتے تھے آپ نے میرے بجائے پروفیسر کیمسریٹ سے وعدہ کیا کہ وہ حیاتِ حافظ رحمت خاں کا انگریزی ترجمہ کردیں گے۔ بات رفت گزشت ہوگئی ___ انیس سال بیت گئے تا آنکہ پروفیسر حامی الدین خاں جے پور سے کراچی آکر ہماری

Marfat.com

آل پاکستان ایجوکیشنل کی اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ میں ڈپٹی ڈائرکٹر مقرر ہوئے اور آپ نے بمصداق کُلُّ امرٍ مرھُونٌ باوقاتھا۔ نہایت تندہی سے اپنے پرانے وعدہ کا ایفا فرمادیا۔

ایک کوتاہی کا اعتراف بھی ضروری ہے کہ شدید عدیم الفرصتی اور ساتھ کے ساتھ خرابیٔ صحت کے باعث تازہ تاریخی تحقیقات کی روشنی میں حیاتِ حافظ رحمت خاں میں مزید اضافے نہ ہو سکے اور کتاب کو قریب قریب جوں کا توں چھاپا گیا ہے۔ حتیٰ کہ خاندانی شجروں کو بھی مطابق حال نہ کیا جا سکا۔ البتہ میرے صاحب نظر رفقائے کار پروفیسر محمد حامی الدین خاں، مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی، مسٹر محمد ایوب قادری ایم اے اور برخوردار سید مصطفےٰ علی بریلوی بی کام ایل ایل بی نے چھپنے سے پہلے اس کتاب کی جس قدر دیکھ بھال ممکن تھی کر لی ہے۔ علاوہ بریں مجھے اب یہ بھی اطمینان ہے کہ ملک میں حصول آزادی کی بنا پر اٹھارویں اور انیسویں صدی کی صحیح تاریخ پر موجودہ زمانے میں کافی کام ہو رہا ہے اور روہیلوں اور اس کے سردار حافظ الملک حافظ رحمت خاں وغیرہ کو اپنے اصلی خدوخال میں پیش کرنے کی لائقِ ستائش کوششیں کیجا رہی ہیں۔ اس خصوص میں فاضل دوست ڈاکٹر سید معین الحق جنرل سکریٹری پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی اور اُن کے لائق شرکائے کار کی مساعی کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔

آخر میں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس اور اس کی اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کے جملہ ارباب حل و عقد اور وزارت تعلیم حکومت پاکستان کا بھی مجھ

Marfat.com

پر شکر واجب ہے جن کی معارف پروری کی بدولت حیاتِ حافظ رحمت خاں کی اُردو اور انگریزی ہر دو زبانوں میں اشاعت پر معتد بہ رقم صرف کی جاسکی، ورنہ خود اپنا حال تو ہمیشہ کی طرح ع جامہ ندارم دامن از کجا آرم، کا مصداق ہے۔

نالۂ اصورتے بگرفت بلبل ساختند
لختہائے دل بہ یکجا جمع شد گل ساختند

Marfat.com

"عظیم علمائے نفسیات"

تصنیف : ایس۔ اسٹینفیلڈ سارجنٹ

ترجمہ و تعلیقات : پروفیسر عبدالمجید قریشی

جناب پروفیسر عبدالمجید قریشی سابق صدر شعبۂ ریاضیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی تیسری ضخیم کتاب "عظیم علمائے نفسیات"

The Basic Teachings of the Great Phychologists by S. Stansfield Sargent PH.D.

کا اُردو ترجمہ ابھی حال میں ہماری اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے اہتمام سے باشتراک مکتبہ فرینکلن لاہور نیویارک شائع ہوا ہے اور اسی تقریب میں ہم اس دفعہ 'العلم' کے سرورق پر محترم قریشی صاحب کی تصویر شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اس وقت موصوف کی عمر ۷۶ سال ہے اور یہ تصویر ۹ سال پہلے کی ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

Marfat.com

ہر وہ شخص جس کا گذشتہ پچاس سال کے عرصے میں علیگڈھ سے کچھ بھی واسطہ رہا ہے وہ قریشی صاحب کی گرانمایہ اور قابل احترام شخصیت سے بخوبی واقف ہے اور برصغیر پاک و ہند کے علمی و تعلیمی حلقوں میں ان کے عقیدتمندوں کا حلقہ جس قدر وسیع ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص کا ہو۔ مشاہیر علیگڈھ کے سرخیل کی حیثیت سے ۱۹۴۷ء تک قریشی صاحب مسلم یونیورسٹی میں رہے۔ اس کے بعد سے اپنے قدیم وطن سرگودھا میں عالمانہ وقار اور بے مثل خودداری کے ساتھ یادِ خدا اور خدمت علمی میں خاموش زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ سے فیض یافتہ لوگوں میں صدر مملکتِ پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں جیسے عظیم المرتبت رہنمائے ملت اور راقم الحروف جیسے ناچیز خادم علم و فن تک شامل ہیں۔ موصوف حد درجہ متوکلانہ طریقہ پر ایام گذاری کر کے کلاسیکی اہمیت رکھنے والی خالص فنی کتابوں کو اردو میں منتقل کرنے کی اہم خدمت میں اپنے اوقات عزیز صرف فرما رہے ہیں، ہماری اکیڈیمی کی جانب سے آپ کی سب سے پہلی کتاب "مقدر انسانی" ۱۹۵۹ء میں طبع ہوئی یہ کتاب مشہور زمانہ فرانسیسی سائنسدان اور مفکر لی۔ کامت۔ دو لوائے کی ہیومن ڈسٹنی (Human Destiny) کا اُردو ترجمہ ہے جس میں مصنف نے کائنات میں انسان کا صحیح مقام اور روئے زمین پر اس کے وجود کا مقصد متعین کرنے کے لئے بکثرت مادی و روحانی

سلہ مقبول آباد۔ ہاؤسنگ سوسائٹی میں فاتی کوٹھی بنا کر قریشی صاحب کراچی منتقل ہو گئے ہیں اور موصوف نے ابھی حال میں اسّی سالہ تقریب سالگرہ منائی ہے۔

(بریلوی)

Marfat.com

لانیحل مسائل کو سائنٹیفک طریقۂ استدلال کے ذریعہ سلجھانے کی کوشش کی ہے۔

۱۹۶۰ء میں ہماری شائع کردہ (بہ اشتراک مکتبۂ فرینکلن) قریشی صاحب کی دوسری کتاب "چند عظیم علمائے جراثیم" ہے جو ڈاکٹر پال ڈی۔ کرائف کی کتاب مائکروب ہنٹرس (Microbe Hunters) کا ترجمہ ہے اس میں گیارہ ممتاز علمائے جراثیم کا تذکرہ ہے جنہوں نے جرثومہ جوئی کے فن اور سائنس کو جنم دیا ہے۔ ان کے حالات پڑھنے سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ سائنس میں نئی دریافتیں کرنے کے لئے اعلیٰ سندوں، بڑی بڑی تجربہ گاہوں اور سرمایہ کی اتنی ضرورت نہیں جتنی کہ مسلسل انہماک عزمِ راسخ۔ استقامت اور محنت شاقہ کی ہے۔

متذکرہ بالا دونوں کتابوں کی ضخامت علی الترتیب پانچسو اٹھتر اور پانچسو انتالیس یعنی کل ایک ہزار ایکسو سترہ صفحات ہے اور ان کے ذریعہ اُردو کے سرمایۂ علمی میں نہایت گرانقدر اضافہ ہوا ہے۔

تیسری زیر عنوان کتاب "علمائے نفسیات"، (جو قریب چھ سو صفحات پر مشتمل ہے) کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ جناب قریشی صاحب نے ایک ادق فنی کتاب کا کس قدر محنت اور عرق ریزی سے آسان اور عام فہم اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ عبارت کا تسلسل اور روانی جابجا ادب کی چاشنی اور سب سے زیادہ سائنسی مصطلحات کے نہایت سادہ اور آسان مترادفات، نیز اس کتاب پر آپ کا ایک مختصر لیکن عالمانہ مقدمہ ایک ایسا شاہکار ہے جس کی

Marfat.com

مثال ابھی اردو میں بہت کم ملتی ہے۔

نفسیات کا مطالعہ نہ صرف افراد کی روزمرہ زندگی کو منظم کرنے اور سنوارنے کے لیے بیحد ضروری ہے بلکہ اجتماعی زندگی اور قوموں کے عزل و نصب میں بھی اس کی کارفرمائیاں محیّر العقول ہیں اس علم کا دیگر مفید علوم مثلاً اخلاقیات اور عمرانیات وغیرہ سے گہرا تعلق ہے۔ یہ صحیح ہے کہ دیگر سائنسی اور اور مابعد الطبیعاتی علوم کی طرح نفسیاتی عوامل مسلّمات اور اٹل قوانین کا درجہ حاصل نہیں کر سکے ہیں لیکن ان کی صداقت وحقانیت اور نتائج کی صحت محل نظر نہیں ہو سکتی۔ ان پر کاربند ہو کر ہم معاشرے کو پراگندگی اور عدم انضباط سے بچا سکتے ہیں۔

ایک نئی قوم کو جس کے ہات میں حرّیت وجمہوریت کی باگ ابھی آئی ہے اس کے مطالعہ کی سخت ضرورت ہے۔ یہ امر موجب مسرت ہے کہ علم النفس جس کو دوبارہ زندہ کر کے اس میں ایک نئی روح پھونکنے اور یورپ تک پہنچانے میں مسلمانوں نے قابل قدر اور لافانی خدمات انجام دی ہیں ان کے چھوڑے ہوئے سرمایۂ علمی سے اُردو کا دامن بالکل خالی نہیں ہے۔ یہ صورت حال بھی اُمید افزا ہے کہ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں یہ مفید مضمون روزافزوں مقبولیت حاصل کر رہا ہے، البتہ یہ بات قابل افسوس ہے کہ اُردو میں نفسیات پر اعلیٰ معیاری کتابیں ابھی تک نہیں لکھی گئی ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ کہ ارباب علم ودانش جن کے قبضۂ قدرت میں ہماری قوم کی نئی نسلوں کی دماغی وذہنی نشو ونما ہے ابھی تک اسی قسم کے فنی مضامین اعلیٰ جماعتوں میں اُردو

Marfat.com

میں پڑھانے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے اور اپنے طرزِ عمل کے جواز میں اُردو کی، مفروضہ عدم وسعت اور کم مائگی کا عذر پیش کرتے رہتے ہیں۔ کراچی یونیورسٹی نے البتہ ابھی حال میں اُردو کو آئندہ ذریعہ تعلیم قرار دے کر نہایت مستحسن اقدام کیا ہے جس کے لئے وہ تمام طالبانِ علم وفن کے شکریہ کی مستحق ہے۔

پاکستان کا معاشرہ نیز افراد اس وقت اجتماعی وانفرادی زندگی کے موڑ پر کھڑے ہیں سب سے اہم مسئلہ جو جمہوری حکومت کے لئے بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہے وہ صحیح قائدین یا رہنماؤں کا انتخاب ہے۔ کیونکہ ملک کی سالمیت اور بقا کا انحصار اُس کے رہنماؤں کی شخصیت اور صلاحیت پر ہوتا ہے۔ قائدین کی امتیازی خصوصیات کا جائزہ لینا اور یہ اندازہ لگانا کہ وہ ہماری اطاعت پذیری اور اتباع کو محض اپنی مقصد براری کا آلۂ کار نہیں بنائیں گے۔ یہ صلاحیت اور قابلیت افراد میں علم النفس کے اصولوں کو سمجھنے اور ان پر کاربند ہونے ہی سے فروغ پا سکتی ہے، اس طرح اور بہت سے مفید اور ترقی پذیر ادارے اور منصوبے ہیں جن کی کامیابی کا دار و مدار اس علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہے۔

اس کتاب میں ایسے تمام مفید موضوعات اور مسائل سے عالمانہ اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اور قریشی صاحب نے ان مشکل مسائل کو آسان اُردو میں ترجمہ کر کے اور دقیق اور مشکل محاورات والفاظ سے بچ کر اُردو طبقہ پر بڑا احسان کیا ہے۔ جناب مولوی حامد علی خاں صاحب ڈائرکٹر مکتبہ فرینکلن لاہور بھی دلی شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کے اشتراک واتحاد

Marfat.com

عمل سے یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکی۔ اُمید ہے کہ ناظرین کتاب کے مغز و معرفت سے خاطر خواہ استفادہ کریں گے۔

Marfat.com

۱۹۶۴ء

راہی اور رہنما

تصنیف: سیّد الطاف علی بریلوی

(پیش لفظ)

موجودہ عوامی اور جمہوری دور میں افراد کی اہمیت روز بڑھ رہی ہے۔ سماجی عمل ارتقا نے ہر انسان کو وہی اہمیت دے دی ہے جو کسی زمانہ میں بڑے بڑے شہنشاہوں۔ جنگجوؤں۔ مدبّروں اور فلاسفروں وغیرہ کو حاصل تھی۔ ایک وقت تھا کہ صرف عظیم المرتبت اور گرانمایہ شخصیتوں کا ہی یہ حق سمجھا جاتا تھا کہ انکی یادگاریں قائم کی جائیں۔ ان کے افکار واقوال کو جمع کیا جائے اور ان کی سوانح عمریاں ضبط تحریر میں لائی جائیں۔ ایک عام آدمی میں کوئی ایسی بات خیال نہیں کی جاتی تھی کہ اسے کسی اعتبار سے قابل اعتنا تصوّر کیا جائے۔

یہی سبب ہے کہ ساری دنیا میں بڑے بڑے مقبرے اور دوسری یادگار عمارتیں نیز خود نوشت یا دوسروں کی لکھی ہوئی سوانح عمریاں زیادہ تر نامور لوگوں کی پائی جاتی ہیں اور اس کے مقابلہ میں کروروں افراد گمنامی کی گہری تاریکیوں میں مستور رہیں۔

دنیا میں غالب اکثریت عوام کی ہے جن کے مسائلِ حیات بڑے لوگوں سے قطعاً مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے لیئے ذی مرتبہ اصحاب کے حالات کس

Marfat.com

کام کے؟ زیادہ سے زیادہ وہ ابطال و عجائب پرستی اور ذہنی آسودگی کا سامان بہم پہنچائیں! تو پہنچائیں! زندگی کی اُن مشکلات سے جو غریبوں اور مجبور و لاچار لوگوں کو پیش آتی ہیں، با اختیار، فارغ البال اور خوش نصیب اصحاب کو کیا واسطہ؟ لہذا آخرالذکر طبقہ کے کوائف و حالات اوّل الذکر کے لئے نہ کارآمد ہو سکتے ہیں اور نہ قابل تقلید!

مکان لباس اشیائے خورد و نوش کی فراہمی اور اولاد، متعلقین کی تعلیم و تربیت نیز شادی بیاہ کے فرائض سے سبکدوشی جہاں ایک جماعت کے لئے معمولی اور آسان کام ہیں وہاں دوسرے انسانوں کے لئے انتہائی سخت اور جان لیوا ثابت ہوتے ہیں۔ پوری پوری زندگی کی صبر آزما ریاضتوں کے بعد چھوٹی چھوٹی خوشیاں اور کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔ اور وہ بھی اکثر حالتوں میں نہیں ہو پاتیں۔ اور انجام کار یوں ہی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر حیات مستعار ختم ہو جاتی ہے۔

ایسے حالات میں مناسب یہ ہے کہ اقلیت کے بجائے زیادہ تر اکثریت کے مصائب و آلام اور روزمرہ پیش آنے والے مسائل زندگی کے عین مطابق واقعات۔ سیدھے سادھے انداز میں قلم بند ہوں اور دکھایا جائے کہ ایک غریب و متوسّط الحال انسان کی زندگی کیسی ہوتی ہے؟ کس درجہ فطری قوت مدافعت اس کا ساتھ دیتی ہے؟ اور کس کس منزل پر امکانی جدوجہد کے باوصف وہ ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھتا ہے؟

ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ ناسازگار اور ناموافق حالات کے ہوتے

Marfat.com

ہوئے ہمت و استقلال۔ دیانتداری، وضع داری، وفاشعاری اور خداترسی کو ہات سے نہیں جانے دیتا۔ چنانچہ اسی احساس کے تحت فی زمانہ شخصیت نگاری اور خاکہ نویسی کے لئے کرداروں کے انتخاب میں کسان۔ مزدور۔ غریب طالب علم، آرٹسٹ، فاقہ مست شاعر، مفلوک الحال مصنّف اور اخبار نویس، ادنیٰ تاجر، کثیر العیال کلرک اور اسکول ماسٹر، بیکس لڑکی، ضعیف باپ، بیوہ اور یتیم وغیرہ وغیرہ افراد مرکز توجہ بنائے گئے ہیں اور ان کے ذریعہ معاشرہ کی بے لوث عکاسی کی جارہی ہے۔

سماج کے چھپے ہوئے ناسوروں سے اطلس وکمخواب کی پٹیاں ہٹا کر ان کی اصل گھناؤنی صورت مشاہدہ کرائی جارہی ہے۔ صدیاں بیت گئیں یہ زخم اور ناسور آخر کب تک چھپے رہتے؟ کبھی نہ کبھی تو ان کا پردہ فاش ہونا ہی تھا۔ چنانچہ اس پردہ دری کے نتیجہ میں دنیا میں عجیب ہلچل مچی ہوئی ہے۔ سارے کے سارے قدیم نظریات اور پرانی اقدار ٹوٹ رہی ہیں بالکل اسی طرح جسطرح ذرۂ ہیچ مقدار (ایٹم) کی دریافت نے تمام دوسرے آلات حرب وضرب کو بے حقیقت اور غیر موثّر بنا دیا ہے لیکن جس طرح ایٹمی آلات کے ساتھ پرانی چیزوں کا بھی وجود باقی رہے گا اسی طرح ذہن میں ماضی کے لوگ بھی باقی رہیں گے کمی وبیشی کا معاملہ البتہ ناگزیر ہوگیا ہے۔

آئندہ اوراق میں جن کرداروں کی تصویر کشی کی گئی ہے وہ نہ سکندر اعظم ہیں اور نہ شہنشاہ اکبر۔ بقراط ہیں نہ حکیم بزرجمہر۔ بلکہ صرف ہم اور آپ ہیں۔ ہاں کچھ وہ ہیں جو راقم السطور کی طرح ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے اور دنیا نے ان

Marfat.com

کو فراموش کر دیا اور کچھ ایسے ہیں جن کی خداداد ذہانت و فطانت اور ذاتی محنت دکارکردگی بارآور ہوئی اور وہ قائد اعظم، شہید ملت، سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین بنکر بجا طور پر مشہور و معروف ہوئے۔ اس مجلس میں آپ کو سب قسم کے افراد ملیں گے، بالکل اسی طرح جس طرح ہماری سماج بھانت بھانت کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ہر شخص کسی نہ کسی ندرتِ خیال اور رعنائی کردار کا حامل ہے۔ اور اشخاص و افراد کا یہی تنوع اور رنگارنگی اس مجموعہ کا حقیقی حسن ہے۔

تمام صاحبانِ تذکرہ اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں اور ان کی دائمی جدائی کا تاثر ہی "رسالہ مصنف" علی گڑھ اور "العلم" کراچی میں وقتاً فوقتاً ان پر کچھ لکھنے کا محرک ہوا۔ کسی پر کم لکھا اور کسی پر زیادہ، یہ کمی زیادتی اس لئے نہیں کہ وہ کم یا زیادہ لکھنے کے مستحق تھے بلکہ بس یوں ہی فوری جذبات کے تحت جتنا، لکھا جا سکا لکھ دیا گیا۔

اس مجموعہ میں آپ کی جن جن سے ملاقات ہو گی ان میں سے اکثر کے انتقال کی تلخ یادیں آپ کو یقیناً رنجور و ملول کریں گی۔ لیکن المیوں سے ہم لاکھ بھاگیں ان سے مفر نہیں۔ علاوہ بریں جملہ اصنافِ ادب میں مسلمہ طور پر المیہ (ٹریجڈی) کو فوقیت بھی حاصل ہے۔ قلم کی شوخی و طراری اس کی خوں چکانی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ نثر ہو یا نظم عظیم ادب آپ کو المیہ نگاری ہی میں ملے گا۔ کیونکہ وہ حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔ طنز و مزاح زیادہ تر مفروضہ اور سطحی ہوتا ہے اس سے اچٹتا ہوا وقتی سکون حاصل ہو جاتا ہے اور بس!

Marfat.com

لیکن کسی تحریر کا مقصد قاری کو محض مسرور یا مغموم کرنا ہی نہ ہو بلکہ ہر نگارش مقصدی اور تعمیری مقاصد کی حامل ہونی چاہیئے۔ اس اعتبار سے ہماری یہ ناچیز کتاب "راہی اور راہ نما" انشاء اللہ آپ کو مایوس نہ کرے گی۔

مبیں حقیر گدایانِ عشق را ایں قوم
شہانِ بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

Marfat.com

۱۹۶۴ء

"عہد بنگش کی سیاسی علمی اور ثقافتی تاریخ"

مؤلفہ: مفتی ولی اللہ فرخ آبادی
مترجمہ: حکیم شریف الزماں اکبر آبادی
مرتبہ: پروفیسر محمد ایوب قادری ایم۔ اے

جن اصحاب نے میری تالیف "حیاتِ حافظ رحمت خاں" مطبوعہ بار اول ۱۹۳۶ء دبار دوم ۱۹۶۴ء ملاحظہ فرمائی ہے، ان کو اندازہ ہوگا کہ کتاب میں نواب نجیب الدولہ اور ان کے جانشین نیز نوابان بنگش کے کافی حالات درج ہیں۔

۱۷۰۷ء میں حضرت اورنگ زیب عالمگیر رح کے وصال کے بعد دہلی کی مرکزی حکومت کمزور ہو جانے کے باعث شمالی ہند میں روہیل کھنڈ، نجیب آباد اور فرخ آباد کی ریاستیں قریب قریب ایک ہی زمانہ میں عالم وجود میں آئی تھیں اور سرزمین ہند میں اسلام کی سربلندی اور اس کے اولوالعزم حکمرانوں کے کارہائے نمایاں کچھ اس طرح ملے جلے ہوئے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اسی وجہ سے قدرتاً میری یہ خواہش ہوئی کہ حیاتِ حافظ رحمت خاں کی طرح ایک ایک معیاری و مبسوط کتاب نواب نجیب الدولہ اور

Marfat.com

تاریخ بنگش پر بھی مرتب ہو جائے۔ لیکن اس کے واسطے ضرورت تھی کہ جسطرح حیاتِ حافظ رحمت خاں کے لئے گلستانِ رحمت، گلِ رحمت، اور نقش سلیمانی وغیرہ۔ اصل ماخذ بہدست ہو گئے تھے اسی طرح متذکرۂ بالا خانوادوں کے حالات و واقعات پر مشتمل کمیاب قلمی کتابیں بھی دستیاب ہو جائیں۔

یہ آرزو دل ہی دل میں موجزن تھی کہ اوائل جون ۱۹۳۹ء میں مجھے عزیزِ گرامی قدر مسٹر محمد مختار آزاد (ایم اے ایل ایل بی) (علیگ) حال لیبر لیڈر کراچی کی شادی میں قائم گنج ضلع فرخ آباد جانے کا اتفاق ہوا۔ میرا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ جس جگہ بھی جاتا ہوں وہاں کی تاریخی عمارات دیکھتا ہوں اور اس مقام کے مشاہیر اہل علم سے ان کے مکانوں پر جا کر شرف نیاز حاصل کرتا ہوں یہ چیز میں نے حضرت نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی مرحوم و مغفور سے سیکھی تھی۔ قائم گنج کی بابت بھی مجھے پہلے سے علم تھا کہ وہاں ایک بزرگ مولوی عبد الحافظ خاں نامی جو بخشی محمود خاں آفریدی دیوان نواب محمد خاں بنگش کی اولاد میں سے ہیں موجود ہیں[1]

مولوی صاحب موصوف کے دیدار سے مشرف ہوا تو ان کی سراپا خلق اور معارف پرور پایا میری کتاب "حیاتِ حافظ رحمت خاں" ملاحظہ فرما چکے تھے اور اس سے بے حد متاثر تھے، میں نے جب عرض کیا کہ میں اسی قسم کی ایک کتاب بنگش پٹھانوں پر بھی لکھنا چاہتا ہوں تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا

---

[1] مولوی عبد الحافظ خاں صاحب کے تفصیلی حالات زندگی کے لئے دیکھو سہ ماہی العلم کراچی بابت اپریل تا جون ۱۹۶۴ء

Marfat.com

کہ "میرے پاس بنگشوں سے متعلق ضروری قلمی کتابیں موجود ہیں جو میں نے آج تک کسی کو نہیں دیں، لیکن چونکہ آپ حیاتِ حافظ رحمت خاں لکھکر اپنا اعتبار قائم کرچکے ہیں اس لئے آپ ان کو مستعار لے جائیں جب آپ کا کام ختم ہوجائے تو میری کتابوں کو واپس کردیجئے گا"۔

جناب مولوی عبدالحافظ خاں صاحب نے جو کتابیں مجھے عنایت فرمائیں ان کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ تاریخ فرخ آباد فارسی قلمی از مفتی ولی اللہ

۲۔ وقائع خاندان نواب محمد خاں (قلمی) مکتوبہ منور علی خاں مولف لوحِ تاریخ

۳۔ تاریخ فرخ آباد (نقل قلمی) مؤلفہ ولیم اروِن

۴۔ "خجستہ کلام" قلمی فارسی مرتبہ منشی صاحب رائے

ان کتابوں کی ندرت و اہمیت کا تفصیلی حال آپ محمد ایوب قادری صاحب کے دیباچہ کتاب مندرجِ عنوان میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

قائم گنج سے کتابیں لانے کے بعد نیک ارادہ کے باوصف کچھ بھی کام نہ کرسکا، آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علیگڈھ کی دفتری ذمہ داری اور میدانی کاموں میں ہمہ تن مصروفیت کے باعث وہ یکسوئی خاطر نصیب ہونا تھی نہ ہوئی جو ایک تحقیقی تصنیف کے لئے ضروری ہے۔

ترتیب کتاب کا کام ہاتھ میں نہ لینے کا ایک سبب یہ بھی ہوا کہ متذکرہ بالا ماخذوں کے علاوہ ایک اہم ماخذ تاریخ "محمد خانی"، فارسی قلمی مؤلفہ

شیخ حسام الدین گوالیاری کی کمی شدت سے محسوس ہوتی رہی کیونکہ یہ بزرگ نواب محمد خاں اور احمد خاں بنگش کے ہمعصر تھے اور انھوں نے چشم دید حالات قلمبند کئے تھے۔ باقی سب کتابیں بعد کی تھیں۔ ولیم ارون نے اس کتاب سے کام لیا تھا، میں اسکو نظر انداز کر کے کس طرح قلم اٹھا سکتا تھا؟

اسی لیت ولعل میں سال پر سال بیتنے لگے اور اس عرصہ میں مجھے قلبی رنج وصدمہ پہونچا کہ میرے محسن جناب مولوی عبدالحافظ خاں صاحب کا نومبر ۱۹۴۷ء میں بعمر ۸۰ سال انتقال بھی ہو گیا۔ اور مرحوم نے جو توقع قائم کی تھی اس کو میں ان کی حیات میں پورا نہ کر سکا۔ اعتبار بے اعتباری میں تبدیل ہو گیا اور بجا طور پر مولوی صاحب کے معزز صاحبزادگان جناب ابراہیم احمد خاں و الیاس احمد خاں، (الیاس مجیبی) نے مجھ پر اپنے والد مرحوم کی مستعار دی ہوئی کتابوں کی واپسی کا تقاضہ شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب تک کو جو ننہالی سلسلہ سے صاحبزادگان موصوف کے ہم جد ہیں مجھ پر واپسی کتب کے لئے اثر ڈالنے کی نوبت آگئی۔

میری نیت میں کوئی کھوٹ نہ تھی لیکن میں یہ بھی سمجھتا تھا کہ بغیر کچھ کئے ہوئے اگر یہ کتابیں ایک دفعہ ہات سے نکل گئیں تو پھر ان کا دستیاب ہونا اور صحیح زاویہ نگاہ سے بنگش پٹھانوں کی سیاسی، علمی اور ثقافتی تاریخ مدون و مطبوع ہونا ناممکن ہو جائے گا۔ لہذا پٹنہ کے مولوی خدا بخش مرحوم کے ایجاد کردہ ٹال مٹول کے میں نے ساری ہی حربے تو استعمال کر ڈالے اور اس دوران میں تاریخ بنگش پر اہم ترین کتاب نوشتۂ مفتی ولی اللہ کا دفتر کانفرنس میں اپنے رفیق کار

Marfat.com

جناب حکیم شریف الزماں صاحب شریف اکبرآبادی مرحوم سے اُردو ترجمہ کرانا شروع کردیا اور دوسری کتابوں کی نقل کرالی۔

حکیم شریف الزماں صاحب فارسی کے ماہر، پورے منشی اور ایک بے نفس محنتی انسان تھے انہوں نے اس کافی ضخیم کتاب کے دفتر قلم برداشتہ ترجمہ کرڈالے تاآنکہ آخری دو ابواب مقالۂ دہم شعراء و خوشنولیش اور یازدہم حالات مؤلف مفتی ولی اللہ فرخ آبادی ترجمہ ہونا باقی تھے کہ کتاب مع اپنی ساتھی کتابوں کے مجھ سے واپس لے لی گئی ؎

زور ہی کیا تھا جفائے باغباں دیکھا کئے

بعدازاں تقسیم ملک کی ہماہمی شروع ہوگئی جس نے حالتِ سکون کے سارے مشاغلِ علمی کو درہم برہم کردیا، بحمد اللہ مسلمانانِ ہند کی ایک آزاد مملکت کا قیام عمل میں آیا اور جب میں جون ۱۹۵۰ء میں بذریعہ ہوائی جہاز پاکستان حاضر ہوا تو جو تھوڑی سی کتابیں سینہ سے لگا کر اپنے ہمراہ لایا ان میں تاریخ بنگش سے متعلق متذکرۂ بالا کتابیں بھی شامل تھیں لیکن بے سکونی اور عدم فرصت نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ علاوہ بریں نئے ملک اور نئی زندگی کے تقاضوں نیز قوائے جسمانی و دماغی میں اضمحلال کے باعث فرائض منصبی کا ادا کرنا ہی دشوار ہوگیا چہ جائیکہ کسی شوقیہ کام کے لئے وقت نکالا جاتا، عزیزی سید مصطفیٰ علی بریلوی بی۔کام۔ایل ایل۔بی البتہ مذکورہ کتابوں کو پیش نظر رکھکر بنگش حکمرانوں پر "العلم" میں وقتاً فوقتاً معلوماتی مقالے لکھتے رہے لیکن ایک مبسوط و بلند پایہ تحقیقی کتاب کی ضرورت اپنی جگہ پر بدستور قائم رہی تاآنکہ۔

Marfat.com

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

کے مصداق برادر مکرم پروفیسر محمد ایوب قادری ایم اے نے ۱۹۶۲ء میں اس اہم علمی کام کا بیڑا اٹھایا، برادر موصوف میری فرمائش پر قبل ازیں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی شائع کردہ کتاب "علم و عمل" (وقائع عبدالقادر خانی) ایڈٹ کر کے علمی و تحقیقی دنیا میں نام پیدا کر چکے تھے، انھوں نے قریب دو سال کی محنت شاقہ کے بعد عہد بنگش کی ایک ایسی سیاسی علمی اور ثقافتی تاریخ مرتب کر دی جو انشاء اللہ رہتی دنیا تک فیض بخش عوام رہے گی۔ بقولے

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

مطالعۂ کتاب سے ناظرین کرام کو اندازہ ہوگا کہ اس ہونہار مصنف نے تحقیق و تدقیق کا واقعی حق ادا کر دیا ہے۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ ۲۵ سال کے عرصہ میں ترتیب و طباعت کتاب میں جس قدر موانع بشمول میری کوتاہ قلمی پیش آئے وہ قدرت کی جانب سے اسی لئے تھے کہ ایوب قادری جیسا جفاکش، مستقل مزاج اور چابکدست نوجوان اس خدمت کو انجام دے اور .....

..... غلام ہندوستان میں طبع ہونے کے بجائے اکیڈیمی ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس اس کو طبع کرانے کی سعادت حاصل کرے، اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کی تاریخ مسلمانان پاک و ہند ہنوز تشنۂ تکمیل ہے۔ زیر نظر کتاب، بالخصوص اس کا علمی و ثقافتی حصہ طلباء و محققین تاریخ کی معلومات میں نہ صرف نئے اور اچھوتے مواد کا اضافہ کرے گا بلکہ تاریخ کا ایک قطعی گم شدہ ورق بھی ہمدست ہوگا جس سے عبرت بھی حاصل ہوگی اور

Marfat.com

بصیرت بھی، ہمارے اسلاف میں سے صدہا باکمال گوشۂ گمنامی سے نکل کر پہلی مرتبہ ضیا بارِ حیاتِ جاوید ہوں گے" خدا رحمت کناد ایں عاشقانِ پاک طینت را"

Marfat.com

آپ بیتی

(تصنیف: قاضی لطافت حسین ولی ہاشمی بدایونی)

"سوانح عمری خود نوشت ہو یا کسی دوسرے کی عموماً بڑے آدمیوں کی لکھی جاتی ہے۔ بڑے آدمی بادشاہ وزراء، فاتح، مدبر، سرمایہ دار، مذہبی رہنما، محققین اور موجدین ہوتے ہیں۔ جن کی تعداد حد درجہ محدود ہوتی ہے ہمارے سماج میں غالب اکثریت ان لوگوں کی ہے۔ جن کے کوائف حیات میں بظاہر کوئی ندرت نہیں ہوتی۔ اس لئے ہمارے صاحبان قلم ان کو عام طور پر کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ایک غریب و متوسط الحال شخص کن حالات میں اپنی زندگی کا آغاز کرتا ہے۔ ترقی کی راہ میں کیا کیا موانع ہوتے ہیں اور ان موانع کو دور کرنے میں اُسے کیسی کیسی ریاضتیں کرنی پڑتی ہیں۔ ابنائے زمانہ چھوٹے اور بڑے اس کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہیں۔ اچھے سلوک سے اس کے کردار کی تعمیر پر کیا اثر ہوتا ہے اور بُرا سلوک اس کو راہ نیک سے کیونکر بھٹکا دیتا ہے۔ اہل ثروت اور صاحبان اقتدار کے لئے جو چیزیں معمولی اور غیر اہم ہوتی ہیں۔ ان کے حصول میں ایک عامی کو کیسے کیسے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ مثلاً اپنی اور اہل خاندان کی

Marfat.com

قوت لا یموت کے حصول کے واسطے سو، دو سو یا چار پانچ سو ماہوار کی آمدنی مہیا کرنا، یا جسم و جان کی واجبی راحت کے لئے ایک اوسط درجہ کا مکان بنوا لینا، بچوں کی تعلیم اور ان کو برسر کار کرا دینے کی جہد میں فائز المرام ہونا، اہل محلہ اور اہل شہر کی نگاہوں میں کاروباری کامیابی اور اپنے حسنِ اخلاق سے عزّت و وقعت حاصل کر لینا ایک عام آدمی کے معمولی، کارنامے نہیں ہوتے۔

اگر ایسے شخص کو اس حد تک کامیابی حاصل ہو جائے کہ وہ مقامی میونسپل بورڈ یا ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبری حاصل کرے۔ یا حکومت کسی خطاب یا اعزازی عہدہ سے بھی سرفراز کر دے تو سمجھنا چاہیئے کہ بڑا کام ہوا۔ اور دوسروں کے واسطے اس کی زندگی قابلِ تقلید ہو گئی۔

جناب قاضی لطافت حسین دلؔ ہاشمی صاحب بدایوں کے ایک پشتینی ذی علم خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔ لیکن ان کو کوئی معقول جائداد یا ایسا سرمایہ ورثہ میں نہ ملا تھا جس سے زندگی کی منزلیں آسانی سے طے ہو جاتیں۔ لہذا پوری عمر شدید محنت میں گذری۔ اور بالآخر انہوں نے اپنے آپ کو ایک شہرت یافتہ اخبار نویس، خطاب یافتہ معزز شہری اور ایک فارغ البال بزرگ خاندان بنا کر دم لیا۔

کئی بار سخت جسمانی حادثے پیش آنے سے ایک ٹانگ بیکار ہو گئی لیکن ان کی اولوالعزمی اور دوا دوش میں کمی نہ آئی۔ بدایوں اور اضلاع روہیلکھنڈ کے علاوہ لکھنؤ، الہ آباد، دہلی اور اب کراچی ان کی زبردست تگ و تاز کی جولانگاہ ہے۔

Marfat.com

۷۳ سال کی عمر ہے۔ مگر دل جواں، ہمت بلند اور عزائم بے پناہ ہیں۔ بس نہیں چلتا کہ آسمان میں تھیگلی لگا لیں۔ مشاغل تمام تر لکھنے پڑھنے اور صحافتی نوک جھونک کے جن کی بدولت رامپور کا دربار ہو یا گورنر یو، پی کا ہمیشہ ممتاز و مفتخر رہے۔ اور اب بھی مولوی خصلت حسین صابری[۱] ہوں یا مولوی محمد سلیمان[۲] صاحب بدایونی کسی کی مجال نہیں۔ جو انھیں ٹیڑھی آنکھ دیکھ سکے ان کے ہاتھ میں ایک تیز وطرار قلم جادو رقم جو ہے۔ ظاہر میں سخت و کرخت، لیکن دل بچوں کی طرح معصوم، حق کی حمایت میں فیاض، اور ناحق کی بیخکنی میں بے جگر، ہر مصیبت زدہ کی، خدمت کے لئے آمادہ اور ایثار مجسم، لیکن ناشکروں اور نیکی کا بدلہ بدی سے دینے والوں کے لئے ظالم و بیدرد، لوگ نیک کاموں کو فراموش کر دیتے ہیں۔ اور تشدّد کو خواہ وہ کیسا ہی حق بجانب ہو یاد رکھتے ہیں۔ اس لئے ممکن ہے۔ ان کے باطن کی شرافت ظاہر بیں نظروں سے پوشیدہ ہو۔ لیکن ہاشمی صاحب کی یہ سوانح عمری ان کے متعلق نہ صرف ہر قسم کی غلط فہمی کو دور کردے گی بلکہ اس کے ناظر بعد مطالعہ مجبور ہوں گے کہ ان کی دل سے عزت کریں اور ان سے محبت کریں۔

[۱] خصلت حسین صابری ریٹائرڈ ڈپٹی انسپکٹر مدارس، کئی کتابوں کے مترجم (مؤلف ہیں) ابھی حال میں انکی کتاب مخزن الولایت (ملفوظات مخدوم صفی رح)۔ شائع ہوئی ہے "مخدوم شاہ مینا کی تعلیمات" کانفرنس اکیڈمی نے شائع کی ہے [۲] مولوی محمد سلیمان بدایونی، قاضی لطافت حسین کے دوست اور بدایوں کے ذی علم رئیس تھے ان سے دو کتابیں "بدایوں ۱۸۵۷ء میں" اور "بدایوں ۱۹۴۷ء" میں یادگار ہیں۔ یکم جون ۱۹۶۳ء کو مکہ معظمہ میں انتقال ہوا۔

Marfat.com

ہاشمی صاحب نے ہر واقعہ کو نہایت سچائی اور صاف بیانی سے تحریر کیا ہے۔ اگر ایک طرف اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کو کھول کھول کر بیان کیا ہے تو دوسری جانب اپنے مخالف ہمعصروں کے افکار و اعمال پر بھی بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ اور یہی اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی ہے۔

کتاب کی زبان سلیس اور پُر اثر ہے۔ اور ایک قسم کے ڈرامائی انتظار و اشتیاق کی کیفیت قدم قدم پر پیش آتی ہے[1]

---

[1] جناب ہاشمی صاحب کا ۱۵ نومبر ۱۹۵۶ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔

Marfat.com

پاکستانی کلچر

تصنیف: سیّد جمیل جالبی ایم، اے

جمیل جالبی ایم اے۔ سی، ایس، پی، بابائے صحافت سیّد جالب دہلوی مرحوم ایڈیٹر ہمدم کے پوتے اور مشہور ادیب و نقّاد جناب شاہد احمد دہلوی کے ایسے ہی جوڑی دار ہیں جیسے کہ کسی زمانہ میں مولانا سالک و مہر تھے، جمیل صاحب شاہد صاحب کیطرح مضامین، تنقیدیں اور کتابیں کافی عرصہ سے خوب زور شور سے لکھ رہے ہیں۔ نہ صرف خود لکھ رہے ہیں بلکہ دوسرے لکھنے والوں کی سربراہی بھی کر رہے ہیں۔ خصوصیت سے ادارہ مصنفین پاکستان (رائٹرس گلڈ) ہیں ان کی خدمات نہایت شاندار ہیں۔

متذکرۂ بالا پوزیشن میں ہونے کی بناء پر جمیل جالبی صاحب عصر جدید کی تمام علمی، ادبی اور ثقافتی تحریکات و رجحانات سے واقف ہیں چنانچہ انہوں نے بہت کچھ لکھنے لکھانے کے بعد روشِ عام سے ہٹ کر اب ایک ایسے موضوع پر قلم اُٹھایا ہے جو حد درجہ دشوار ہے۔ ہماری مراد انکی تازہ ترین کتاب، پاکستانی کلچر سے ہے"

جمیل صاحب کی یہ تصنیف کافی محنت و کاوش کا نتیجہ ہے۔ ایسا معلوم

Marfat.com

ہوتا ہے کہ انہوں نے معاشرہ کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ ان کے خیالات میں غور و فکر نمایاں ہے۔ یہ کتاب نو ۹ ابواب پر مشتمل ہے۔ ان ابواب میں ایک ہی طرزِ فکر ہے۔ موجودہ معاشرہ کی بگڑی ہوئی شکل سے بہت متاثر ہیں اور اندازِ نگارش ڈرامائی اور پُر اثر ہے۔ مصنف نے ایک بکھرے ہوئے اور گرتے ہوئے سماج کا تجزیہ بہت خوب کیا ہے۔ علاوہ ازیں پاکستانی معاشرہ کیسے وجود میں آیا؟ اور وہ کون سے عوامل تھے جو اس کا باعث بنے؟ کونسی اخلاقی اقدار کو زوال ہوا؟ اس پر تفصیلی بحث کی ہے جو کافی دلچسپ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی معاشرہ کی عکّاسی بیحد خوبصورتی سے کی ہے۔ لیکن کتاب پڑھنے کے بعد ہم ایک الجھن میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں کہ کوئی واضح شکل پاکستانی کلچر کی ہمارے سامنے نہیں آتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کا نہ کوئی کلچر ہے نہ کوئی تہذیبی سرمایہ اور نہ ہی آئندہ کا کوئی پروگرام۔ پوری قوم ایک قسم کے ابتلا میں گرفتار ہے۔ بقول مصنّف پاکستانی غیر مہذّب، جاہل، ان پڑھ اور علاقائی تعصب کا شکار ہیں۔ نہ ثقافتی ورثہ میں کچھ ملا ہے نہ یک جہتی ہے، نہ زندگی میں کوئی توازن ہے، بے چینی، بے اطمینانی، خود غرضی تضاد اور نفرت پاکستانی معاشرہ کی خصوصیات ہیں۔ اخلاقی طور پر لوگ پست ہیں۔ غرض یہ کہ پاکستانی معاشرہ کی یہ تصویر بہت بھیانک ہے۔ ان کے خیال میں پاکستانی معاشرہ میں بحران ہے۔ پوری کتاب پڑھ جایئے لیکن اس چیز کا کھوج نہیں ملتا کہ پاکستان کا بھی کوئی کلچر ہے یا نہیں۔ پاکستانیوں نے بھی گزشتہ سالوں میں کسی ثقافتی اور تہذیبی ترقی کا مظاہرہ

Marfat.com

کیا ہے یا نہیں۔ اگرچہ کسی حد تک یہ درست ہے کہ ہم اپنا روایتی تہذیبی و ثقافتی سرمایہ ہندوستان میں چھوڑ آئے ہیں۔ لیکن کیا ہم زمانۂ حال سے متاثر نہیں ہوں گے؟ کیا ہمکو ایک نئے معاشرہ کی تشکیل نہیں کرنی ہے؟ کیا ہم لکیر کے فقیر بنے رہیں گے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ مصنف کہنا کیا چاہتے ہیں؟ مصنف نے کلچر سے زیادہ اخلاقیات پر بحث کی ہے اور اس خلطِ مبحث کی وجہ سے جگہ جگہ عبارت کا تسلسل ٹوٹ گیا ہے۔

کلچر کی وضاحت میں جو بحث انھوں نے کی ہے وہ قابل تعریف ہی لیکن یہ اچھا ہوتا کہ وہ تاریک پہلو لینے کے بجائے روشن پہلو پر نظر رکھتے اور اپنے خیالات کو عام فہم بناتے۔ ہم ان کی تائید کرتے ہیں کہ معاشرہ میں اخلاقی برائیاں سرایت کر چکی ہیں لیکن آج کے دور میں نہ صرف پاکستانی معاشرہ ہی بلکہ دنیا کا ہر معاشرہ اخلاقی اقدار ختم ہوتے دیکھ رہا ہے۔ اور اخلاق کا پرچار کرنے والے اپنے آپ کو مجبور اور بے دست و پا پاتے ہیں۔ اس کی وجہ زمانۂ حاضرہ کے وہ تقاضے ہیں جنہوں نے اخلاقی اقدار کو بدل کر رکھ دیا ہے جو چیزیں آج سے تیس سال پہلے بری سمجھی جاتی تھیں آج اچھی سمجھی جاتی ہیں۔ بقول مولانا حالیؔ ؎

ہو جائیں گے چھل چھلا کے سب عیب ہنر

مصنف کے خیال میں پاکستانی معاشرہ میں بے چینی اور انتشار ہے اور اس کی وجہ اخلاقی گراوٹ ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں اس کی بڑی وجہ یہ ہی کہ ہم عصر حاضر کے تقاضوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مثلاً ایٹم بم کا

Marfat.com

تجربہ اگر دنیا کے ایک کونے میں ہوتا ہے تو دُنیا کے دوسرے حصے اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہی حال ہمارے کلچر کا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ پاکستان تہذیبی اعتبار سے ایک خلا کے ساتھ وجود میں آیا۔ ایک جگہ انہوں نے لکھا ہے :۔

"ہمارے وسائل زرعی معاشرہ کے وسائل ہیں اور ہماری خواہشات صنعتی معاشرہ کی خواہشات ہیں اس اعتبار سے پاکستان میں غیر آسودہ خواہشات کا یہ تصادم اور تضاد زندگی کی ہر سطح پر ہمارے تخلیقی سوتوں کو خشک کر رہا ہے ہماری زندگی کا نہ کوئی مقصد ہے اور نہ کوئی جہت ہے۔ ہمارے سامنے تہذیبی سطح پر اقدار و اخلاق کا کوئی ایسا نظام نہیں ہے۔ جس پر ہم مثبت طریقے سے زندگی کا کوئی نیا قلعہ تعمیر کر سکیں۔ اسی وجہ سے سارا معاشرہ منتشر ہے۔ ہر چیز کی اہمیت زیر و زبر ہے۔ ساری جمی جمائی اقدار ٹوٹ پھوٹ کر ایک ڈھیر بنی جارہی ہیں۔ ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ بامعنی اقدار کے پرانے ذرائع بے معنی ہو کر دم توڑ رہے ہیں۔ خیالات و عقائد کا وہ نظام جس پر ہم صدیوں سے یقین رکھتے چلے آرہے تھے۔ اب ہمیں بے معنی اور از کار رفتہ نظر آنے لگا ہے۔ اسی تہذیبی خلا کی وجہ سے ہم ایک طرف تو یورپ سے لباس۔ آداب معاشرت تعمیرات، فنون لطیفہ، مادی ترقی اور اخلاقی ضابطوں کی سطح پر شکست کھا رہے ہیں اور دوسری طرف ہمارے ذہنوں پر بدحالی اور پسپائی کے دبیز پردے پڑ رہے ہیں اور ہم رفتہ رفتہ اس خزاں رسیدہ درخت کی مانند ہوتے جارہے ہیں جس کے سب پتے جھڑ گئے ہوں اور لنڈ منڈ تنہا کھڑا ہو۔ سارے

Marfat.com

معاشرہ میں اب کوئی چیز اپنی اصلی شکل میں نظر نہیں آتی "

دوسری جگہ مصنف نے لکھا ہے :۔

" یہ دراصل اسی تہذیبی خلا اور اسی تضاد کا فطری ردِعمل ہے جس سے آزادی کے بعد ہم دوچار ہیں۔ اسی وجہ سے سارا معاشرہ اور اس کے افراد جمود میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ آپ کو تہذیبی خلا اور تضاد کا نقشہ دیکھنا ہو تو کسی سرکاری دفتر میں چلے جایئے، کسی تاجر اور صنعت کار سے مل لیجئے۔ کسی مزدور یا کلرک سے بات کر دیکھئے۔ کسی وکیل، ڈاکٹر، پروفیسر، صحافی، ادیب، طالب علم، مولوی یا سیاست داں سے گفتگو کر لیجئے۔ آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ اس کے ذہن میں نہ کوئی جہت ہے اور نہ کوئی مقصد۔ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے خود اس کی تردید کر رہا ہے۔ وہ تضاد کی جھلسا دینے والی آگ میں جل رہا ہے۔ جہاں نہ اُسے کوئی راستہ نظر آ رہا ہے اور نہ راہ فرار۔ اس کا صرف ایک ہی مقصد حیات ہے کہ وہ خود کو کسی طرح محفوظ رکھے "

ہم جمیل صاحب کی ان آراء سے بالکلیہ متفق نہیں ہیں۔ کیونکہ زندگی ایک مسلسل حرکت ہے جو آئے دن نئی خواہشات پیدا کرتی رہتی ہے۔ وہ پیہم عمل اور کشمکش سے ترقی پاتی ہے۔ سکوت اور جمود اس کے لئے سمِ قاتل ہے۔ یہ صنعتی دور ہے اور ملک کو صنعتی بنانا ہے۔ لہٰذا صنعتی خواہشات کوئی نئی چیز نہیں ہیں بقول الیٹ کلچر نام ہے طرز زندگی کا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بڑے مصنفین اور شاعروں کی زندگی اخلاقی اعتبار سے معیاری نہیں ہوتی ہے۔ لیکن وہ قومی کلچر میں ایک اہم رول ادا کرتے ہیں۔ مغلیہ دور کی ثقافتی زندگی جو ہمارے خیال میں تمام

Marfat.com

مسلمانوں کی ثقافتی زندگی تھی اس کو اخلاقی کسوٹی پر جانچا جائے تو ہمارا ثقافتی سرمایہ باقی نہیں رہتا ہے۔ کلچر کا تعلق اخلاقی اقدار سے صرف ایک حد تک ہے اگر کوئی قوم اخلاقی گراوٹ میں مبتلا ہے تو اس کی وجہ معاشی بدحالی ہوسکتی ہے جو تخلیقی قوتوں کو اجاگر کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ ثقافتی سرگرمیاں ماند پڑ جاتی ہیں۔ یہ چیز کہ ہمکو دوسری قوموں کے کلچر سے متاثر نہ ہونا چاہیئے درست نہیں۔ کیونکہ آج کے دور میں ہم دوسری قوموں کے خیالات و نظریات سے غیرارادی طور پر متاثر ہوتے ہیں، اس کی وجہ سائنسی ایجادات مثلاً ریڈیو، فلم اور اخبارات ہیں جو ہمکو ایک دوسرے سے باخبر رکھتے ہیں۔

جمیل جالبی صاحب نے قومی یک جہتی کے مسائل پر بھی بحث کی ہے۔ یہاں وہ کافی الجھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ علاقائی تضاد کو کافی اہمیت دیتے ہیں جو کسی حد تک درست ہے لیکن اس تفرقے میں بھی ایک ذہنی اتحاد پاکستانی ہونے کا موجود ہے جس کی مثال علامہ اقبال۔ نذر الاسلام، شاہ عبداللطیف بھٹائی۔ جیم الدین اور خوشحال خاں خٹک وغیرہ سے لی جاسکتی ہے جن کے کلام میں جو مختلف زبانوں میں ہے، خیالات کی یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یہی حال ہماری موسیقی اور دیگر فنون لطیفہ کا ہے۔

ایک اور باب میں مذہب اور کلچر پر بحث کی ہے۔ اس کے لئے جالبی صاحب واقعی قابل تحسین ہیں ہمارے خیال میں مذہب اور سائنس کا تضاد نہ صرف پاکستان بلکہ پورے ایشیا میں موجود ہے اور وہ دو اہم مسئلوں سے دوچار ہے اول یہ کہ یا تو سائنس اور ٹیکنالوجی کو قبول کریں اور اپنی دینی، مذہبی، روایتی

Marfat.com

اقدار کو خیر باد کہدیں اور اس کے جو بھی نتائج ہوں ان کو بھگتیں۔ دوسرے یہ کہ یورپ کے تجربہ سے فائدہ اُٹھا کر اس چیز کو اپنا لیں یعنی یہ کہ کوئی کلچر دورِ حاضر میں سائنس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور سائنس بذات خود ایک بہت بڑی جدید ثقافتی طاقت ہے جسکو ثقافت سے علیحدہ کرنے کے بجائے ایک دوسرے سے مربوط کر کے ایک نئے کلچر کو جنم دیا جائے۔ پاکستان کو بھی اس صنعتی دور میں اسی قسم کے کلچر کی ضرورت ہے۔ پاکستان کی ثقافتی اقدار میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو اس کا صحیح اور موزوں مقام دیا جانا ناگزیر ہے۔

لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم مغربی مادیت کو بھی قبول کر لیں سائنس روحانیت کے منافی نہیں ہے کیونکہ پورا نظام قدرت خود خدا کا مظہر اور عکس ہے اسی چیز پر صوفیائے کرام نے کافی زور دیا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کے اثرات کا تجزیہ کرنے پر معلوم ہوگا کہ صنعتی ترقی کی بدولت ہم اپنے روایتی نظام کو درہم برہم ہونے سے روک سکتے ہیں نیز نئے خیالات اور نظریات جو وجود میں آرہے ہیں اور آچکے ہیں مثلاً ثقافتی آزادی اور جمہوریت وغیرہ ان سے اپنی ملت کو ترقی پذیر بنا سکتے ہیں۔

سر سید احمد خاں اور علامہ اقبال نے جو فلسفۂ زندگی پیش کیا ہے اس سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اپنی عظمت رفتہ کو دہرائیں اور ساتھ کے ساتھ اپنے آپ کو دوسری ترقی یافتہ قوموں سے پیچھے نہ رکھیں۔

آخر میں ہمارا خیال ہے کہ اگر کتاب کا نام "پاکستانی کلچر" کی بجائے "پاکستانی کلچر میں انتشار"، یا "پاکستانی کلچر کی تلاش"، ہوتا تو زیادہ موزوں ہوتا۔

Marfat.com

سرسیّد کا علمی کارنامہ

تالیف: قاضی احمد میاں جونا گڑھی

فاضلِ یگانہ جناب قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی مرحوم کی تحریر کردہ بہ کثرت چیزیں غیر مطبوعہ شکل میں ان کے بچوں کے پاس اور دوسرے مقامات پر بکھری ہوئی پڑی ہیں۔ ۶ راگست ۱۹۵۵ء سے جبکہ ان کا انتقال ہوا اسوقت تک کوئی ایسی منظّم تحریک روبعمل نہ آسکی جس کے ذریعہ ان کے تمام نتائجِ فکر مرتّب و مطبوع ہو کر سامنے آتے۔ دو ایک کتابیں ضرور شائع ہوئی ہیں لیکن وہ "مشتے نمونہ از خروارے،، کی مصداق ہیں۔

خود اپنے زیرِ اہتمام قاضی صاحب کے خطوط کی اشاعت کے بعد ہمیں خصوصیت سے ان کے اس محققانہ مقالہ کی تلاش تھی جو آں مرحوم نے "سرسیّد کا علمی کارنامہ" کے عنوان سے سپردِ قلم کر کے ایک بار کل پاکستان انجمن ترقی اردو کے منعقد کردہ "یوم سرسیّد،، کے موقعہ پر پڑھا تھا اور پھر اپنے انتقال سے اکیس یوم قبل ۱۶ جولائی ۱۹۵۵ء کو میری ناچیز فرمائش پر کانفرنس اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ کے ایک جلسہ میں پڑھ کر سنایا تھا۔ یہ جلسہ ہمارے صدر جناب مولوی شمش الدین محمد صاحب سابق وزیرِ تعلیم بہاولپور کے دولت کدہ

Marfat.com

واقعہ جمشید کوارٹرز کراچی میں منعقد ہوا تھا، جس میں میزبان محترم کے علاوہ ڈاکٹر عبادالرحمٰن خاں مرحوم۔ ڈاکٹر زبیدا احمد مرحوم۔ پروفیسر جلیل الرحمٰن اعظمی مرحوم ڈاکٹر مہدی حسن۔ مرزا علی اظہر برلاس۔ پروفیسر حافظ رشید احمد ارشد۔ میجر جنرل محمد اکبر خاں۔ مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی۔ پروفیسر حبیب اللہ خاں غضنفر۔ پیر حسام الدین راشدی۔ آغا یعقوب دواشی، سید اظہر حسین رضوی۔ مولوی عظیم الدین خاں، حفیظ ہوشیار پوری۔ انعام عظیم برنی اور خاکسار نے شرکت کی تھی۔

مقالہ اس قدر معلوماتی اور معیاری تھا کہ اس کی یاد کبھی دل سے محو نہ ہوئی۔ اور چونکہ متذکرہ جلسہ کے تین ہفتے بعد ہی قاضی صاحب ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے، اس لئے اس کی دوبارہ زیارت نصیب ہونے سے قطعاً محرومی رہی۔ لیکن ابھی حال میں محب گرامی قدر جناب مشفق خواجہ صاحب اسسٹنٹ سکریٹری انجمن ترقی اُردو مدیر "قومی زبان" سے قاضی صاحب کے اذکار میں ان کے اس مقالہ کا ذکر آیا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ موجود ہے، اور آپ کے پاس بھجوا دیا جائے گا۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد قاضی کے صاحبزادہ عزیزی قاضی محمد اختر نے اس کو میرے حوالہ کر دیا۔ اور اب میں اُسے اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی جانب سے طبع کرا کر پیش کر رہا ہوں

مقالہ کے نفس مضمون کا جہاں تک تعلق ہے قاضی صاحب کی یہ کاوش اس اعتبار سے اچھوتی کہی جا سکتی ہے کہ اس سے قبل ہمکو سرسید کی وسعت علمی اور ان کے تالیفی و تصنیفی کارناموں کا یکجا مواد دستیاب نہ ہو سکا تھا

Marfat.com

حتیٰ کہ ان کی جملہ تصانیف کے نام تک معلوم نہ تھے۔

اس کتاب کے ذریعہ پہلی بار قارئین کو معلوم ہوگا کہ سرسید نے کیا کیا لکھا۔ کس کس موضوع پر لکھا اور آئندہ اس بطل جلیل کی علمی خدمات پر ریسرچ کرنے کے لئے کس درجہ وسعت نظر کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

۱۹۶۵ء

تجزیۂ کلام غالبؔ

(تصنیف: سیّد رفیع الدین بلخی)

اس کتاب کے مصنّف سیّد رفیع الدین بلخی ایڈوکیٹ، مولوی سیّد حفیظ الدین بلخی کے صاحبزادے اور نواب امیر الدین صاحب کے نواسے تھے ۱۴ر اکتوبر ۱۹۰۱ء کو بمقام نیورہ ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ کلکتہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور آپ کے زمانۂ تعلیم کے ایک ہم درس جناب مرزا علی اظہر صاحب برلاس اور اُن کے اُستاد جناب خان بہادر مرزا ابوجعفر صاحب کشفی جو آج بھی کراچی میں قیام پذیر ہیں بلخی صاحب مرحوم کی محبت، اخلاص، منکسر المزاجی، ذوقِ ادب اور حُبِّ قومی کے معترف ہیں۔ بلخی صاحب پٹنہ کے نامور ایڈوکیٹ تھے جس کا سرسری اندازہ ذیل کی چند تحریروں سے ہوگا جو بہار کے مشاہیر قانون پیشہ اصحاب نے ان کے متعلق سپردِ قلم فرمائی تھیں۔

جناب سیّد عبد العزیز صاحب مرحوم سیّد رفیع الدین بلخی کے اعلیٰ کردار کی تصدیق کرنے میں مجھے دلی مسرّت ہے۔ میں ان کو بچپن سے جانتا ہوں۔ میں نے ان کی کالج

Marfat.com

اور پرائیویٹ زندگی کو قریب سے دیکھا اور اس کو قابل ستائش پایا ہے۔ یہ بہت محنتی نوجوان ہیں۔ اعلیٰ نصب العین کے مالک ہیں اور اُن کا تعلق ایک ایسے معزز خاندان سے ہے جس سے اہل صوبہ بخوبی واقف ہیں۔

(دلکشا پٹنہ۔ ۲ اگست ۱۹۲۶ء)

مسٹر جی لولینڈ، ڈسٹرکٹ و سیشن جج پٹنہ

ایم رفیع الدین بلخی میری عدالت کے فوجداری مقدمات میں وکالت کرتے رہے ہیں۔ اور انھوں نے بحیثیت ایک ہونہار جونیر پلیڈر مجھے بہت متاثر کیا ہے۔

(پٹنہ سیشن کورٹ ۱۵ جولائی ۱۹۳۲ء)

مسٹر جسٹس منوہر لال

ایک مقدمہ دیوانی جس میں کہ مجھے آپ کے ساتھ کام کرنے کی مسرت حاصل ہوئی۔ میں آپ کی قابلیت اور محنت شاقہ سے بحد متاثر ہوا۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنے پیشۂ وکالت میں سُرعت کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں۔

(پٹنہ ہائی کورٹ ۹ جولائی ۱۹۳۷ء)

مسٹر جسٹس جعفر امام

مسٹر رفیع الدین بلخی سے بخوبی واقف ہوں۔ وہ میرے عزیز ہیں اور میرے والد سر علی امام مرحوم ان سے بہت عزت اور محبت سے پیش آتے تھے، مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ مسٹر بلخی ایک ایماندار، اصول پرور، ذہین وطبّاع، قابل اور جفاکش انسان ہیں یہ دوسروں کی کاربراری کے لیے حُسنِ تدبیر اور احساسِ فرض کی

Marfat.com

صفات سے بھی متصّف ہیں، جن کی وجہ سے وہ ہر شخص کے محبوب ہیں۔ میں دُعا کرتا ہوں کہ وہ اپنی زندگی میں کامیاب ہوں۔ اور اللہ کے فضل کے مورد ہوں۔ (پٹنہ ہائی کورٹ ۱۱ر فروری ۱۹۴۶ء)

مسٹر جسٹس سچانند سنہا مجھے اس امر کے تصدیق کرنے میں بہت مسّرت ہے کہ مسٹر رفیع الدین بلخی سے میں پندرہ سال سے زائد عرصہ سے واقف ہوں۔ وہ متعدد اعتبارات سے غیر معمولی صفات کے حامل ایڈوکیٹ ہیں۔ ان کا اخلاق دل آویز اور ان کی تقریر اثر انگیز ہوتی ہے۔ ساتھ ہی بڑے باتدبیر اور سماج کے ہر طبقہ میں انتہائی ہر دلعزیز ہیں۔ میری رائے میں ان کے کمالات اور مختلف میدان ہائے عمل میں تجربہ کی بنا پر اُنھوں نے اپنے آپ کو اعتماد اور ذمہ داری کی اعلیٰ پوزیشن کا اہل ثابت کیا ہے۔ مجھے یہ بھی اعتراف ہے کہ وہ اعلیٰ ترین کردار کے مالک ہیں۔

(پٹنہ ہائی کورٹ ۳ر ستمبر ۱۹۴۶ء)

اپنے قانونی پیشہ میں مقام رفیع حاصل کرنے کے علاوہ جس کی مشتے نمونہ از خروارے، مندرجہ بالا اسناد سے تائید ہوتی ہے۔ سیّد رفیع الدین صاحب بلخی پٹنہ اور بہار کے علمی حلقوں میں بھی ہر دلعزیز تھے۔ ذوقِ ادب اور معارف پروری ان کی طبیعتِ ثانیہ تھی جس کی وجہ سے دور و نزدیک کے اہل علم آپ کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

افسوس ہے کہ ایسے قیمتی وجود کا بہت جلد خاتمہ ہو گیا اور صرف ۵۲ سال کی عمر میں بتاریخ ۱۴ر اکتوبر ۱۹۵۶ء اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ

Marfat.com

کے انتقالِ پُرملال پر بزم احباب پٹنہ اور دوسرے اداروں نے جلسہ ہائے تعزیت میں اظہارِ غم واندوہ کی تجاویز پاس کیں اور اُن کے شعراءِ احباب نے قطعاتِ تاریخ وفات لکھے۔

اس موقع پر جناب پروفیسر جمیل مظہری (پٹنہ یونیورسٹی) نے جو درد انگیز نظم تحریر فرمائی تھی درج ذیل ہے:۔

حیف اے ساقیٔ مے خانۂ اخلاص رفیع ۔۔۔ بزمِ احباب ہے اک بزمِ عزا تیرے بعد
شام اُجڑی ہوئی بیوہ کیطرح سوگ نشیں ۔۔۔ جام اُبلتے ہوئے، مینا سے خفا تیرے بعد
کسقدر سست ہے آہنگِ نوائے ہر ساز ۔۔۔ کسقدر گنگ ہے محفل کی فضا تیرے بعد
موت نے ہم سے تجھے لے ہی لیا آخر کار ۔۔۔ ہوئی رسوائی ناموسِ دُعا تیرے بعد
بجھ گیا ولولۂ دوست نوازی اے دوست ۔۔۔ کیا جئے حوصلۂ مہر و وفا تیرے بعد
وائے محرومیٔ جذباتِ خلوص وایثار ۔۔۔ وائے افسردگیٔ صدق وصفا تیرے بعد
جمع ہوں آکے جہاں مختلف الذوق احباب ۔۔۔ آج ایسا کوئی مرکز نہ رہا تیرے بعد
یاد آیا، ہمیں بیساختہ غالب کا وہ شعر ۔۔۔ جس کے الفاظ کو مفہوم ملا تیرے بعد

"تو تھا گلدستۂ احباب کی بندش کی گیاہ
منتشر ہوگئے تیرے رفقا تیرے بعد

سید رفیع الدین بلخی صاحب کے مورثِ اعلیٰ مولانا مظفر الدین بلخی اور دوسرے صاحبِ کشف وکرامات بزرگوں کے حالات چونکہ نہایت تفصیل کے ساتھ تاریخ سلسلۂ فردوسیہ از معین الدین دردائی ایم، اے علیگ ،

(کتاب منزل ۔ باری روڈ گیا ۔ بہار) میں شائع ہو چکے ہیں اس لئے اس اجمالی تعارف میں ان کا اعادہ نہیں کیا گیا ۔ بلخی صاحب مرحوم کی زیر نظر کتاب پر جناب سیّد علی حسنین زیبا ردولوی نے نہایت عالمانہ مقدّمہ تحریر فرمایا ہے جس سے اُس کے محاسن پر بھرپور روشنی پڑتی ہے

آخر میں مجھے منجانب کانفرنس اکیڈیمی جناب مسلم غیائی ایم، اے اور جناب سید علی حسنین زیبا ردولوی ایم، اے کا خصوصی شکریہ ادا کرنا ہے ۔ جنہوں نے علی الترتیب مسودہ پر نظر ثانی اور تحریر "مقدمہ" کی خدمات عالیہ انجام دے کر کتاب کی قدر و قیمت میں بیش قرار اضافہ فرمایا ۔ اللہ سے دُعا ہے کہ مرحوم مولوی سیّد رفیع الدین بلخی کی یہ اولادِ معنوی (کتاب تجزیہ کلامِ غالب) عوام و خواص میں مقبول ہو اور ان کا نام نیک تا ابدالاباد قائم رہے ۔ آمین ۔

بچہ کار آیدت ز گل طبقے
از گلستانِ من ببر ورقے
گل ہمیں پنج روز و شش باشد
وین گلستاں ہمیشہ خوش باشد

Marfat.com

۱۹۶۵ء

روزگارِ فقیر

(جلد اوّل و دوم)

مصنّف: فقیر سیّد وحید الدین

فقیر سید وحید الدین صاحب سے ہمیں کبھی بالمشافہ ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا، البتہ ایک صنعت کار کی حیثیت سے اور اس حیثیت سے کہ وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ سابق حکمراں پنجاب کے وزیر مملکت فقیر عزیز الدین مرحوم کی اولاد میں سے ہیں اور ان کے یہاں لاہور میں ایک نادر کتب خانہ، قدیم اسلحہ اور دیگر نوادرات بڑی تعداد میں محفوظ ہونے کا غائبانہ علم تھا، کتاب روزگار فقیر کے بالاستیعاب مطالعہ سے سید صاحب سے بھرپور واقفیت ہوئی اور ہمیں یہ محسوس ہو کر واقعی فخر ہوا کہ ہمارے ملک کے سرمایہ دار طبقہ میں ایک ایسی اولوالعزم، صاحب ذوق اور ذی علم شخصیت بھی موجود ہے جو نہایت خاموشی کے ساتھ اس قسم کا معرکۃ الآرا علمی کارنامہ انجام دے سکتی ہے۔

سب سے پہلے کتاب کا حُسن طباعت جاذب نظر ہے۔ کم از کم ہماری نظر سے اُردو کی کوئی دوسری کتاب اس قدر خوب صورت چھپی ہوئی نہیں

Marfat.com

گذری۔ اس کو ہاتھ میں لیتے ہی آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح اخبار "حرّیت"، کراچی کے اجراء کے بعد پاکستان کا ہر ایک اردو روزنامہ صوری اور معنوی اعتبار سے اپنا معیار بلند کرنے پر مجبور ہو گیا ہے اسی طرح فقیر سید وحید الدین صاحب نے اُردو کی اچھی کتاب چھاپنے کا ایک ایسا معیار تمام پبلشروں کے لئے قائم کر دیا ہے کہ اُس تک پہونچنا آئندہ ان کے لئے ناگزیر ہو گا اور یہ چیز اُردو کی مقبولیت میں بہت کچھ ممدّ و معاون ہو گی۔

متنِ کتاب کا جہاں تک تعلق ہے۔ سو اس میں بھی جدّت و نُدرت کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ ہر مضمون یا کتاب کی پہلے لمبی لمبی بہاریہ قسم کی تمہیدیں ہوتی تھیں۔ بالخصوص سوانح عمری کے سلسلے میں ایک بنا چھنا جو شاندے کا نسخہ تھا کہ اس میں بالترتیب، خاندان، ولادت، ابتدائی تربیت، تعلیم، ملازمت یا روزگار، شادی اور اس کے بعد اس کے کارنامے اور اوصاف و اخلاق درج کئے جاتے تھے۔ لیکن کافی عرصہ سے یہ طرزِ تحریر ترک کر دیا گیا ہے۔ اور نفس مضمون کو بغیر حشو و زوائد اور عبارت آرائی سے مبرّا کر کے کسی بے ساختہ اور برجستہ فقرے سے شروع کر دیا جاتا ہے اور فوراً نفسِ مضمون پر جو کچھ لکھنا ہوتا ہے اُس کا آغاز کر دیا جاتا ہے۔

فقیر سید وحید الدین صاحب نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے اور جس طرح آزاد شاعری بحور و قوافی کی پابند نہیں ہوتی اسی طرح اپنی کتاب

Marfat.com

کو سیّد صاحب نے ہر قسم کی ترتیب اور بندش سے بے نیاز رکھا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ جس طرح بھولی بسری یادیں انسانی دماغ میں وارد ہوتی ہیں جن کی کوئی ترتیب اور تنظیم نہیں ہوتی لیکن بہر حال وہ بہت عزیز ہوتی ہیں بالکل اسی طرح سیّد وحیدالدین صاحب نے شاعر مشرق علامہ اقبال رحمت اللہ علیہ کے بارے میں جو کچھ انہوں نے دیکھا یا دوسروں سے سنا اس سب کو بجنسہٖ جمع کر دیا۔ پہلے زمانے میں خوبصورت عمارتوں کا حُسن ہر چیز کے جواب اور یکسانیت (سیمٹری) میں سمجھا جاتا تھا اور آج کل ہر چیز کو ایک دوسری کی ضد اور اس کے اختلاف کی شکل میں ظاہر کرنا خوبصورتی کی دلیل خیال کیا جاتا ہے۔ سیّد صاحب نے بھی اپنی کتاب میں آخر الذکر روش کو اختیار کر کے اپنے "اَپ ٹو ڈیٹ" ہونے کا ثبوت دیا ہے اور مضامین کو مسلسل اور ایک دوسرے سے مربوط نہ کر کے ایک ایسا گلدستہ بنا دیا ہے جس میں مختلف رنگ و بو کے پھول سجائے گئے ہوں۔

کتاب کے دونوں حصّوں میں حضرت علامہ اقبال کے ذاتی حالات نہایت جوش و عقیدت کے ساتھ فراہم کیے گئے ہیں جن میں سے اکثر پہلی بار پڑھنے میں آئے اور اُن کے مطالعہ سے اس عظیم المرتبت فلسفی اور مصلح شاعر کی عظمت میں اور اضافہ ہو گیا۔ یہ بھی آئندہ نسلوں پر بڑا احسان کیا گیا ہے کہ علامہ مرحوم کی بشری کمزوریوں کو اچھالنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ کتاب از اوّل تا آخر چھوٹی چھوٹی اثر انگیز کہانیوں پر مشتمل ہے۔ اور یہ ایک ایسا اسلوب نگارش ہے کہ اس کے ذریعہ قاری علامہ اقبال سے قریب تر

Marfat.com

ہوتا چلا جاتا ہے۔ کتاب میں مندرج ۲ دو واقعات کا خصوصیت سے ہمارے دل پر اثر ہوا۔ روزگار فقیر جلد دوم ص ۲۷ احترام رسول ؐ کے ذیل میں درج ہے :۔

"ایک روز حکیم احمد شجاع علامہ کے مکان پر پہونچے تو اُن کو بہت زیادہ فکر مند، مغموم اور بے چین پایا۔ حکیم صاحب نے گھبرا کر دریافت کیا "خیریت تو ہے، آج آپ خلاف معمول بہت زیادہ مضطرب اور پریشان نظر آتے ہیں"؟ علامہ نے خاص انداز میں نظریں اوپر اُٹھائیں اور غم انگیز لہجے میں فرمایا۔ "احمد شجاع! یہ سوچ کر میں اکثر مضطرب اور پریشان ہو جاتا ہوں کہ کہیں میری عمر رسول اللہ کی عمر سے زیادہ نہ ہو جائے"۔ چنانچہ یہی ہوا بھی کہ اُس عاشق رسول کی عمر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سن مبارک سے دو سال کم یعنی اکسٹھ سال کی ہوئی اور گویا اللہ تعالیٰ نے علامہ کی اس تمنا اور دُعا کو قبول فرما لیا۔ سچ ہے ؎

بدنیا گر کسے پائندہ بودے
ابوالقاسم محمد ؐ زندہ بودے

دوسرا واقعہ اس چیز سے متعلق ہے کہ جب کوئی شخص بہت مشہور اور بڑا آدمی ہو جاتا ہے تو وہ اپنے کم علم اور غریب اقربا کی صحبت سے اجتناب کرنے لگتا ہے۔ لیکن علامہ اقبال کی یہ عادت تھی کہ "جب وہ عدالتوں کی چھٹیوں میں لاہور سے اپنے وطن مالوف سیالکوٹ تشریف لاتے تو دوپہر کے کھانے کے بعد یا پہلے روزانہ محفل جمتی جس میں بے جی (علامہ کی والدہ محترمہ)

Marfat.com

پھوپیاں۔ بھاوج اور چچیاں شامل ہوتیں۔ علامہ پلنگ پر لیٹے ہوتے اور مستورات تخت کے فرش پر ارد گرد بیٹھ جاتیں۔ علمی گفتگو کا تو اس محفل میں کیا ذکر بس اِدھر اُدھر کی ہلکی پھلکی باتیں ہوتیں۔ محلہ بھر کے قصے۔ برادری کے قصے بڑے شوق سے سُنتے۔ ایک مسکراہٹ اُن کے لبوں پر کھیلتی رہتی۔ بعض اوقات خود پوچھتے "اچھا ابے جی۔ فلاں ساس بہو کی لڑائی میں آپ نے کیسے صلح کرائی؟"

(روزگار فقیر جلد دوم صفحہ ۱۳۶)

"اقبال بحیثیت انسان" کی اس سے بہتر تصویر کشی نہیں ہو سکتی۔

فقیر وحید الدین صاحب کی کتاب سے ہی ہمارے مخدوم جناب ممتاز حسن صاحب اور سید امجد علی صاحب کی حضرت علامہ سے والہانہ عقیدت و ارادت کا پس منظر بھی پہلی بار معلوم ہوا۔

جناب فقیر سید وحید الدین صاحب سے ان کی اس قابل قدر کتاب کے سلسلہ میں ایک شکایت بھی ہے۔ جس نے حصہ دوم کے اختتام پر ہمارا سارا مزہ کرکرا کر دیا اور وہ غیر مطبوعہ کلام اقبال کا اندراج ہے۔ جس کلام کو علامہ نے خود ترک کر دیا تھا اور اپنی کتابوں میں اُسے جان بوجھ کر شامل نہیں کیا تھا، اس کو تحقیق مزید کے جوش میں بلا وجہ چھاپ کر ان کی عارفانہ اور مصلحانہ شہرت کو مجروح کیا گیا ہے علامہ کے متروک کلام کا بیشتر حصہ ان کو عام شعرا کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے۔ دراصل ہمیں علامہ کے صرف اسی کلام کی ضرورت ہی جس نے ان کو شہرت دوام بخشی ہے، نہ اس کلام کی جس سے ان کے پیغام اور زندگی کے حقیقی مشن کی تکذیب ہوتی ہو ہمیں توقع ہے کہ جناب فقیر سید وحید الدین صاحب ایسے تمام کلام کو آئندہ اشاعت میں نظر انداز کر دینگے۔ اسکا نسیا منسیا رہنا ہی

بہتر ہے۔

Marfat.com

سنہ ۱۹۶۵ء

اقبال کے تعلیمی نظریات

تصنیف : مسٹر محمد احمد صدیقی ایم۔ اے

کتاب زیر نظر کے مؤلف مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے تعلیم یافتہ ہیں اور ان کی زندگی کا خاص مشن یہ ہے کہ علی گڈھ تحریک کی اشاعت و توسیع اپنی زبان، اور قلم سے کرتے رہیں۔ آپ کی ذہنی نشو و نما علی گڑھ کی فضا میں ہوئی۔ خود ان کا قول ہے کہ "علی گڑھ کے مرغزاروں میں چھپا ہوا کانٹا بھی اس نیازمند کے لئے محرک فکر و عمل ثابت ہوا ہے" اکثر آپ کی زبان پر یہ شعر رہتا ہے ؎

علی گڑھ کی فضاؤں نے یہ سوزِ جاوداں بخشا
لگا رکھا ہے سینے سے متاعِ چشم گریاں کو

صدیقی صاحب ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو ادبی خدمات اور معارف پروری کے لئے مشہور رہا ہے۔ ساتھ ہی اس خاندان میں مردان عمل کی بھی کمی نہیں رہی۔ آپ کے مورث اعلیٰ سلطان محمد تغلق کے عہد میں ترکستان سے ہندوستان آئے اور منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ ان کے دادا قاضی زین العابدین کا شمار اپنے وقت کے جید علماء اور فضلاء میں ہوتا تھا۔ سرسید تحریک سے ان کا بہت قریبی تعلق رہا اور اکثر اہم معاملات میں مراسلت

Marfat.com

ہوتی تھی۔ مولانا حالی، ڈاکٹر عبدالحق مرحوم، نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی اور مولانا ابوالکلام آزاد آپ کی علمی قابلیت اور فارسی شاعری سے بالخصوص بہت متاثر تھے۔ آپ کے حقیقی پرنانا حافظ محمد وجیہہ الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت سید احمد شہید بریلوی کے ساتھ بالاکوٹ کے جہاد میں شریک ہوئے اور وہاں سے واپسی پر مجاہدین کے قافلہ کے ساتھ ٹونک آکر سکونت اختیار کرلی۔ ٹونک کے حکمرانوں نے آپ کی اور آپ کے اسلاف کی ہر طرح سے خدمت کی آپ کے والد قاضی منیر العابدین صاحب نے فارسی اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی اور بھوپال میں وحیدیہ اسکول کے سپرنٹنڈنٹ رہے، آپ ابھی بقیدِ حیات ہیں اور نہایت متقیانہ زندگی گزار رہے ہیں۔

محمد احمد صدیقی صاحب اس وقت کراچی میں ایک سرکاری اسکول سے منسلک ہیں اور فرائضِ مفوضہ سے وقت نکال کر تصنیفی اور تالیفی کام بھی جاری رکھتے ہیں۔ آپ نے اپنا پہلا تحقیقی مقالہ مولانا وحید الدین سلیم مرحوم پر جناب ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی زیر نگرانی مرتب کیا تھا۔ سہ ماہی رسالہ "العلم" میں آپ کے علمی اور تعلیمی مضامین کبھی کبھی چھپتے رہتے ہیں اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ پاکستان کے تعلیمی مسائل پر آپ کو خاص درک ہے۔ تعلیمی اصلاحات کے کمیشن کی سفارشات سے پہلے ہی آپ نے ان مسائل پر لکھنا شروع کردیا تھا۔ اقبال آپ کے مطالعہ کا خاص عنوان ہے اور اقبال کے فلسفۂ تعلیم سے آپ کو شغف ہے۔

Marfat.com

جب فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں صدر پاکستان نے تعلیمی اصلاحات نافذ فرمائیں تو آپ کو اس میدان میں اور زیادہ کام کرنے کا جذبہ پیدا ہوا تعلیمی کمیشن کی سفارشات کو عوام کے ذہن نشین کرنے کے لئے آپ نے بڑی محنت اور خلوص سے ان کی تشریح اور ترجمانی کرنے کے لئے کتابیں مرتب کیں۔ حال میں "پاکستان کا جدید قومی نظام" کے نام سے ایک نئی کتاب شائع کی ہے جس میں تعلیم کے مختلف مدارج، نظریات اور طریقہ ہائے تعلیم سے بحث کی گئی ہے غرض کہ پاکستان کے نظام تعلیم اور درسی و تدریسی پہلو پر آپ کے مضامین، تالیفات اور تصنیفات سے خاصا لٹریچر جمع ہو گیا ہے۔ جن سے تربیت پانے والے اساتذہ بخوبی استفادہ کر سکتے ہیں۔

کتاب زیر نظر "اقبال کے تعلیمی نظریات" بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔

جناب خواجہ غلام السیدین کی مشہور کتاب "اقبال کا نظریۂ تعلیم" علامہ مشرق کے تعلیمی افکار و خیالات میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اسی کی اساس پر صدیقی صاحب نے اس کتاب کو تالیف کیا ہے جو اکیڈیمی آف ایجوکیشن ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشن کانفرنس کے زیر اہتمام شائع کی جا رہی ہے یقین ہے صدیقی صاحب کی اس کامیاب کوشش کو قدر و قیمت کی نگاہ سے دیکھا جائیگا۔

Marfat.com

۱۹۶۶ء

انوار الصفا

(تالیف: مولوی خصلت حسین صاحب صابری)

کتاب انوار الصفا مولوی خصلت حسین صاحب صابری کی ایک قابل قدر اور لائق اعتنا تالیف ہے۔ جس میں مؤلف نے سب سے اوّل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس احادیث جو تمدّنی، معاشرتی اور اخلاقی نکات و رموز پر مشتمل ہیں تبرکاً و تیمناً زینت کتاب کی ہیں۔ بعد ازاں صحابۂ کبار اور تابعین و تبع تابعین اور برصغیر پاک و ہند کے اولیائے کرام و صوفیائے عظام کے مختصر حالاتِ زندگی، اقوال زرّیں اور ان کی عملی زندگی کے خاکے پیش کئے ہیں۔ اگرچہ صحابہ اور صوفیائے کرام کے حالات و واقعات پر بیشمار کتب زبانِ اُردو میں موجود ہیں اور اُن میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن موجودہ کتاب مولوی خصلت حسین صاحب کی پوری علمی زندگی کے مطالعہ کا حاصل ہے جس میں انہوں نے بکثرت جواہر پاروں کو فراہم کر کے اور اُن کو موجودہ کتابی شکل میں عوام و خواص کے فائدے کے لئے مرتب و طبع کرا کے ایک بڑے اجر و ثواب کا کام کیا ہے۔

ہمارے ملک پاکستان کو جس کی بنیاد ہی اسلامی نظریۂ حیات پر

Marfat.com

قائم کی گئی ہے ایسے لٹریچر کی اشد ضرورت ہے کیونکہ موجودہ زمانہ کے طلباء اور دفتری دنیا کے لوگ جاسوسی ناولوں یا جنسی خواہشات کو انگیز کرنے والے مغربی ادب سے ذوق رکھتے ہیں جس کے نتیجے میں اُن کا اخلاقی معیار روز بروز تنزل پذیر ہو رہا ہے، ان کے نزدیک اخلاق و تمدن کا معیار یورپ و امریکہ کی ہر بات کی کورانہ تقلید پر ہے۔ وہ مشرقی تمدن و اخلاق کو کم نگاہی سے دیکھتے ہیں اور تقلید مغرب کو سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں، ایسے مسموم ماحول میں اس قسم کی کتب کا شائع ہونا اور نوجوان طلباء کے زیر مطالعہ آنا تریاق کا اثر رکھے گا اور نوجوانوں کی بے راہ روی کے متعدی مرض کے لئے اکسیر ثابت ہوگا۔ ہماری موجودہ اور آئندہ نسلوں کی دینی اور دنیوی فلاح و بہبود صرف حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ و تابعین اور دیگر ائمہ و صوفیائے سلف کی تقلید و اتباع میں ہے نہ کہ یورپ و امریکہ کے اخلاقی اعتبار سے گم کردہ راہوں کی اقتداء میں ؎

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

فاضل مرتب کتاب، جدید تعلیم کے زیور سے آراستہ ہونے کے علاوہ فارسی ادب کے پرانے غواص ہیں، اس پر مستزاد موصوف نے دینی بالخصوص متصوفانہ لٹریچر کا وسیع و عمیق مطالعہ کیا ہے اس لئے ان کی کتاب زبان و بیان کے جملہ محاسن سے آراستہ ہے۔ فی زمانہ جبکہ کم علمی ہی ہر طرف کا غذی پیرہن میں ملبوس نظر آتی ہے جناب صابری صاحب

Marfat.com

جیسے صاحبِ نغز و مغز کی اس بلند پایہ کتاب کا منصّۂ شہود پر آنا بڑی ہی خوش نصیبی کی بات ہے، اُمید ہے کہ نوجوان طبقہ عموماً اور طالبانِ علم خصوصاً اس کتاب کے مطالعہ سے اپنی عملی زندگی کو سنوار کر سعادت دارین حاصل کریں گے۔

فاضل مصنف کی درجِ ذیل کتابیں بھی قابلِ مطالعہ و استفادہ ہیں:۔

۱۔ عرفان عزیز :۔ انتخاب کلام اردو حضرت محمد ولایت علی ولایت معروف بہ عزیز صفی پوری۔

۲۔ نغمۂ شفاعت :۔ انتخاب کلام فارسی حضرت محمد ولایت علی ولایت معروف بہ عزیز صفی پوری

۳۔ مخزن الولایت :۔ فارسی ملفوظات شاہ خادم صفی پوری محمدی پیر مرشد حضرت عزیز صفی پوری

اُردو ترجمہ :۔ مرتبہ حضرت عزیز رح

۴۔ تعلیمات شاہ مینا رح :۔ اقتباس فارسی ملفوظات شاہ مینا مسمیٰ بہ فوائد سعیدیہ، ترجمہ مجمع السلوک عربی

۵۔ دُرِ یُن :۔ الف بائے حضرت شاہ وجہن رح، سندیلوی تصوّف کے مسائل نظم معہ شرح شاہ خادم صفی محمدی صفی پوری

Marfat.com

۱۹۶۷ء

انشائیے

(تصنیف: فضل احمد صدیقی ایم۔ اے)

ہر زبان کی ترقی اور ارتقاء میں انشائیہ ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر ترقی یافتہ صالح ادب میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے یہ حقیقت ہے کہ زبان کو ہر قسم کے خیالات، جذبات اور احساسات کے اظہار کے قابل بنانے کے لئے اور اس کو ایک مخصوص اور منفرد انداز نگارش دینے کے لئے انشائیہ ایک ضروری آلہ ہے۔ انشائیہ کی خصوصیات یہ ہیں کہ نہ صرف مشاہدات و تجرباتِ ذاتی کو اختصار اور بلاغت کے ساتھ عام فہم زبان میں بیان کرے بلکہ صاحبِ نگارش کے دل و دماغ پر بیرونی مشاہدات کے جو اثرات پڑتے ہیں ان کی صحیح عکاسی کرے۔ انشائیہ درحقیقت نثر کی ایک اہم صنف ہے۔ انگریزی کا ایک مشہور نثر نگار ڈاکٹر جانسن (DR. JOHNSON) اس زبان کے ابتدائی انشائیہ نگاروں میں، تھا۔ اس کا خیال ہے کہ انشائیہ کے لئے کسی مربوط سلسلۂ خیال اور تسلسلِ افکار کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن انگریزی کے دوسرے مشہور انشائیہ نگاروں کے شاہ کاروں کو جب ہم پڑھتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں

Marfat.com

یہ خوبیاں بھرپور طریقہ پر پائی جاتی ہیں اور انہی کی بنا پر ان کی تخلیقات کو بقائے دوام حاصل ہوئی ہے۔ انشائیہ کی ہیئتِ ترکیبی اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ اُس میں گہرے تخیل اور سوچ بچار کا رنگ نہ بھرا جائے اور اظہار خیالات کے لئے سادہ اور براہِ راست، دل پر اثر انداز ہونے والی طرزِ نگارش اختیار نہ کی جائے۔

یورپ کے علمائے لسانیات و ادب کا خیال ہے کہ وہاں جدید انشائیہ نگاری کی ابتدا فرانس کے مشہور اہل قلم مانٹین (MONTAIGNE) نے کی، اس کو اپنی اس تخلیق پر ناز تھا اور اس کا یہ دعویٰ تھا کہ یہ ایجاد انسانی فطرت کے مقتضیات کی اشاعت کا ایک مفید اور دلچسپ ذریعہ ہے۔ مانٹین (MONTAIGNE) کی دماغی اختراعات انگلستان میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں اور ان کا اتباع بھی کیا جاتا تھا۔ چنانچہ، انگلستان کے انشائیہ نگار بیکن (BACON) کی تصنیفات میں مانٹین (MONTAIGNE) کی جھلک نظر آتی ہے۔

اٹھارویں صدی میں انگریزی ادب میں انشائیہ نگاری نے ایک نمایاں اور ممتاز حیثیت حاصل کرلی۔ اس کی ترقی اور ہر دل عزیزی میں انگلستان کی صحافت سے بڑی مدد ملی انگریزی رسالہ ٹیٹلر (TATLER)، اور اسپیکٹیٹر (SPECTATOR) کے صفحات میں اسٹیل (STEELE) اور ایڈیسن (ADDISON) برسوں متواتر اپنے مضامین شائع کرتے رہے اُن ہی کی تقلید میں چند اور رسالے جاری ہوئے جن کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کا راز

Marfat.com

یہی تھا کہ انہوں نے بعض بہترین انشائیہ نگاروں کو جنم دیا۔ گولڈ اسمتھ (GOLD SMITH) اور چیسٹر فیلڈ (CHETER FIELD) جیسے اساطینِ ادبِ انگریزی ان ہی موقّت البشوع رسالوں کے ذریعہ پبلک سے روشناس ہوئے۔ اور پھر نہ صرف انگلستان بلکہ ہر ملک کے انگریزی داں طبقوں پر اپنی قابلیت، زباں دانی اور فصاحت و بلاغت کا سکّہ بٹھا دیا بلکہ ان کے مضامین آج بھی انگریزی زبان کے بے نظیر ادب پارے شمار ہوتے ہیں۔ انیسویں صدی میں چارلس لیمب (CHARLES LAMB) نے انشائیہ نگاری کا ایک نیا نہج اختیار کیا۔ اس کے انشائیوں میں تخیّل، محاکات، وجدان اور شخصی تاثّرات کا دلکش امتزاج پایا جاتا ہے۔ یہی صورت اسٹیونسن (STEVENSON) کے انشائیوں کی ہے کہ ان کے زبان و بیان کی جاذبیت اور اظہار مطالب کے اسلوب کا جواب آج بھی نہیں ملتا۔ ایک اور انشائیہ نگار ہیزلِٹ (HAZLITT) اس لئے قابلِ یادگار ہے کہ اس نے اپنے انشائیوں سے ادبی تنقید کا کام لیا۔ انیسویں صدی کے ادیبوں میں میکالے (MACAULAY) کا مرتبہ بھی بہت بلند ہے، اس نے انشائیہ کے میدان کو بہت وسعت دی۔ اب تک انشائیوں کی امتیازی حیثیت یہ تھی کہ لکھنے والے کے ذاتی مشاہدات و تجربات نیز جذبات زیادہ تر نفسیاتی تقاضوں پر مشتمل ہوا کرتے تھے لیکن میکالے نے انکو ذاتیات کی ترجمانی سے بڑی حد تک آزاد کر دیا۔ اس نے تاریخ۔ سیاسیات۔ ادب۔ تنقید غرض ہر چیز کو جو عوامی مفاد سے تعلق رکھتی تھی انشائیہ

Marfat.com

میں سمو دیا اور اس صنفِ ادب کی افادیت کو ہمہ گیر بنا دیا۔

ممالک متحدہ امریکہ میں بھی انیسویں صدی عیسوی میں اس صنفِ ادب میں نمایاں ترقی ہوئی۔ تھوریو (THOREAU) اور ایمرسن (EMER-SON) نے بڑے معرکہ کے انشائیے لکھے ہیں جو تخیّل کی بلندی اور حُسنِ ادا کے بہترین نمونے ہیں

ہماری زبان اُردو کی ابتدا نظم سے ہوئی، اس کی پرورش اور ترقی شاہوں اور نوابوں اور درباری امراء کے ایوانوں میں ہوئی، اس ماحول، میں صرف قصائد نگاری اور نظم نویسی ہی پروان چڑھ سکتی تھی جس کے ذریعہ صاحبانِ ثروت اور اربابِ دولت کی مدح سرائی اور ثنا خوانی کر کے جلبِ زر کی صورتیں پیدا ہو سکتی تھیں۔ یا نثر میں داستان سرائی کے ذریعہ اپنے مربیوں اور ممدوحوں کی تفریحِ طبع اور وقت گذاری کے سامان مہیّا کئے جا سکتے تھے اس لئے اُردو نثر کے فروغ اور ترقی کے لئے جن اصنافِ ادب پر توجہ کرنے کی ضرورت تھی ان کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ البتہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں فورٹ ولیم کلکتہ میں اُردو کے ادیبوں اور اہلِ قلم کو انگریزی حکام نے اپنے سیاسی اور سامراجی مفاد کے پیش نظر اکٹھا کیا اور اُن کو ادبی مشاغل پر لگا دیا۔ ان کی کوششوں سے اُردو نثر نگاری کے نئے اُسلوب پیدا کئے گئے۔ زبان کو مبالغہ، تصنع اور غیر ضروری فارسی کی، تقلید نیز تشبیہ و استعارہ کی بھر مار سے پاک کرنے کی ابتدا کی گئی۔ مغربی

Marfat.com

اُدباء و مصنّفین کی طرزِ انشا پردازی اور نئی فنّی، سائنسی اور قانونی مصطلحات و موضوعات سے ہندوستانی اہلِ قلم کو متعارف کیا گیا۔

اُردو کی اس تہذیب اور تشکیلِ نو کی مکمّل جھلک غالب کی نثر اور بالخصوص سرسیّد رح کے مضامین میں نظر آتی ہے جو اُردو میں انشائیہ نگاری کی ابتدائی لیکن کامیاب کوشش کے طور پر ہمیشہ قدر و مقبولیت کی نگاہوں سے دیکھی جائے گی۔ سرسیّد نے اپنی تخلیقات انیسویں صدی کے وسط سے کچھ پہلے شائع کرانا شروع کی تھیں۔ اس مصلحِ اعظم اور مسلمانوں کے قومی نشاۃِ ثانیہ کے بانی نے پسماندہ زبان اُردو میں ترقی کی روح پھونکنے اور اس کو برِصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے سیاسی و ثقافتی ورثہ کے بارِ امانت کو سنبھالنے کے قابل بنانے کے لئے اس کو جملہ صفاتِ ادب سے مالا مال کیا۔ چنانچہ سائنس اور دیگر جدید علوم کو اس زبان سے منتقل کرنے کے علاوہ انہوں نے انشائیہ نگاری کے بہت اعلیٰ نمونے اس زبان کو دیئے۔ رسالہ "تہذیب الاخلاق" میں سرسیّد اور اُن کے احباب نے مسلسل اعلیٰ قسم کے مضامین لکھے جو اب بھی اُردو ادب کے شہ پارے سمجھے جاتے ہیں، سرسیّد نے اپنی ذاتی کوشش کے علاوہ اُردو کی خدمت کے لئے علّامہ سلیم پانی پتی جیسے بہترین لکھنے والے بھی اپنے گرد جمع کئے جن کی ادبی کوششوں نے زبان کو ترقی کے اعلیٰ مقام پر پہونچا دیا۔ سرسیّد اور اُن کے رفقاء کے انشائیوں میں وہ تمام ادبی و فنّی خوبیاں پائی جاتی ہیں جو اس عہد کے

Marfat.com

انگریزی اور امریکی اہل قلم کی تخلیقات میں پائی جاتی تھیں۔ اس کے ماسوا، ان کے انشائیوں میں زبان کی سادگی اور شگفتگی، طرزِ بیان کی صفائی اور بیساختگی نیز مقصد کی وضاحت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا شبلی نے انشائیہ نگاری کو میکالے کی طرح بڑی وسعت دی اور ہر قسم کے مضامین کو ان میں سمیٹنے کی کامیاب کوشش کی۔ مہدی الافادی اور سجاد حیدر یلدرم بھی اردو انشائیہ نگاروں کی فہرست میں امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن اس خصوص میں خواجہ حسن نظامی کو بھی ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ وہ ایک صاحبِ طرز انشاء پرداز ہونے کے علاوہ صحیح معنی میں مصوّر فطرت تھے، سر شیخ عبدالقادر۔ قاضی عبدالغفار۔ حکیم احمد شجاع۔ مولانا عبدالمجید سالک۔ میاں عبدالعزیز فلک پیما۔ نیاز فتحپوری۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی۔ مولانا عبدالماجد دریابادی اور پیر علی محمد راشدی نے بھی اردو کے انشائیہ ادب کو بہت کچھ دیا ہے۔

انگریزی اور اردو کے متذکرۂ بالا لکھنے والوں ہی کی مسلسل کاوش کی بدولت ثانوی اور اعلیٰ مدارج کے نصاب میں انشائیہ نگاری (EASSAY WRITING) بطور ایک لازمی مضمون ہمیشہ داخل رہی جس کے نتیجہ میں ہماری درس گاہوں سے ایک اچھے نوجوان لکھنے والوں کی کھیپیں کی، کھیپیں نکل رہی ہیں۔

Marfat.com

ان نوخیز زیر تعلیم اور فارغ التحصیل نوجوانوں کے مطالعہ کے لئے ہی جناب فضل احمد صدیقی ایم۔ اے کی یہ کتاب "انشائیے" اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی جانب سے پیش کی جارہی ہے صدیقی صاحب ایک پرانے صحافی اور کہنہ مشق ادیب ہیں انہوں نے شاملِ کتاب قریب قریب ہر ایک مضمون میں اُن آداب کو ملحوظ رکھا ہے جو ایک انشائیہ کے لئے لازم ہیں۔ اپنے نتائجِ فکر اور مشاہدات کو وہ سیدھی سادی مگر انتہائی شگفتہ زبان میں اس طرح ادا کرتے ہیں کہ قاری بہت کچھ سیکھنے کے باوجود طبیعت پر کوئی بار محسوس نہیں کرتا۔ کسی بھی شخص۔ چیز یا مقام کی تفصیل اس کی جملہ جزئیات کے ساتھ بیان کرتے ہیں تو اس کی ایک رنگارنگ تصویر سی کھینچ کر رکھ دیتے ہیں۔ مثلاً بمبئی کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"اگر آپ بمبئی کے نقشہ پر ایک نگاہ رندانہ ڈالیں،
تو بالکل ایک بادہ کش کے ہات سے چھوٹی ہوئی
بوتل کے مانند پایئے گا"

بمبئی ہی کے بارے میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔

"بمبئی کیا ہے ایک جامِ جہاں نما ہے جس میں تماشا
گاہِ عالم کے سب کردار۔ سب منظر اور سب
معاملے دیکھ لیجئے"

صدیقی صاحب کے الفاظ میں کراچی کا حال بھی سنئے:۔

"اب سے چند سال پہلے اوّل اوّل کراچی نظر آیا۔

Marfat.com

تو بلندیوں میں صرف کوہان اور طوالتوں میں صرف چند سڑکوں کا جال دیکھنے میں آیا تھا۔ نیز تجلّیوں کی جستجو میں طوقِ زرّیں اور تجلی گاہوں کے بطور گردنِ خر بھی۔ لیکن ترقیوں کی عمر دراز اب کچھ اور ہی نقشہ نظر آتا ہے۔ طوقِ زرّیں کے قریب پالان بھی ہیں۔ اور گردن خر کی جگہ تازی پشت بھی۔ طوالتوں میں وہ برکت ہوئی ہے کہ اونٹ کا تو سڑک پر سے گذرنا برحق تھا ہی۔ خود سڑک کو بعض اوقات کوہانوں پر سے گذرنا پڑتا ہے، یعنی کسی نہ کسی مشاق ساربان کے ناقے کا بے مہار ہو جانا یا بیچ چوراہے کسی کروٹ بیٹھ جانا معمولی بات ہے۔ تاہم وقت کا ٹریفک روکے نہیں رُکتا۔ روکے کون جب سبھی رفتار کے متوالے ہیں "

"بھکاری" کے باب میں کیا خوب لکھا ہے:۔

"بھکاری کیا ہیں، ہرفن مولا، شعر گھڑنے پر آئیں تو انگلستان کے گولڈ اسمتھ سے لیکر ہمارے یہاں کے میر۔ غالب و اقبال تک سب کا قافیہ تنگ کردیں، گلے بازی کریں تو بڑے سے بڑے شاعرِ شباب کا گلا بول جائے۔ تانیں لینا اور راگنیاں الاپنا

Marfat.com

شروع کریں تو اچھے سے اچھے تاناشاہ پر غشی طاری ہو جائے۔"

الغرض آئندہ اوراق میں آپ کو اسی قسم کی ژرف نگاری کے نمونے کثرت اور بہتات کے ساتھ بکھرے ہوئے ملیں گے اور آپ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجا ست

Marfat.com

حصّہ دوم

مقالات

Marfat.com

Marfat.com

سرگزشت محمد علی خاں بریلوی عرف جیمی گرین

۱۸۵۷ء کے افسوسناک ہنگامہ کے چشم دید واقعات اور پُراثر روائیتیں اکثر انگریزوں نے یادداشتوں اور سرگزشتوں کے نام سے چھاپی ہیں چنانچہ ایک انگریز فوجی افسر فوربس میچل نے بھی جو کانپور اور لکھنؤ دونوں جگہ کے معرکوں میں شریک تھا اپنے روزنامچہ سے ایک کتاب مرتب کر کے شائع کی تھی، یہ کتاب میسرز میکملن اینڈ کو کے یہاں چھپی تھی اور اُس کے ایک حصّہ کا اُردو ترجمہ جو محمد علی خاں عرف جیمی گرین کے حالات پر مشتمل ہے منشی محمد شفیع الدین خاں مرادآبادی نے جولائی ۱۸۹۶ء میں شائع کیا تھا۔

اصل انگریزی کتاب اور یہ ترجمہ اب قریب قریب ناپید سا ہے لیکن ہمارے معزز دوست مفتی محمد انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی نے جو کمیاب چیزوں کی فراہمی میں مہارت رکھتے ہیں ازراہِ "مصنّف" نوازی یہ تحفہ ہمیں مرحمت فرمایا جس کو اس خیال سے کہ یہ اوراق نادرہ محفوظ ہو جائیں مصنف میں شائع کیا جا رہا ہے۔ انشاءاللہ آئندہ بھی "تاریخی نوادر" کی اشاعت کا یہ سلسلہ جاری رکھا جائے گا۔ (مصنّف علیگڈھ۔ فروری ۱۹۴۲ء)

سرِ سیدراس مسعود

مولوی عبدالحق صاحب اُردو ادب کے بہترین نقّاد ہیں، اس لئے خود بھی بڑی محنت وجانکاہی اور پوری احتیاط کے ساتھ بے عیب اُردو لکھتے ہیں، موصوف ایک اچھوتے طرزِ نگارش کے موجد ہیں۔ جس میں شیرینی۔ سلاست۔ روانی۔ لطفِ زبان اور بیساختگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔

Marfat.com

بعض اوقات غیر مانوس اور وحشی الفاظ و تراکیب سے ایسا کام لے لیتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے اور پھر جو چیز مولوی صاحب کے قلم سے ایک دفعہ نکل جائے نا ممکن ہے کہ دُنیائے ادب میں ہمیشہ کے لئے سند اعتبار حاصل نہ کرلے۔

مولوی عبدالحق صاحب کی تحریر میں جوش ولولہ اور سوز و گداز بھی بدرجۂ اتم ہوتا ہے اور اس اعتبار سے اُردو نظم میں جو درجہ میر انیس کا ہے اُردو نثر میں اُسی مرتبہ پر مولوی صاحب فائز ہیں۔

ذیل کا مضمون جو مولوی صاحب نے مرحوم راس مسعود صاحب پر اپنے قلب کے انتہائی گہرے اور سچے تاثرات سے رسالہ اُردو کے "مسعود نمبر" بابتہ اکتوبر ۳۷ء میں سپرد قلم فرمایا تھا۔ راقم السطور کی ناچیز رائے میں اُن کی طرز انشاء اور اسلوبِ نگارش کا بہترین نمونہ ہے۔ موضوع بھی ہر لحاظ سے قابلِ احترام ہے۔ ایسا جامع اور درد انگیز "منثور مرثیہ" شاید ہی کبھی کسی نے کسی کے لئے لکھا ہو۔ مثلاً مضمون کا آخری فقرہ۔

"پنچھی اُڑ گیا پرڈالی ابھی تک جھول رہی ہے!"

سبحان اللہ کیا جادو نگاری ہے۔ (مصنف علیگڈھ۔ دسمبر ۱۹۴۳ء)

خطوط بنام ڈاکٹر مولوی عبدالحق

(کل ہند) انجمن ترقی اُردو کا تقسیم ملک کے بعد جب چراغ گل ہونے لگا تو انجمن کا بہت کچھ پچاس سالہ سامانِ دفتر اور ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کا کافی ذاتی سرمایۂ علم و ادب بھی دستِ بُرد اغیار

Marfat.com

کا شکار ہو گیا۔ یہ دردانگیز داستان بہت طویل ہے، بہرحال کسی نہ کسی طرح انجمن علی گڈھ میں منتقل ہوئی۔ اور راقم کی دیرینہ خواہش اور کوشش سے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر دفتر کی عمارت سلطان جہاں منزل اس کا مستقر قرار پائی۔ ہزارہا مطبوعہ اور قلمی کتابوں، سیکڑوں رجسٹروں اور فائلوں نیز متفرق کاغذات کا ایک انبار بارہ ٹرکوں میں آیا۔ سکھ ڈرائیور بڑی بیدردی سے عمارت کے پاس سڑک اور برآمدے کی سیڑھیوں پر ان سب چیزوں کو پھینک کر چلے گئے۔ جناب قاضی عبدالغفار صاحب جدید ناظم انجمن اور اُن کے رفقاء کئی ماہ کی محنت شاقہ کے بعد کتب خانہ اور دفتر کو ترتیب دے سکے۔ صبح سے شام تک کاغذات چھانٹے جاتے اور رات کو ردّی کا ڈھیر نذر آتش کیا جاتا۔ یہ عمل ہفتوں جاری رہا ہے۔ جلنے والی ردّی میں سے جب میرا اُدھر کو گذر ہوتا تو جو چیز میرے مطلب کی ہوتی مجھے مرحمت ہو جاتی۔ میری یہ فتوحات ۳۰ خطوط پر مشتمل ہیں۔ جو مشاہیر ملک اور نامور اہل علم و ادب نے جناب مولوی صاحب کو وقتاً فوقتاً تحریر فرمائے تھے۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

نواب صدر یار جنگ بہادر (۱۲) ڈاکٹر برکت علی قریشی (۳) ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم (۱)، سر سیّد راس مسعود (۱)، حافظ محمود شیرانی (۱) سیّد افتخار عالم مارہروی (۲)، ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری (۱)، صفدر مرزاپوری (۱)، مرزا فرحت اللہ بیگ (۱)، ریاض خیرآبادی (۱)، علامہ سلیم پانی پتی (۱)، ڈاکٹر مختار احمد انصاری (۱)، سر سیّد علی امام (۱)، مولینا عبدالماجد دریابادی (۳)

Marfat.com

نواب عماد الملک سید حسن بلگرامی (۱)، مولوی عبدالعزیز فلک پیما (۱) سر تیج بہادر سپرو (۱)، پنڈت سندر لال (۱)، گاندھی جی (۲)

العلم کی اس اشاعت میں بالفعل ہم نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم و مغفور کے مکاتیبِ گرامی شائع کر رہے ہیں۔ اگر مولوی عبدالحق صاحب قبلہ نے ہماری اس خدمت کو ناپسند نہ فرمایا تو متذکرۂ بالا بقیہ خطوط بھی آئندہ اشاعت میں نذرِ ناظرین کیے جائیں گے۔

دُنیائے علم و ادب میں ڈاکٹر نواب صدر یار جنگ بہادر مولنا محمد حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کا جو مقام ہے نیز حال ہی میں "غبارِ خاطر" اور "کاروانِ خیال" سے جو شہرت دوام ان کو حاصل ہوئی اس کی بنا پر ایک ہی مکتوب الیہ کے نام اُن کے بارہ خطوط کا مجموعہ ایک نادر سرمایہ سے کم نہیں۔ علاوہ بریں مکتوب الیہ بھی ایک معرکہ کی شخصیت ہیں اس لئے قلم کی شوخی، خیالات کی نُدرت اور حُسنِ بیان کی رفعت قابل دید ہے۔ نواب صاحب اپنی تحریر میں اختصار و ایجاز کے بادشاہ تھے۔ اس خصوصیت کو نگاہ میں رکھ کر اگر خطوط کو دیکھا گیا تو ان کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔

(العلم، کراچی۔ جولائی ۱۹۵۱ء)

— "العلم"، کی گزشتہ اشاعت میں (کل ہند) انجمن ترقی اُردو کے دہلی میں برباد ہونے کے بعد اُس کے اُجڑے ہوئے دفتر سے حاصل شدہ ۳۶ خطوط میں سے ہم نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی مرحوم و مغفور کے بارہ خطوط بنام ڈاکٹر مولوی عبدالحق

Marfat.com

شائع کر چکے ہیں ——— جنکو ناظرین "العلم" نے بہت پسند کیا اور جن کی علمی وادبی لطافت کی تعریف میں ہمارے پاس کافی اچھی اچھی تحریریں موصول ہوئی ہیں۔

مکتوب الیہ جناب ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب قبلہ نے بھی اُن پر کسی قسم کا اظہار ناپسندیدگی نہیں فرمایا۔ اور موصوف کی خاموشی ہمارے لئے نیم رضا کا کام کر گئی ۔ اب ہم زیر نظر شمارہ میں خطوط کی دوسری قسط پیش کر رہے ہیں۔

اس دوسری قسط کے سلسلے میں حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے ایک انتباہ نے البتہ ہمیں بہت کچھ پس وپیش میں مبتلا ئے رکھا۔ لیکن چونکہ ہمارا مقصد علمی وادبی خدمت ہے اس لئے حضرت موصوف کے مکاتیب بار بار مطالعہ کے بعد بھی ہمیں قابل اشاعت ہی نظر آئے اور بفضلہٖ اُن میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو مکتوب نگار یا مکتوب الیہ، کے وقار کو کسی نوع سے ٹھیس پہنچانے والی ہو۔

ہر ایک زبان کے ادب میں مشاہیر کے بیساختہ لکھے ہوئے پرائیویٹ خطوط کو ہمیشہ خاص اہمیت حاصل رہی ہے اور دراصل بلاارادہ قلم سے نکل جانے والی چیزوں سے ہی کسی فن کار کے کمالِ فن کا پتہ چلتا ہے۔ مثلاً نواب صدر یار جنگ بہادر جیسے عالم بے بدل اور ادیبِ شہیر کے اس اعتراف نے کہ

"مقدمہ نگاری کا اگر کچھ سلیقہ ہے تو وہ آپ ہی سے

Marfat.com

سیکھا ہوا ہے"

"مقدمات عبدالحق" کی قدر و قیمت کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا اور ناممکن ہے کہ ایک یا ایک سے زیادہ بار پڑھ چکنے کے باوجود اس کتاب کو از سرِ نو نہ پڑھا جائے۔

لیکن پرائیویٹ خطوط کی اشاعت کرنے والے ایڈیٹر کی ذمہ داری بہت سے نازک مرحلوں سے بھی گذرتی ہے اور کوئی شخص اُن کو بے محابانہ چھاپ کر واقعی ملک و ملت یا علم و ادب کی کوئی مفید خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ اس حد تک ہمیں حضرت مولانا عبدالماجد صاحب کی رائے گرامی سے کامل اتفاق ہے۔ ("العلم" کراچی، اکتوبر ۱۹۵۱ء)

ہم نے ہندوستان میں کیا چھوڑا؟ آثارِ اکبرآباد

مشہور مؤلف جناب مفتی محمد انتظام اللہ صاحب شہابی آگرہ کے رہنے والے ہیں، ساری عمر بادشاہوں کے اسی اُجڑے دیار میں گذری۔ بچہ بچہ سے واقف۔ گلی گلی، کوچہ کوچہ سے آشنا۔ خصوصیت سے تاریخی عمارات کے عاشق۔ جب کسی اہل دل ذی علم کو آگرہ جانا ہوتا مفتی صاحب کو تلاش کرتا اور اپنا راہ نما بنلاتا۔ موصوف اپنی بیگماتی زبان میں تاریخی حوادث و آثار کو کچھ ایسے تاثر سے بیان کرتے کہ خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رُلاتے۔ یہ زیادہ رونا بھی بڑا نحس ہوتا ہے۔ آخر کو غریب الدّیار ہو گئے۔ اور آج ہمارے مفتی صاحب عروس البلاد کراچی کی تعلیم گاہوں۔ کتاب خانوں۔ تاجروں۔ ناشرانِ کتب

Marfat.com

اور اہلِ علم حضرات کے، دانش کدوں، میں بقول حضرت علّامہ سیّد سلیمان ندوی صاحب ؒ

من قماش فروشِ دل صد پارهٔ خویشم

نظر آتے ہیں۔ زندگی بھر کا شغلِ تصنیف وتالیف جاری ہے کبھی کبھی ریڈیو پر بھی سننے میں آتے ہیں لیکن ہر سانس میں ارضِ تاج اور اُس کی اگلی صحبتوں کی یادیں خود بھی تڑپتے ہیں اور اپنے نیاز مندوں کو بھی تڑپاتے ہیں۔ اس مستقل اذیتِ روحانی کا ایک ہی علاج سمجھ میں آیا کہ جو کچھ مفتی صاحب زبانی ارشاد فرماتے ہیں وہ ان سے "العلم" کے واسطے لکھوالیا جائے۔ چنانچہ جب سے آپ نے ہمیں یہ مضمون عنایت کیا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا کہ موصوف کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔

مفتی انتظام اللہ صاحب کی طرح دوسرے دردمندانِ ہند سے بھی التماس ہے کہ وہ اپنے اپنے علم ومشاہدہ کے تاریخی آثار، علمی نوادر اور تعلیمی یادگاروں کی ایک یادداشت، مرتب فرمائیں۔ تاکہ آئندہ ہماری وہ نسلیں جنہوں نے پاکستان میں آکر آنکھ کھولی ہے بروقتِ ضرورت مطلع ہو سکیں کہ "ہم نے ہندوستان میں کیا چھوڑا"۔ ("العلم" کراچی۔ جولائی ۱۹۵۱ء)

وادی نیل سے وادی نجد تک

ہمارے فاضل دوست جناب مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی صاحب کا مقالہ" انیسویں صدی کا تمدن طلسم ہوشربا کے آئینہ میں" جولائی کے "العلم" میں شائع ہوا تو ایک معزز ہمعصر نے اس کی تعریف کرتے ہوئے

Marfat.com

لکھا کہ یہ "مقالہ کافی محنت سے لکھا گیا ہے" درانحالیکہ واقعہ صرف اس قدر تھا کہ یوں ہی چلتے چلاتے بندر روڈ (کراچی) پر ایک روز ہاشمی صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ ہم نے خود مذکورہ عنوان پر ان سے لکھنے کو کہا اور بس تیسرے ہی روز چالیس ہزار صفحات کی اس عجیب و غریب داستان پہ ایک بھاری بھرکم مگر ساتھ ہی انتہا درجے دلچسپ مضمون لکھ کر ہاشمی صاحب نے ہمارے حوالہ کر دیا۔

مولانا ہاشمی سے دیرینہ نیازمندی ہے' ان کی ذہانت و طبّاعی، حافظہ، تبحّر علمی اور صحافتی و تجارتی کارناموں سے ہمیں تفصیلی واقفیت ہے، لیکن اس قدر زود نویسی کا تجربہ نہ تھا۔ چنانچہ ایک معیاری اور دلچسپ مضمون ایسی آسانی سے ملتے ہی ہمارے منہ کو خون لگ گیا اور سہ ماہی "العلم" کے لئے ہر ہفتے ہم نے ان سے بڑے بڑے عجیب اور (کتابوں کی کمیابی کے باعث) مشکل عنوانوں پر مضامین کی فرمائش شروع کر دی اور لطف یہ کہ کیا مجال جو کثرتِ کار اور ہجوم افکار کے باوصف ہاشمی صاحب کی خوش دلی میں ذرا بھی فرق آجائے یا ایک دن کو بھی تعمیلِ فرمائش ملتوی ہو جائے۔ ایک مضمون "عہدِ جاہلیت میں عرب مملکتیں" تیار ہوگیا۔ دوسرا مضمون "تاریخ داستان گوئی" پہ لکھا گیا۔ تیسرا مضمون "دینِ الٰہی کے اثرات مابعد" پر مرتب ہوگیا۔ چوتھا مضمون "علامہ سید سلیمان ندوی کی شاعری" پہ موجود ہے اور اب یہ دو سو صفحات کا پانچواں مضمون "وادئ نیل سے وادئ نجد تک۔ ایک علمی سفر" ہمارے ہاتھ میں ہے۔ جس کا ایک حصہ بطور نمونہ

Marfat.com

نذرِ ناظرین کیا جا رہا ہے۔ (العلم کراچی۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء)

"خواجہ غلام فریدؒ کی شاعری"

سندھ کے مشہور صوفی شاعر حضرت شاہ عبداللطیف کی طرح ریاست بہاولپور اور اس کے نواح شمالی سندھ اور جنوب مغربی پنجاب میں خواجہ غلام فرید صاحب کا ملتانی زبان میں متصوّفانہ و عارفانہ کلام زبان زد عام و خاص ہے۔ آپ اس علاقہ کے سب سے زیادہ مقبول شاعر ہیں۔ آپ کے کلام کو ایک نہایت ہی پر اثر لحن کے ساتھ پڑھا اور گایا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ کا شمار بلند پایہ اولیا اللہ میں بھی ہے چنانچہ آپ کے سلسلہ کے لاکھوں مُرید اور متبع ہیں۔ نواب سر صادق محمد خاں رابع سابق فرماں روائے ریاست بہاولپور بھی آپ سے بیعت تھے۔ اسی شاہانہ عقیدت کی بناء پر ریاست کے موجودہ حکمراں الحاج سر صادق محمد خاں عباسی خامس نے خواجہ صاحب کا دیوان مع شرح (اُردو) کمالِ اہتمام سے زیورِ طبع سے آراستہ کرایا ہے۔ یہ مُشرح و مصوّر دیوان مرتبہ دبیر الملک الحاج محمد عزیز الرحمٰن صاحب مرحوم ۸۶۸ صفحات پر مشتمل ہے اور پڑھنے کی چیز ہے۔

زیر نظر مقالہ ہماری خصوصی فرمائش پر جناب صاحبزادہ نور الزماں، احمد صاحب بی، اے خلف جناب میجر شمس الدین محمد صاحب سابق وزیر تعلیم بہاولپور نے سپردِ قلم فرمایا ہے، جس کی اشاعت سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ غیر ریاستی حلقے بھی کلامِ خواجہ فرید سے متعارف ہو جائیں۔ صاحبزادہ

Marfat.com

صاحب موصوف خود بھی نہایت ذہین و طبّاع شاعر ہیں اور ساتھ کے ساتھ بہت اچھا ذوق علمی رکھتے ہیں جس کا یہ مقالہ آئینہ دار ہے۔

حضرت خواجہ غلام فرید صاحب ۱۲۶۱ھ میں بمقام چاچڑان پیدا ہوئے اور ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں آپ کا وصال ہوا۔

(العلم کراچی۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء)

اسلام کا معاشی نظام

"العلم" کی سابقہ اشاعت میں ہم نے اپنے فاضل دوست ڈاکٹر قاضی عبدالحمید صاحب کا خیر مقدم کیا تھا۔ زیر نظر اشاعت میں دلی شادمانی کے ساتھ ہم اپنی علمی برادری کے ایک دوسرے محب خاص جناب ڈاکٹر احسان محمد خاں کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔ اور آپ کے افکارِ عالیہ سے ناظرین العلم کو متعارف کرانے کی مسرّت حاصل کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۲۹ء میں علیگڑھ سے اکنامکس میں ایم اے کیا ۱۹۳۱ء میں لیڈس یونیورسٹی سے اسی مضمون میں پی۔ ایچ۔ ڈی کیا، اس کے بعد آپ ریاست رامپور میں عرصہ تک وزیر مالیات رہے اور اب وہاں سے وظیفہ یاب ہو کر کچھ عرصہ ہوا عروس البلاد کراچی میں تشریف لے آئے ہیں ڈاکٹر احسان محمد خاں صاحب نے وزارت رامپور کی مصروفیات کے باوصف تصنیف و تالیف کے صالح کام کو ہمیشہ جاری رکھا۔ چنانچہ آپ کی کتابیں (۱) تمدّن یورپ (۲) ہندوستان کی اقتصادی تعمیر (دہ سالہ) (۳) دنیا کے مسائل اور اسلامی اقتصادیات اور (۴) "ورلڈ پرابلمس اینڈ مسلم

Marfat.com

اکنامکس" شائع ہو کر کافی مقبول ہو چکی ہیں۔ آخر الذکر کتاب کا دوسرا پاکستانی ایڈیشن زیر طبع ہے اور اسی کے ایک حصّہ کا اُردو ترجمہ ذیل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تین اور کتابیں "عورت اور اس کا مرتبہ اور دائرہ عمل"، "اسلام کا معاشی نظام" اور مشرقی و مغربی تہذیب[۱]" بھی بحمد اللہ زیر طبع ہیں۔ (العلم کراچی، جنوری ۱۹۶۲ء)

تعلیم انسانی تعلیم کا ایک اصولِ عمل" ہے، اس کا یہ مفہوم ہے کہ زندگی کی اصل عمل ہے۔ عمل پر ہی کائنات کی بقا اور نشو و نما منحصر ہے، عمل کے بعد علم کا درجہ آتا ہے۔ آج تک یہ ہوتا آرہا تھا کہ پہلے طلبا کو نظری علم دیا جاتا تھا اور اس کے بعد عمل کی طرف متوجہ کیا جاتا تھا۔ یہ چیز غیر فطری تھی اس لئے اس کے نہایت مضر اثرات مرتب ہوئے۔ طلباء باوجود نظری حیثیت سے بہت کچھ جاننے کے بھی کسی کام کو اچھی طرح انجام نہیں دے سکتے تھے، حالانکہ تعلیم کا اصل مقصد یہی ہے کہ انسان زندگی کے عملی مقاصد میں کامیاب ہو، اس اصول کے ذریعہ پہلے طلباء کو کسی کام میں مصروف کرایا جاتا ہے۔ کام کے دوران میں جب اسے مختلف قسم کے علم کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تب اسے ان اشیاء کا علم کرایا جاتا ہے پہلے علم کی ضرورت محسوس کرائی جاتی ہے تب کہیں اسے فراہم کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ علم سچا علم ہوتا ہے اور نفس انسانی میں خوب راسخ ہو جاتا ہے طالب علم عمل کے ذریعہ اس قسم کے

---

[۱] یہ کتاب ۱۹۶۲ء میں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس نے شائع کی ہے۔

Marfat.com

حاصل کردہ علم کو کبھی نہیں بھولتا، وہ اس کی زندگی کا ایک جزو بن جاتا ہے اس کے خلاف وہ تمام معلومات جو بغیر کسی ضرورت کے ذہن انسانی میں صرف امتحانات پاس کرنے کے لئے ٹھونس دیجاتی ہیں وہ امتحانات کے ختم ہوتے ہی فوراً غائب ہوجاتی ہیں۔ ان کا زندگی پر کسی قسم کا بھی اثر باقی، نہیں رہتا، بلکہ بغیر ضرورت کے اس قسم کی معلومات سے ذہنِ انسانی پر بوجھ پڑتا ہے، جس سے اس کی فطری صلاحیتوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل جناب ڈاکٹر قاضی عبدالحمید صاحب کے اس مضمون میں ملاحظہ فرمایئے۔ (العلم کراچی۔ جنوری ۱۹۵۲ء)

شمس العلما مولینا حالی

یکم جنوری ۱۹۵۲ء کو انجمن ترقی اُردو کے اُردو کالج میں "یوم حالی" منایا گیا جس میں جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک بہت ہی اچھا مقالہ پڑھا جس وقت ہم اسے سن رہے تھے تو دل میں خیال میں آیا کہ کاش یہ مقالہ "العلم" کے لئے ہمیں مل جاتا لیکن ہر چند غور کیا۔ حُسن طلب قسم کا کوئی عنوان سمجھ میں نہ آیا۔ کیونکہ مولوی صاحب کے خود اپنے رسائل ہیں ؎ "خویش سے بچے تو درویش" کو ملے مگر یہ دُنیا مسافر نواز کی طرح "درویش نواز" سے بھی خالی نہیں ہے۔ لہذا ایک دن یہ ہوا کہ ہم یوں ہی توکل بخدا بیٹھے تھے کہ جناب مولوی محمد امین زبیری صاحب دفتر کانفرنس کی طرف آنکلے، آتے ہی فرمایا۔ "مولانا حالی پر ایک مقالہ لکھا ہے، کیا اسے چھاپ دیں گے"؟ معاً زبان سے نکلا سبحان اللہ! اب جو زبیری صاحب

Marfat.com

کے مقالہ کو پڑھا تو اس کو مولوی صاحب کے مقالہ سے کسی طرح کم درجہ کا نہ پایا۔ کیوں نہ ہو! ہمارے زبیری صاحب نہ صرف مولوی صاحب کے ہم عمر اور ۵۰ سال کے پرانے رفیق خاص ہیں بلکہ حالی پرستی، میں بھی ان سے کسی طرح کم نہیں ہیں، علاوہ بریں ان کا مرتبۂ تصنیفی و تالیفی باعتبار تعداد کتب و اسالیب زبان و بیان بھی قریب قریب ہم پلّہ ہے۔ یہ دونوں حضرات اپنی اپنی علمی کوششوں میں ایک دوسرے کے کافی شریک و سہیم بھی رہے ہیں۔ چنانچہ خطوطِ شبلی (بنام عطیہ بیگم) کو اگر ایک طرف زبیری صاحب نے ریسرچ کر کے مرتّب کیا تو دوسری طرف مولوی عبدالحق صاحب نے اُن پر ایک دلیرانہ مقدّمہ لکھ کر اُن کی شہرت میں اضافہ فرمایا۔ اسی طرح اور بہت سے کام ہیں جن کو یہ دونوں بزرگ مدّت العمر ایک ساتھ کرتے رہے ہیں۔

زیرِ نظر مقالہ بھی اسی قسم کے "توارد خیال" کا نتیجہ ہے۔

ہم محترم زبیری صاحب کے بدل شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اپنا قیمتی مقالہ "العلم" کو مرحمت فرمایا اور جناب مولوی صاحب کو تکلیف دینے کی زحمت سے ہمیں بچا لیا۔ (العلم کراچی۔ اپریل ۱۹۵۲ء)

۱۸۱۵ء کا ایک سفرِ بنگال

اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کی تاریخ برصغیر پاک و ہند ہمارا خاص مضمون ہے۔ اس لئے ملک کے اس عبوری دور کی جو بھی نادر کتاب ہماری نظر سے گذری اس کی نقل یا اُردو ترجمہ اپنے پاس محفوظ کرنے کی

Marfat.com

کوشش کی گئی۔ انھیں نوادر میں نواب صدر یار جنگ بہادر مرحوم و مغفور کے کتاب خانۂ جیب گنج سے ترجمہ کرائی ہوئی ایک کتاب "وقائع عبدالقادر خانی" ہمارے پاس ہے جس میں اواخرِ اٹھارویں و اوائلِ انیسویں صدی عیسوی کے چشم دید اور آپ بیتے حالات درج ہیں۔ مصنّف کتاب کا نام مولوی عبدالقادر برلاس (صدرالصدور مراد آباد ہے) ان کے دادا عالم احمد عہد محمد شاہ، میں ہرات سے ہندوستان آئے تھے، دہلی کے برلاس خاندان میں شادی ہوئی۔ والد کا نام محمد اکرم اور آشنا تخلص تھا۔ ان کی مراد آباد میں شادی، ہوئی۔ وہیں ۱۷۸۱ء میں عبدالقادر پیدا ہوئے۔ مولوی عبدالقادر نے علمائے مراد آباد، بریلی و رامپور سے تحصیل علم کیا۔ اور فقہ، حدیث، تفسیر ہیئت، ہندسہ، حساب اور فرائض میں مہارت تامّہ حاصل کی۔ اس وقت اودھ میں آصف الدولہ کے بعد نواب سعادت علی خاں حکمراں تھے اور روہیلکھنڈ میں احمد علی خاں نواب رامپور تھے۔ ابتداءً ریاست رامپور میں اور اس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازم ہوگئے۔ بہ سلسلۂ ملازمت ہی بانس بریلی (یو، پی) سے ڈھاکہ تک کشتی میں دریائی سفر کیا۔ بعدازاں دہلی اور راجپوتانہ میں ملازمت کا کافی عرصہ گذرا۔ خاصی طویل عمر پائی اور جہاں جہاں رہے وہاں کے سیاسی، تمدنی اور معاشرتی حالات قلمبند کرتے رہے۔ ہمعصر علماء، شعراء اور دوسرے صاحبانِ فضل و کمال سے ملنے کا خصوصی شوق تھا اس لئے جس جس سے ملے اس کا حال لکھا۔

چونکہ مسلمانوں کے عہدِ زوال یعنی انگریزی دورِ حکومت کی تاریخ بہت

Marfat.com

کچھ پردۂ خفا میں ہے اس لئے اس کتاب سے صدہا عجیب وغریب واقعات اور بہ تعداد کثیر اہل کمال کے کمالات پر روشنی پڑتی ہے۔ ہمارا قلمی مسودۂ کتاب بڑی تقطیع کے تقریباً پانچسو صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور پھر بھی کتاب نامکمل ہے، اصل فارسی نسخہ بھی نامکمل ہی تھا۔ ممکن ہے اصل کتاب جنگ آزادی یا اس کے قریب زمانہ تک ہی ہو۔ بہرحال ذیل کا تراشہ ۱۸۱۵ء کے سفر مشرقی بنگال سے متعلق ہے جس سے آج کل ہم پاکستانیوں کو سب سے زیادہ دلچسپی ہے (العلم کراچی رجنوری ۱۹۵۳ء)

ہماری تعلیم اور اس کی روح

سید ابو عاصم ایم، اے ایڈووکیٹ کا یہ مقالہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس سالانہ کے موقع پر ۵ راکتوبر ۱۹۵۱ء کو ادارۂ تصنیف وتالیف "کے جلسہ میں زیر صدارت حضرت علامہ سید سلیمان ندوی صاحب پڑھا گیا تھا۔ فاضل مقالہ نگار حضرت علامہ کے خویش ہیں۔ تعلیم جدید اور ماحول دینی کے امتزاج کی وجہ سے آپ کے طرز فکر اور اسلوب نگارش میں ایک دل آویز ندرت پائی جاتی ہے۔ آپ کے مقالہ کو جوں جوں پڑھتے جایئے اس کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ خاص چیز یہ ہے کہ جو بات کہنی ہوتی ہے اس کے لئے پہلے ذہن ودماغ میں حسن قبول کی فضا پیدا کرتے ہیں اس کے بعد ایک طرح کا ایسا سرسری انداز اختیار کرتے ہیں کہ گویا یوں ہی بات میں بات آگئی ہے۔

ایسے اچھے ادیب اتفاقیہ ہی ہاتھ لگتے ہیں، چنانچہ عاصم صاحب کی یہ

Marfat.com

پہلی تحریر ہے جو ہمارے مطالعہ میں آئی اور غالباً ناظرین العلم بھی پہلی ہی بار ان سے متعارف ہوں گے۔ آپ کو ڈھونڈ نکالنے اور اپنے شعبہ کے لئے یہ مقالہ لکھوانے کا اصلی کریڈٹ ہمارے "جہاں گشت" دوست مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبرآبادی کو ہے جن کی بابت محترم رشید احمد صدیقی صاحب پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ " وہ کسی دھواں دھار جوالا مکھی میں جارہیں تو وہاں سے بھی کوئی نہ کوئی پرانا قلمی نسخہ نکال لائیں گے "۔

شہابی صاحب گئے تو تھے حضرت علامہ کی صدارت منظور کرانے اور پکڑ لائے وہاں سے عاصم صاحب کو بھی۔ جنہیں ایک ادیب و مضمون نگار کی حیثیت سے ہم میں سے کوئی نہ جانتا تھا۔ اسی لئے عاصم صاحب کا یہ مقالہ (جو بہت بدخط بھی لکھا ہوا تھا) ہمارے پاس چھ مہینے تک کسمپرسی کے عالم میں پڑا رہا۔ لیکن آج جب اسے دیکھا تو اس سے آنکھیں روشن ہوگئیں۔

ہم نے اس تعارف، میں عاصم صاحب کے تحریر کردہ مباحث کو بالکل ہاتھ نہیں لگایا ہے کیونکہ اس سے اس کے "دست و بازو" کو نظر لگ جانے کا احتمال تھا۔ بالخصوص مقالہ کا آخری حصہ بہت کچھ تشریح و تفصیل کا محتاج ہے (العلم کراچی۔ اپریل ۱۹۵۳ء)

تنقیدِ حیاتِ جاوید

۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانانِ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ دراصل علیگڈھ کی تاریخ ہے۔ جس کو مشاہیر اہلِ قلم نے دو مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے لکھا ہے۔ ایک زاویۂ نظر یہ ہے۔ کہ اگر سرسید کی علیگڈھ تحریک نہ ہوتی تو مسلمان قوم اچھوتوں سے

Marfat.com

بدتر درجہ پر پہنچ جاتی اور بیسویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں جس قدر سیاسی، معاشی، عمرانی، ثقافتی۔ تعلیمی اور علمی ترقی مسلمانوں کی ہوئی وہ تمامتر علیگڑھ کی وجہ سے ہوئی۔

دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ علیگڑھ نے انگریز پرستی کی تعلیم دی اور تقریباً پون صدی تک برصغیر پاک و ہند نیز ممالک مشرقی پر انگریزوں کے ظالمانہ اقتدار کی جڑیں علیگڑھ والوں نے مضبوط کیں۔

اوّل الذکر مکتبۂ خیال کے بڑے منادوں میں مولوی محمد امین زبیری صاحب کا بھی شمار ہے۔ جو گزشتہ پچاس سال سے مسلسل علیگڑھ و اکابرین علیگڑھ کے بارے میں لکھ رہے ہیں۔ ڈیڑھ درجن کے قریب آپ کی تصانیف ہیں، مضامین و مقالات کا تو شمار ہی نہیں ہو سکتا۔ ذیل کا مقالہ بھی مولوی صاحب کے پختہ کار قلم کا رہینِ منت ہے۔ جس میں موصوف نے بعض ایسے واقعات پر روشنی ڈالی ہے۔ جو اب تک عام مطالعہ میں نہ تھے۔ خاص بات یہ ہے کہ حقائق نگاری کی کوشش میں مولوی محمد امین زبیری صاحب نے اس دفعہ والہانہ عقیدت کی عینک اتار کر سرسید علیہ الرحمۃ اور شمس العلماء مولانا حالی نور اللہ مرقدہٗ کی کچھ بے لاگ تنقید بھی کی ہے۔ مولوی محمد امین زبیری صاحب۔ مولوی عبدالحق صاحب کی طرح چونکہ ہمیشہ سے "حالی اسکول" کے آدمی ہیں اور حضرت علامہ شبلی کے نقاد۔ لہذا مولانا حالی کی شاہکار تالیف حیاتِ جاوید، پر ان کی یہ تنقید ادبی دنیا میں ایک انقلابی واقعہ متصور ہوگی۔ دیکھنا یہ ہے کہ مخدومی جناب

Marfat.com

مولوی عبدالحق صاحب اور مکرمی شیخ محمد اکرام صاحب کا اس پر کیا ردِ عمل ہوتا ہے۔ جہاں تک ہماری رائے کا تعلق ہے ہم ہر دو مکاتیب خیال کے بزرگوں کے خادم اور مدّاح رہے ہیں۔

(العلم کراچی۔ اکتوبر ۱۹۵۳ء)

ہم نے ہندوستان میں کیا چھوڑا؟
روہیل کھنڈ کی تاریخی عمارات

آزادی اور اس کی نعمتوں سے قطع نظر، جن کا اقرار ہم میں سے ہر شخص کا ایمان ہے، اس وقت پاکستان میں دو خیال کے لوگ پائے جاتے ہیں، ایک وہ جو یہاں آکر پہلے سے بدرجہا بہتر حالت میں ہیں اور اس لئے ہندوستان کی سابقہ زندگی کو ایک خوابِ پریشاں سے تعبیر کرتے ہیں، دوسرے وہ ہیں جو پہلے سب کچھ تھے اور اب کچھ نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کے دل ودماغ سے "ہندوستان جنت نشان" کبھی محو نہیں ہوتا۔ وہی لوگ وہاں کے عہد اسلامی کی تاریخی عظمتِ رفتہ اور ثقافتی عروج وزوال کو بھی یاد کرتے ہیں۔ آخرالذکر اصحاب پاکستان کو ایک اسلامی مملکت بنانے والوں کی، طرح چاہے قدامت پسند ہی کیوں نہ کہلائیں۔ لیکن کم ازکم ان کے پیش نظر ایک بلند قومی نصب العین ضرور ہے، اسی نصب العین کے محرکات میں سے ایک چیز یہ ہے کہ آنیوالی نسلوں کے لئے کچھ یادگار چیزیں داشتہ آید بکار کے اصول پر لکھ کر محفوظ کر دی جائیں چنانچہ "ہندوستان میں ہم نے کیا چھوڑا؟" کے زیرعنوان ایک مقالہ "العلم" کے پہلے شمارہ

Marfat.com

بابتہ جولائی ۱۹۵۱ء میں مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی کا لکھا ہوا "آثارِ اکبر آباد" کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اب عمارات روہیل کھنڈ کے بارے میں یہ دوسرا مقالہ ہے جو دو قسطوں میں شائع کیا جا رہا ہے۔ لائق مقالہ نگار محمد ایوب قادری صاحب نے اپنے مضمون کی تیاری میں جیسی محنت شاقہ کی ہے اس کی داد تمام وہ حضرات دیں گے جن کو کبھی اس قسم کی تحقیقی چیز لکھنے یا مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ؎

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

(العلم کراچی۔ اکتوبر ۱۹۵۳ء)

عہدِ اسلامی میں علمی اور تہذیبی ترقی

پاکستان بننے کے کئی سال بعد تک ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں تاریخ کی پرانی کتابیں ہی پڑھائی جاتی رہیں۔ ایک ایسی تاریخ جو مخصوص پاکستان کے جغرافیائی حدود اور وجود پر بھی روشنی ڈالتی ہو موجود نہ تھی۔ ہمارے مخدوم مولانا سید ہاشمی فرید آبادی نے اس کمی کو پورا کیا۔ اور "مسلمانانِ پاکستان و بھارت کی تاریخ" کو اس طور پر ترتیب دیا کہ پاکستان کی تاریخ بھی صاف طور پر علیحدہ نظر آنے لگی۔ واقعات سب پرانے ہیں۔ صرف ترتیب میں مفید چابک دستی سے کام لیا گیا ہے۔

ہاشمی صاحب نے دوسرا اچھا کام یہ کیا کہ اپنی کتاب کو محض جنگی وقائع اور بادشاہوں کے رزمیہ کارناموں تک محدود نہ رکھا بلکہ خاتمہ

Marfat.com

ابواب میں عہد بعہد کی علمی اور تہذیبی ترقیوں کو بھی موثر انداز میں اجاگر کرتے چلے گئے جس کا مطالعہ تاریخ کے طالب علموں۔ پاکستانی قوم اور اس کے حاکموں کے لئے ازلبس ضروری تھا۔

چونکہ فی الوقت پاکستان میں علمی وثقافتی سرگرمیاں اور ان کی خاطر خواہ قدر دانی نظر انداز ہے اور صاحبانِ علم وفن کا ستارہ گردش میں ہے لہٰذا محض اس بات کو یاد رکھنے اور یاد دلانے کے لئے کہ مسلمانوں میں ہمیشہ اور ہر حال میں حکمرانی اور معارف پروری کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔ہم ہاشمی صاحب کی تاریخ کو پڑھتے وقت ان حصوں پر نشان کرتے گئے جو ثقافتی جدوجہد سے متعلق تھے۔ ان نشان زدہ حصّوں کا جب ہم نے یکجائی مطالعہ کیا تو عہد اسلامی کی علمی ترقیوں کی ایک مکمل تصویر آنکھوں میں پھر گئی۔ اپنی اس پسندیدہ تصویر کو ہم بجنسہٖ ناظرین "العلم" کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں تاکہ ماضی کی اس شاندار یادگار کو حال و مستقبل کے لئے نشانِ راہ بنایا جا سکے۔

متفرق مضامین کو مربوط کرنے کے لئے ذیلی سرخیاں قائم کی گئی ہیں اور چند سطروں کا بخطِ خفی اضافہ کیا گیا ہے۔ دو مقام محل نظر تھے انکو حوالوں کے ساتھ حل کر دیا ہے۔

الغرض ہاشمی صاحب کی تھوک کی کوٹھی سے خوردہ کی یہ دوکان سج گئی ہے کاش اسے خریدار بھی پسند کریں۔ (العلم کراچی جنوری ۱۹۵۲ء)

Marfat.com

انسان کی کہانی

سرسید، حالی، نذیر احمد اور اسمٰعیل میرٹھی نے اُردو ادب میں "اِے، سے رائٹنگ" کی بنیاد ڈالی جس کو ہم تخلیقی ادب کہہ سکتے ہیں۔ خواجہ حسن نظامی نے بھی اس صنفِ ادب کو چار چاند لگائے لیکن ادھر کافی عرصہ سے ہمارے لکھنے والوں کا اوڑھنا بچھونا تلخیص و تالیف اور تراجم ہو کر رہ گیا ہے۔ زیادہ احتیاط، برتی تو دور دراز کی زبانوں میں شائع شدہ چیزوں سے اپنی دوکان سجالی اور بدیسی چیز پہ دیسی کا ٹھپّہ لگالیا جس کی اصل حقیقت کا مدتوں پتہ نہیں چلتا۔ لکھنے والوں کی اسی تہی دامنی اور سرقہ بازی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ملک میں متقدمین تو متقدمین متاخرین تک کی سی شہرت رکھنے والے ادیب اور شاعر دستیاب نہیں ہوتے۔ ویسے "تیار مال پر یا حسینؓ" کہنے والوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔

جناب ایس۔ ایم ضیا صاحب کا یہ مضمون اگرچہ معیاری نہیں ہے اور اس کی زبان قابل مطالعہ بنانے میں ہمیں کاوش کرنی پڑی لیکن پھر بھی چونکہ اس میں تخلیقی ادب کی ایک جھلک پائی جاتی ہے اس لئے ہم اسے قدر کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔ (العلم کراچی۔ ستمبر ۱۹۵۲ء)

مُسلمانوں کی تعلیم قرونِ وسطیٰ میں

مسٹر اے ایس ٹرٹن پروفیسر عربی لندن یونیورسٹی کا ایک معلومات افزا مضمون بعنوان "مسلم ایجوکیشن ان مڈل ایجیز" رسالہ مسلم ورلڈ میں شائع ہوا ہے۔ اسکی قابل قدر تلخیص "مسلمانوں کی تعلیم قرون

Marfat.com

وسطیٰ " کے نام سے جناب نذیر حسین صاحب ایم اے لاہور نے کی ہے مسٹر ٹرٹن مستشرق ہیں اور راقم کے زمانۂ طالب علمی میں علیگڑھ مسلم یونیورسٹی عربک ڈپارٹمنٹ کے چیرمین بھی رہ چکے ہیں۔

(العلم کراچی، جنوری ۱۹۵۴ء)

غم ترکِ وطن

دوسو سال کی غیر ملکی غلامی کی وجہ سے برصغیر پاک وہند میں صحافت کی تاریخ کچھ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ کیونکہ انتہائی احتیاط کے باوجود ایڈیٹر اخبار کا ایک پیر کرسی ادارت پر ہوتا تھا تو دوسرا جیل میں ایک مقررہ ڈگر تھی جس پر ہر صحافی کو چلنا پڑتا تھا۔ آزاد اخبار نویسی کا کام آگ سے کھیلنے کے مترادف تھا چنانچہ مولینا ظفر علی خاں مولانا محمد علی اور مولانا آزاد وغیرہم چند انگلیوں پر گنے جانے کے لائق شیر دل ایڈیٹروں کے ماسوا اس ضروری اور شریف پیشہ کے باقی تمام لوگ عرف عام میں سرکار پرستی یا ع

باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی

کی پالیسی پر عمل کر کے صبر آزما استقامت کے ساتھ اپنے اخبارات کو جو زیادہ تر ہفتہ وار ہوتے تھے جوں توں زندہ رکھتے تھے۔ " پیسہ اخبار" لاہور "اہلحدیث امرت سر، "مشرق گورکھپور، "عزیز ہند جھانسی۔ "سرگزشت، علیگڈھ۔ نیر اعظم "، و "مخبر عالم مراد آباد۔ "روہیل کھنڈ گزٹ" و "روزانہ اخبار "، بریلی، "میزان " یا " المیزان "، شاہجہانپور، "دبدبہ سکندری" رامپور، ذوالقرنین" اور العدل بدایوں وغیرہ وغیرہ اسی قسم کے اخبارات تھے

Marfat.com

جنہوں نے اپنی محتاط روش کی بناء پر بڑی بڑی عمریں پائیں حتیٰ کہ بعض کو جاری ہوئے پچاس پچاس سال گذر گئے۔

یہ اخبارات اور اُن کے "مالک و مدیر" اس ایک چیز کو چھوڑ کر کہ وہ حاکمِ وقت کے ہر حال میں وفادار تھے۔ مذہبی۔ ثقافتی، اصلاحی، تعلیمی اور علمی و ادبی باقی امور میں بڑے کٹّر مسلمان ہوتے تھے اور اپنے مسلمان، بھائیوں کی ہمدردی و اعانت میں کسی سے پیچھے نہ تھے۔ اس خصوص میں ان کے بڑے بڑے کارنامے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے یہ حضرات اپنے اپنے حلقہ ہائے اثر میں کافی وقیع شخصیتوں کے مالک تھے۔

ہمارے اُنھیں موقّر بزرگوں میں سے ایک بزرگ جناب خانصاحب محمد لطافت حسین صاحب وکل ہاشمی ایڈیٹر "العدل" بدایوں ہیں، آپ نہایت مستقل مزاج پختہ وضع کے بزرگ ہیں ۱۹۴۷ء کی تقسیم ملک کے بعد بدایوں میں خصوصیت سے بلوے ہوئے، مسلمان مارے گئے تباہ و برباد ہو کر ہجرت پر مجبور ہوئے۔ آپ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں دیکھتے رہے اور اس محلہ میں جہاں آپ کے معمّر اور ضعیف چچا اور آپ کے سوا کوئی باقی نہیں تھا سب مکانوں پر ہندو شرنارتھیوں کا قبضہ ہو چکا تھا (کیونکہ آپ کے سب عزیز ترک وطن کر کے پاکستان چلے آگئے تھے)۔ آپ باوجود جسمانی کمزوری کے دلیری کے ساتھ ڈٹے رہے جون ۱۹۵۳ء میں جبکہ آپ کے ایک عزیز اور مخصوص دوست مع دو جوان بیٹوں کے ایک دوسرے قریب کے محلہ میں شہید کر دئے گئے تو آپ کا پیمانہ ضبط و تحمل لبریز ہو جانا

Marfat.com

لازمات اور بدیہات سے تھا۔ آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے محمد منیر الاسلام ہاشمی بی۔اے سے جو عرصہ سات سال سے محکمہ سپلائی میں ملازم تھے اور رامپور میں چیف انسپکٹری سے گزیٹیڈ عہدہ کے واسطے نام گیا ہوا تھا نتیجہ کا انتظار کئے بغیر ملازمت ترک کرائی "ہاشمی پریس" اخبار العدل "ہاشمی بکڈپو" مکان اور جائداد سب کو خیرباد کہکر اپنے وطن بدایوں سے باچشم گریاں کراچی کا رُخ کیا۔ اور ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو اپنے بچوں کو ہمراہ لیکر دہلی سے بذریعہ ہوائی جہاز کراچی پہنچ گئے۔ اب آپ کا کام خدا کی یاد اور دوستوں اور عزیزوں کی دعاگوئی کے سوا کچھ نہیں۔ کبھی موقع ملا تو، مخصوص دوستوں اور عزیزوں سے مل لئے۔ ہاشمی صاحب کو راقم سے بھی خلوص ہے کبھی کبھی کرم فرماتے ہیں اور مطائبات اور ملفوظات سے سرفراز فرماتے ہیں۔ نظم "غمِ ترکِ وطن" بھی آپ نے ایک روز ہمیں سنائی تو ہم نے اس کو حد درجہ پُر اثر پایا اور پسند کیا اور "العلم" کے لئے حاصل کرلیا۔ نظم مذکور دراصل پاکستان میں آئے ہوئے ہر ایک تارک وطن کے دلی جذبات کی آئینہ دار ہے، جو محسوسات و واردات قلبی ہاشمی صاحب کے ہیں وہ ہم میں سے ہر ایک کے دل میں اپنے وطن، عزیزوں اور دوستوں کے بارے میں موجزن ہیں۔ ایک اور خوبی اس نظم کی یہ ہے کہ بدایوں جیسے تاریخی اور مردم خیز شہر کے بکثرت صاحبان فن وکمال کے نام اور کام "نوشتہ بماند سیاہ بر سپید" کے مصداق اس میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے ہیں۔

(العلم کراچی۔ اکتوبر ۱۹۵۴ء)

Marfat.com

برصغیر پاک و ہند میں آلات حرب کی ایجاد و ترقی

مندرجۂ بالا فاضلانہ اور محققانہ مقالہ ہمارے عزیز و محترم دوست قاری بشیر الدین، پنڈت ایم، اے۔ بی۔ ٹی (علیگ) وائس پرنسپل اسلامیہ کالج شاہجہانپور یو، پی۔ بھارت نے ۱۶ فروری ۵۵ء کو خیرپور ہسٹاریکل کانفرنس میں پڑھا تھا اور اہل نظر لوگوں سے داد و تحسین حاصل کی تھی لیکن افسوس ہے کہ ۸ اپریل ۵۵ء کے "صدقِ جدید" لکھنؤ میں "شریک بزم" کے نام سے ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ مقالہ پرتھوی راج راسا، از چاند بردائی پر حافظ محمود شیرانی مرحوم کی مشہور و مقبول تنقیدی کتاب کا ایک نقل شدہ نا تمام حصہ ہے۔ ہماری رائے میں یہ اعتراض غلط ہے اور معترض صاحب نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ محمود شیرانی صاحب کی کتاب کو پڑھے بغیر ہی اعتراض برائے اعتراض کر دیا ہے، ساتھ ہی پنڈت بشیر الدین صاحب کے مقالہ کی قدر و قیمت کا بھی غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے صحیح اندازہ نہ کیا۔ کانفرسوں کے مواقع پر وقت کی قلت اور مقالوں کی زیادتی کے باعث کوئی شخص اپنا پورا مضمون نہیں پڑھ پاتا۔ حواشی اور ذیلی حوالجات کو پڑھنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ جب مقالہ اپنے پورے لوازمات کے ساتھ شائع ہوتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ جو شخص موانعات جلسہ کے باعث اپنا رنگ نہ جما سکا اس نے دراصل کس پایہ کی چیز پیش کی تھی اور جو شخص ظاہری ٹھاٹ اور زور بیان سے مجمع پر چھا گیا تھا اس پر کیونکر کوہ کندن و

Marfat.com

کاہ برآوردن کی مثل صادق آتی ہے۔

ہمارے دوست پنڈت بشیر الدین جو پشتینی مسلمان ہونے کے باوجود نومسلموں کی سی گنگا جمنی طولِ طویل داڑھی رکھتے ہیں، پستہ قد اور سیاہ فام ہیں نیز لباس و معاشرت میں رجعت پسند ہیں، ناواقف لوگوں کی غلط فہمی کا اکثر شکار ہوتے رہتے ہیں۔ اور جب بھی وہ کوئی اونچی چیز لکھتے یا پڑھتے ہیں تو واقعی یہ خیال ہوتا ہے کہ "یہ منہ اور مسور کی دال" لہٰذا ان کے ناقد "شریک بزم" کے دل پر بھی یقیناً کچھ اسی قسم کا اثر ہوا ہوگا جو انہوں نے ان پر اعتراض کر دیا۔ لیکن ہم اُن سے عرض کریں گے کہ ؎

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(العلم کراچی۔ جنوری ۱۹۵۵ء)

مارخیم
(ایک گنہگار کے نفسیات کا مطالعہ)

رابرٹ اسٹیونسن، (۱۸۵۰ — ۱۸۹۴) انیسویں صدی کا ایک مشہور انگلستانی ادیب اور ناول نگار ہے۔ جو مغربی ادب میں مخصوص حیثیت کا مالک ہے۔ اس کہانی میں اُس نے قاتل کی ذہنی کش مکش کا مرقع پیش کیا ہے اس تصنیف کی بڑی خوبی یہ ہے کہ فنکار کو منزل مقصود کا پورا علم و عرفان ہے اور وہ بھٹکے بھٹکائے بغیر سیدھا وہیں جا پہنچتا ہے، یہ نگارش بڑا کمال

Marfat.com

ہے۔ کہانی سادہ ہے مگر سطحی نہیں، گہری ہے مگر پیچیدگی سے بری ہے مفصّل ہے مگر غیر متعلق سے پاک ہے۔ مزید برآں وحدتِ تاثّر سے اس حد تک لبریز و سرشار ہے کہ یونانی ڈرامے کے رنگ میں رنگی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ اس شہ پارۂ ادب میں حیاتِ جاوید کے سارے اجزاء موجود ہیں۔ ایک نقّاد کا خیال ہے کہ شکسپیئر کے عہد میں سوائے خود اس کے کسی صاحبِ فضیلت سے یہ کہانی لکھنا ممکن نہ تھا، مطلب یہ ہے کہ انسان کے نفسِ کردار کا جیسا تجزیہ اس کہانی میں کیا گیا ہے وہ صرف شکسپیئر جیسے نبّاضِ فطرت اور حکیمِ نفس سے ہی ممکن تھا۔

جناب مخمور اکبر آبادی نے "مارخیم" کی اس کہانی کا ترجمہ کر کے اُردو ادب پر بڑا احسان کیا ہے۔ توقع ہے کہ جناب موصوف مصنّف علّام کے کچھ اور ادبی شہ پارے بھی ہمیں عنایت فرمائیں گے۔

(العلم کراچی جولائی ۱۹۵۵ء)

"اسلام زبان ندارد"

جب سے پاکستان کا قیام عمل میں آیا ہے اس بنا پر کہ وہ ایک اسلامی ملک ہے۔ عربی کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں عربی زبان کو نصابِ تعلیم میں لازمی مضمون بنانے پر بہت زور دیا جا رہا ہے۔ اس تحریک کے پُر جوش حامی ہمارے بزرگ جناب مولوی سیّد ظفر حسین واسطی صاحب ایم۔اے ایڈوکیٹ ہیں۔ آپ نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس سالانہ ۱۹۳۳ء بمقام علی گڈھ میں لزوم عربی پر ایک

Marfat.com

زور دار مقالہ پیش فرمایا تھا جس کی کانفرنس کی جانب سے بڑے پیمانے پر اشاعت ہوئی۔ اس کے بعد آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ہائے ۱۹۵۲ء و ۱۹۵۴ء بمقام کراچی میں تجاویز پیش کیں اور انکو بالاتفاق منظور کرایا۔ "العلم" میں بھی آپ کا ایک مقالہ تجاویز مذکور کی تائید میں شائع ہو چکا ہے۔

جناب واسطی صاحب کے علاوہ ہز ہائی نس سر آغا خاں صاحب نے بھی کچھ عرصہ ہوا پاکستان میں لسانی اختلافات کو ختم کرنے کے لئے لزوم عربی کی پُرزور حمایت کی تھی۔

اسی طرح ہمارے دوست مولوی حسن الاعظمی پرنسپل نیو عربک کالج کراچی پاکستان کی زبان عربی بنانے کے زبردست منادی ہیں چنانچہ ابھی حال میں "العلم" بابت جنوری تا مارچ ۱۹۵۶ء میں ہم ان کا ایک پُر از معلومات مضمون شائع کر چکے ہیں۔

لیکن ہمارے ملک میں ایک ذی اثر مکتبۂ خیال جس کے سرگردہ حضرت بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب صدر کل پاکستان انجمن ترقی اُردو ہیں۔ مذکورہ تحریک عربی کے مخالف ہیں، اُن کا کہنا ہے کہ اس سے ملک کی قومی زبان اُردو پر کاری ضرب پڑتی ہے۔ اُردو کی دو حریف زبانیں بنگالی اور انگریزی اس کا دم توڑ دینے کے لئے کیا کم ہیں کہ عربی کو بھی اس کی جانِ زار پر مسلّط کر دیا جائے۔

ہر دو مکاتیبِ خیال میں سے کون حق پر ہے اس کے لئے ضروری

Marfat.com

ہے کہ تصویر کے دونوں رُخ بغور دیکھے جائیں۔ ملکی و قومی زبان کے مقابلہ میں دوسری زبان بالخصوص عربی کو اختیار کرنے کا مسئلہ کچھ پاکستان کے واسطے ہی مخصوص نہیں ہے۔ ہمارے پڑوسی اسلامی ممالک ایران اور ترکی بھی اس سے دوچار ہو چکے ہیں۔

مندرجۂ بالا مقالہ میں ملّتِ ایران کے نقطۂ نظر کو نہایت بلند آہنگی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ عربی کے مقابلے میں فارسی کی حمایت کرتے ہوئے جہاں جہاں فارسی کا لفظ آیا ہے اُس کی جگہ پر اُردو کا لفظ رکھ دیا جائے تو یہ مقالہ پاکستان میں قومی زبان اُردو کے حامیوں کے خیالات کی بھی پوری پوری ترجمانی کر دیتا ہے۔

اس مقالہ کی بذاتِ خود بھی ایک تاریخی اہمیت ہے۔ کیونکہ وہ سب سے پہلے "حبل المتین" کلکتہ میں شائع ہوا۔ پھر روزنامہ "سرفراز" لکھنؤ کی اشاعت مورخہ ۱۵ ر شوال ۱۹۲۵ء میں طبع ہوا۔ بعد ازاں مشہور رسالہ "سہیل" علی گڑھ (زیرادارت پروفیسر رشید احمد صدیقی) کے شمارہ جنوری لغایت مارچ ۱۹۲۷ء میں اشاعت پذیر ہوا اور اب ہم اسے نذرِ ناظرینِ العلم کر رہے ہیں۔ بقول فاضل مدیر "سہیل" دیکھنا یہ ہے کہ اربابِ ذوق اور صاحبانِ نظر سخن ہائے گفتنی کے سلسلہ میں کیا کرتے یا کہتے ہیں۔

اس باب میں خود اپنی رائے ہم ایک طرف حضرت بابائے اُردو، مولوی عبدالحق صاحب کے ڈر سے اور دوسری جانب واسطی صاحب

Marfat.com

کے خوف سے محفوظ رکھنے پر مجبور ہیں ؎

دو گونہ رنج و عذاب است جانِ مجنوں را
خیالِ فرقتِ لیلےٰ و صحبتِ لیلےٰ

(العلم کراچی۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء)

مولانا مفتی حافظ بخش صاحب بدایونی رح

عزیز گرامی قدر محمد ایوب قادری صاحب کا یہ چھٹا مقالہ ہے جو "العلم" میں شائع ہو رہا ہے اس سے قبل روہیل کھنڈ کی تاریخی عمارات پر دو مقالے اور "مجاہدِ جلیل مفتی محمد عیوض"۔ "مولانا علی احمد خاں آسیر" اور "مولانا فیض احمد بدایونی" پر اُن کے مقالات چھپ کر صاحبانِ نظر سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ایوب قادری صاحب جس محنت شاقہ سے لکھتے ہیں اور تحقیق و تدقیق کا جو اعلیٰ معیار پیش کرتے ہیں اُس کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے تین ہزار کتابوں پر مشتمل ذاتی کتب خانہ کی مدد سے جس موضوع پر بھی قلم اُٹھاتے ہیں وہ بالکل نیا ہوتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ تاریخ کے قطعی تاریک گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ اسی کا نام اصلی ریسرچ ہے اور ہمیں یقین ہے کہ جب آئندہ اُردو یا تاریخ میں ڈاکٹریٹ کے لئے وہ اپنا تحقیقی مقالہ پیش کریں گے تو ملک و ملت کے لئے ضرور کوئی قابل فخر اور یادگار خدمت انجام دیں گے۔ ہماری آرزو ہے کہ ایوب صاحب کے مقالات بصورتِ کتاب بھی شائع ہو جائیں

Marfat.com

اور اس کے لئے ہم عنقریب اپنے فاضل دوست جناب ڈاکٹر سید معین الحق صاحب جنرل سکریٹری پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی سے تحریک کرنے والے ہیں۔ (العلم کراچی۔ جنوری ۱۹۵۷ء)

مولانا سید مناظر احسن گیلانی
نقوش و تاثرات

۵ رجون ۱۹۵۶ء کو حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی کا وصال ہوا۔ مولانا مرحوم کا دُنیائے علم و ادب میں جو مقام رفیع تھا اور جیسے جیسے قیمتی کارنامے آپ نے انجام دئے ان کا اقتضا تھا کہ "العلم" میں اُن کے شایان شان اظہار رنج والم کیا جاتا لیکن افسوس ہے کہ ہم سے اس خصوص میں کوتاہی ہوئی تا آنکہ ابھی حال میں ہم کو مجلۂ "الفرقان" لکھنؤ کا "افاداتِ گیلانی نمبر" ہمدست ہوا۔ اس خوب اور بہت ہی خوب پرچے نے ہمیں اپنا بھولا ہوا فرض یاد دلایا۔ اور ہم یہ پُر اثر مضمون جو ہمارے مخدوم ومکرم جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر ہم خود اس سے بہتر مضمون نہ لکھ سکتے تھے۔ حالانکہ ہمیں مولانا سے دیرینہ نیازمندی کا شرف حاصل تھا۔ مولانا صاحب سے راقم کو متعدد بار حیدرآباد دکن میں ملنے کا اتفاق ہوا۔ اور مراسلت بھی رہی علاوہ بریں ہمارے اور ان کے درمیان بطور قدر مشترک مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی

Marfat.com

کی ذاتِ گرامی بھی تھی، جن کی پُرانوار صحبت میں جناب مولانا مناظر احسن گیلانی رح کا اکثر و بیشتر ذکر خیر رہتا تھا۔ مولانا کے سوانح نگار کو یہ چیز بھی نوٹ کرنی چاہیئے کہ جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد دکن میں ان کا تقرر مولانا شروانی مرحوم ہی نے اپنے زمانہ صدر الصدوری امور مذہبی میں کرایا تھا۔ اور اُن کا یہ حسنِ انتخاب دُنیا نے دیکھا کہ کامیاب سے کامیاب تر ثابت ہوا۔ اللہ سے دُعا ہے کہ مرحومین کو عقبیٰ میں مقام اعلیٰ نصیب ہو جس کے وہ بہ ہمہ وجوہ مستحق تھے۔ (العلم کراچی. جولائی ۱۹۵۷ء)

ابُوالطیّب مُتَنَبّی زیرِ نظر مقالہ پروفیسر جلیل الرحمٰن صاحب اعظمی صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج کراچی کی کتاب "ابو الطّیب متنبّی" کا مقدمہ ہے، کتاب زیرِ طبع ہے، وہ دو حصّوں پر منقسم ہے پہلے حصّہ میں عرب کے مشہور شاعر "متنبّی" کی پیدائش سے وفات تک کے حالاتِ زندگی، شاعری کی ابتدا، اس کے مختلف اَدوار۔ دعوائے نبوت، گرفتاری و رہائی، سیف الدولہ کی درباری شاعری اور جُدائی کافور کی بارگاہ میں باریابی، نظر بندی، فرار، ہجو، شاہِ مشرق عضد الدولہ کی مدح سرائی اور اس کے قتل کے مفصّل حالات درج ہیں۔ دوسرے حصّہ میں شاعری میں متنبّی کا مرتبہ، خصوصیاتِ شاعری، محاسن و معائب ردائع و فرائد، امثال و حکم وغیرہ پر تفصیل سے تنقید و تبصرہ کیا گیا ہے۔

ہم پروفیسر صاحب موصوف کے شکر گزار ہیں کہ انھوں نے کتاب کے طبع ہونے سے پہلے ہی اس کا مقدّمہ ہمارے رسالہ کو مرحمت فرمایا۔
(العلم کراچی۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء)

Marfat.com

مقدرِ انسانی

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی "اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ" کے زیر اہتمام معیاری کتابوں کی تصنیف و تراجم کا جو مفید کام ہو رہا ہے اُس سلسلہ کی ایک نہایت اہم کتاب "ہیومین ڈسٹنی" (HUMAN DESTINY) مصنفہ ڈاکٹر الی۔ کامت۔ دو۔ نوائے ہے جس کا "مقدرِ انسانی" کے نام سے اُردو ترجمہ ہمارے فاضل بزرگ جناب پروفیسر عبدالمجید قریشی صاحب کر رہے ہیں۔ جناب قریشی صاحب نے اس کتاب اور اس کے مصنّف کا العلم بابتہ جنوری ۵۲ء میں تفصیلی تعارف کرایا تھا اور جب سے ہم برابر موصوف سے اصرار کر رہے تھے کہ اُس کا ترجمہ کر دیں۔ چونکہ قریشی صاحب ایک معیاری عالم ہیں اور ہر معیاری عالم لکھنے پڑھنے کے معاملہ میں حد درجہ کمیاب و محتاط ہوتا ہے اس لئے تقریب ایک چوتھائی کتاب کا ترجمہ کرنے کے بعد آپ نے یہ شرط لگائی کہ پہلے اس کا کچھ حصہ "العلم" میں شائع ہو جائے اور جب اہلِ علم اس کو پاس کر دیں گے تو وہ کام کو جاری رکھ سکیں گے قریشی صاحب جنہوں نے مدّت العمر ہزاروں کو فیل، پاس کیا اب خود اپنا امتحان لے رہے ہیں۔ اور یہ اُن کی بہت بڑی عالی ظرفی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ان کی تحریر میں "جائے اُستاد خالی" ہونے کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے، محض "الامر فوق الادب" کی تعمیل کی جا رہی ہے۔ ہماری طرح غالباً ناظرینِ العلم کو بھی قریشی صاحب کے معاملہ میں مشکل پیش آئیگی کیونکہ اگر وہ عقیدتاً نیز حق و انصاف کی رو سے تعریفی خطوط لکھیں گے

Marfat.com

تو قریشی صاحب ان سے بھی خفا ہو جائیں گے اور فرمائیں گے کہ "یہ سب ملی بھگت ہے"۔ بہر حال کیا ہوگا اور کیا نہ ہوگا اس کی ابھی سے کیوں فکر کی جائے۔ ع

دل افگندیم بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا

(العلم کراچی، جنوری ۱۹۵۸ء)

مُتنبّی کی زندگی کا ایک پہلو

زیر نظر مقالہ پروفیسر جلیل الرحمٰن صاحب اعظمی، صدر شعبۂ عربی اسلامیہ کالج کراچی کی کتاب "ابو الطیب متنبی" کا ایک باب ہے جس کا مقدمہ اس سے پہلے العلم میں شائع ہو چکا ہے۔ کتاب گورنمنٹ پاکستان کے خاص صرفہ پر اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی کی طرف سے شائع ہو رہی ہے، کتاب میں سے یہ ایک چھوٹا سا باب بطور نمونہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ ہمارے ناظرین کتاب کی افادیت کا کسی قدر اندازہ کر سکیں۔ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد میں متنبّی کی سوانح عمری اور اس کے ادوار شاعری سے بحث ہے، دوسری جلد میں شاعری میں متنبّی کا مرتبہ، اُس کے امتیازات اور خصوصیات شاعری تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔

(العلم کراچی، جولائی ۱۹۵۸ء)

مقدّمہ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ

مسٹر خلیق احمد نظامی اُستاد شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ اپنی بلند پایہ اور

محققانہ تالیفات کی وجہ سے باوجود کم عمری برصغیر پاک و ہند میں بہت عمدہ شہرت کے مالک ہیں "العلم" میں ان کے علمی کارناموں کا متعدد بار ذکر آچکا ہے۔ نظامی صاحب کی ایک تازہ تالیف "۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ" "ندوۃ المصنفین دہلی" نے شائع کی ہے۔ آخری مغلیہ شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے ہمعصر عبداللطیف کے اس روزنامچہ پر خلیق صاحب نے ایک نہایت مبسوط "مقدمہ" سپرد قلم کیا ہے جو ہماری ناچیز رائے میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء پر اس وقت تک کے معلوم و موجود مواد کا نہ صرف بہترین خلاصہ ہے بلکہ پیش آمدہ واقعات کا ایک بصیرت افروز تجزیہ بھی ہے۔ اس مقدمہ کو جو $\frac{20\times30}{8}$ سائز کے ۴۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ ہم دو قسطوں میں شائع کر رہے ہیں تاکہ ناظرین "العلم" اندازہ کر سکیں کہ نظامی صاحب اور ندوۃ المصنفین دہلی نے کتنا اونچا کام کیا ہے اور یہ کہ اس کتاب کا مطالعہ کس قدر ضروری ہے۔ (العلم کراچی۔ جنوری ۱۹۶۰ء)

بادش بخیر! عزیز و محترم دوست جناب مشیر احمد علوی ناظر کاکوروی ایم اے، ایل۔ایل بی (علیگ) کا انتہائی دلچسپ اور معلوماتی سلسلہ وار مضمون "کہکشاں سے قریں" جنوری ۱۹۶۱ء سے ناظرین "العلم" ملاحظہ فرما رہے ہیں جس کی ۳۱ دسمبر ۱۹۶۲ء تک تیرہ [13] قسطیں شائع ہو چکی ہیں۔ ناظر صاحب کے بقول انہوں نے اپنے مضمون کی صرف تین قسطیں ہمیں بھیجی ہیں اور چوتھی قسط ترسیل کے لئے تیار ہے موصولہ "تین قسطوں" میں سے ہم زیادہ سے زیادہ چھاپنے کی کوشش کے

Marfat.com

باوجود اپنی "تیرہ قسطوں" میں ناظر صاحب کی صرف دو قسطیں چھاپ سکے ہیں اور "تیسری قسط" سے اپنی چودھویں قسط شروع کرنیوالے ہی تھے کہ ہمیں ایک اور تازہ بتازہ مضمون ہمدست ہوگیا جو فُل اسکیپ سائز کے باریک قلم سے لکھے ہوئے اُنتیس ۲۹ صفحات پر مشتمل ہے جس میں سے ہم صرف سات صفحات فی الوقت چھاپ رہے ہیں۔ مضمون "کہکشاں سے قریں" بھی عمدہ اور "یادش بخیر"! بھی خوب ہی خوب ہے! ہر دو مضامین کے باب میں ہماری مثال اس بُھوکے کی سی ہے جس کے سامنے بیک وقت گرما گرم بریانی اور لذیذ و مرغن متنجن رکھ دیا جائے اور وہ اس لطیف الجھن میں مبتلا ہو جائے کہ کیا کھائے اور کیا نہ کھائے، یا پہلے کس کو کھائے اور بعد کو کسے؟ بہر حال اس الجھن کے سلجھاؤ کی یہی صورت سمجھ میں آئی کہ دونوں کو ملا کر نوش جان کیا جائے۔

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار

گلچیں نگاہِ تو ز داماں گلہ دارد!

تو اب ہوا یہ کہ مضمون "یادش بخیر" بھی چھپے گا اور وہ پرانا "کہکشاں سے قریں"! بھی۔ زیرِ نظر "یادش بخیر" میں اصل مضمون تو برائے نام ہے، خاصہ کی چیز ذیلی نوٹ ہیں۔ یوروپین مستشرقین کی تقلید میں گذشتہ چند سالوں سے برصغیر پاک و ہند کے مولّفین و مصنّفین میں کثرت و بہتات کے ساتھ تشریحی ذیلی نوٹ لکھنے کی عام ہوا چل پڑی ہے۔ کتاب یا مضمون کا شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہوتا ہوگا جسے جی بھر کر

Marfat.com

"چیچک رُو"، نہ بنایا جاتا ہو۔ اگر احیاناً کسی صفحہ میں کسی دوسرے کا حوالہ دینا ممکن نہیں ہوتا ہے تو اپنی کسی سابقہ تصنیف یا تحریر کو ہی سند میں پیش کر دیا جاتا ہے تاکہ راہوارانِ افواجِ شاہانِ سلف کی طرح ان پر "بے داغی" کا "داغ" نہ لگنے پائے۔

اس بدعتِ حسنہ کے ارتکاب میں ہمارے ناظر کاکوروی صاحب بھی مبتلا ہو گئے۔ آخر کب تک بچے رہتے! پُرانی مثل ہے "روم میں ویسا ہی کرو جیسا کہ روم والے کرتے ہیں"، انھوں نے سوچا کہ اس میدان میں بھی دوسروں سے پیچھے کیوں رہا جائے۔ بس پھر کیا تھا۔ اللہ دے اور بندہ لے، زیرِ نظر مضمون میں ایسی نوٹ بازی کی ہے کہ عزیزی محمد ایوب قادری، مفتی انتظام اللہ شہابی اور برادرم خلیق نظامی بھی مبہوت ہو جائیں گے۔ اور مولوی ذکاء اللہ مرحوم کی روح بھی اپنی اس کوتاہی پر تاسّف کئے بغیر نہ رہے گی کہ "تاریخ ہند" کی (۷۱۶۹) صفحات پر مشتمل (۱۸) جلدوں میں ایک بھی حوالہ اور نوٹ نہ دیا درانحالیکہ تاریخی معلومات کا یہ دفتر بے پایاں سیکڑوں قلمی و مطبوعہ کتابوں کی زیادہ تر حرف بحرف نقل پر مشتمل ہے، اگرچہ یہ ضرور ہے کہ جن کتابوں سے انھوں نے کام لیا تھا ان میں سے اکثر اب ناپید ہیں اور جس طرح آئندہ نسلیں مولوی رئیس احمد جعفری کی لاتعداد کتابوں سے استفادہ کریں گی اسی طرح آج ہم مولوی ذکاء اللہ مرحوم کی وافر نویسی سے مستفیض ہو رہے ہیں۔

Marfat.com

جناب ناظر کاکوروی صاحب کے حواشی میں ایک بات قابلِ تعریف ہے کہ وہ سب کے سب طبع زاد ہیں، انھوں نے سرقہ سے کام نہیں لیا ہے اس کے برخلاف عام طور پر ہمارے برعکس نہند نام زنگی کافور بکثرت "محققین" یہ کرتے ہیں کہ دوسرے بڑے مصنفین کے انتہائی محنت سے جمع کئے ہوئے مواد اور اس کے حوالوں کو اپنی کتابوں میں کچھ ایسی چابکدستی سے شیر مادر کر لیتے ہیں گویا کہ وہ خود انھیں کی تلاش و جستجو کا نتیجہ ہیں اور بنیادی ماخذوں تک ان کی براہ راست پہونچ ہوگئی تھی۔ رہا اصل مصنف یا مؤلف۔ اگر کسی نے گرفت کرلی تو زیادہ سے زیادہ اُسے توارد کہکر ٹال دیا جاتا ہے، ویسے بھی ایسے تیز رفتار زمانہ میں اس قسم کی گرفت کی نوبت کہاں آتی ہے۔ حضرت عبدالماجد دریابادی، قاضی عبدالودود، مولانا غلام رسول مہر اور ماہر القادری جیسے نقاد لاکھوں میں معدودے چند ہوتے ہیں، سو اُن کو اس طرح کی کتابیں بھیجنے کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے۔

جناب ناظر کاکوروی کے مضمون میں سب سے زیادہ دلچسپ چیز یہ ہے کہ اس کے مطالعہ سے علیگڈھ کی پچاسیوں بھولی بسری شخصیتوں کی نہ صرف یاد تازہ ہوجاتی ہے بلکہ ان کی نگارشات کی بدولت علیگڈھ کے شب و روز کی جیتی جاگتی تصویر بھی آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ ناظر صاحب نے لکھنے کو تو مسٹر حبیب احمد صدیقی کے مجموعۂ کلام "فکر و نظر" کا "مقدمہ" لکھا ہے اور یہ پہلی قسط اس کی محض تمہید ہے لیکن جیساکہ

Marfat.com

ان کا طریقہ ہے تمہید ہی میں بات جانے کہاں سے کہاں پہونچ گئی۔

کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

اسی کو کہتے ہیں ——— آخر آپ ان واعظوں کے عاشق صادق، ہیں یا نہیں جو منبر پہ کھڑے ہوتے ہیں تو پورے ایک گھنٹہ کی تمہید میں تو گرما پاتے ہیں، اس کے بعد اصل موضوع کی طرف رجوع ہوتے ہیں، لہذا اس حساب سے آج آپ کا واسطہ صرف تمہید سے ہے۔ اگلی قسط میں آپ اصل مبحث یعنی حبیب صاحب کے حالات اور اُن کے کلام سے دو چار ہوں گے جس کی دلآویزی کی ہم پیشگی ضمانت دے سکتے ہیں۔

(العلم کراچی جنوری ۱۹۶۳ء)

مولانا سید طفیل احمد منگلوری (علیگ)

العلم کی گزشتہ اشاعت (جولائی تا ستمبر ۱۹۶۲ء) میں مولانا مرحوم پر میرے ناچیز مضمون کی پہلی قسط شائع ہوئی تو اُس کو بکثرت مقامی و بیرونی اصحاب نے پسند فرمایا۔ جن میں سے ایک مُحبّ محترم جناب حمید حسن کاظمی بی، اے (علیگ) بھی تھے۔ آپ نے ازراہ ذرّہ نوازی دفتر میں خود تشریف لاکر بالمشافہ بہت کچھ مدد دی۔ لیکن میں خالی خولی داد کا قائل نہیں ہوں۔ میں نے کاظمی صاحب سے عرض کیا کہ آپ بڑے ذی علم۔ مولانا مرحوم کے عزیز خاص اور اُن کے خاندانی حالات سے نہ صرف بخوبی واقف بلکہ ایک زمانہ میں کافی کام بھی کر چکے ہیں لہذا ایک یادداشت یا مضمون لکھکر عنایت کیجئے۔ تاکہ جو باتیں مجھے

Marfat.com

معلوم نہیں ہیں وہ آپ کی مہربانی سے ضبط تحریر میں آکر محفوظ ہو جائیں، شکرگذار ہوں کہ کاظمی صاحب نے میری ناچیز فرمائش کو قبول و منظور فرمایا اور ذیل کا مضمون (قسط دوم) آپ ہی کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے قسط سوم کی فرمائش میں نے جناب الحاج مولوی خصلت حسین صاحب صابری سے کی ہے جو مولانا مرحوم کے پاکستان میں بڑی حد تک ہم نشین اور اُن کے پُرانے فدائیوں میں سے ہیں، سُنا ہے مولانا کے حبیب لبیب جناب سید اصغر علی شاہ صاحب (علیگ) پنشنر جج بھی جنہوں نے کراچی میں "طفیل میموریل اسکول" نام کی ایک درس گاہ کھولی ہے۔ مرحوم کے حالات پر اگر تحریک کی جائے تو اپنے تاثرات قلم بند فرما سکتے ہیں۔ رہا میرا اپنا سلسلۂ مضمون تو وہ گھر کی کھیتی ہے ناظرین "العلم" "حدیثِ دیگراں" سے فارغ ہو کر جب چاہیں گے اسے ملاحظہ فرمائینگے

(العلم کراچی۔ اکتوبر ۱۹۶۲ء)

علی گڑھ میں میرے ۴۴ سال

جناب پروفیسر عبدالمجید قریشی صاحب جیسا کہ سب کو معلوم ہے علی گڑھ تحریک کی زندہ تاریخ ہیں اور خود اُن کی ذاتِ گرامی سے دارالعلوم کی بکثرت حسین و جمیل روایات وابستہ ہیں۔ ابھی حال میں، موصوف نے سرگودھا سے کراچی تشریف لاکر ۲۹ مارچ ۶۳ء کو ۵½ بجے شام آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ورکنگ کمیٹی کی، صدارت فرمائی تو اس موقع پر آپ سے یہ بھی فرمائش کی گئی کہ اپنے ۴۴ سالہ

Marfat.com

قیام علی گڈھ کی ایک آپ بیتی تحریر فرمادیں۔

قریشی صاحب کسی کام کے لئے آسانی سے راضی نہیں ہوتے ہیں۔ لیکن جب ایک دفعہ وعدہ فرمالیں تو پھر موعودہ کام کو ضعیف العمری کے باوصف ایسی سرعت سے انجام دیدیتے ہیں کہ حیرت ہوجاتی ہے۔ لہذا ذیل کا مقالہ موصوف نے دوسری گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود ایک دن بیچ تیسرے روز یعنی ۳۱ مارچ کی دوپہر تک تیار کر دیا۔ اور پھر ہم نے بھی یہ کیا کہ اپنے مخدوم عالی جناب مرزا ممتاز حسن صاحب، قزلباش سابق چیف منسٹر ریاست خیرپور کے دولت کدہ پر ایک شاندار لنچ کا انتظام کراکر بعد طعام اس لاجواب مقالہ کو زیر صدارت الحاج مولوی محمد عظمت اللہ صاحب دہلوی ایڈوکیٹ پڑھوایا۔ حاضرین نے فاضل مقالہ نگار کو خوب داد دی اور یقین ہے کہ ناظرین "العلم" بھی اس سے لطف اندوز ہوں گے۔

قریشی صاحب سرگودھا واپس جاچکے ہیں اور اپنی آپ بیتی کی دوسری قسط تحریر فرمارہے ہیں جو انشاء اللہ کسی اگلے شمارہ میں شائع ہوگی

(العلم کراچی۔ اپریل ۱۹۶۳ء)

پاکستان کا محفوظ خزانہ "بلوچستان" قیام پاکستان کے سلسلہ میں جب ہندوستان تقسیم ہوا تو اغیار نے یہ خیال کرکے خوب خوشی منائی تھی کہ جس قدر زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقہ تھا وہ ہندوستان

Marfat.com

کے حصہ میں آیا اور جتنا ریگستانی ویران اور بنجر پہاڑی علاقہ تھا وہ پاکستان کو ملا ہے۔ جس کے نتیجہ میں معاشی اعتبار سے پاکستان کبھی بھی خوشحال نہ رہ سکے گا۔ لیکن یہ کسے معلوم تھا کہ گردش زمانہ سے زرخیزی کی تعریف کچھ سے کچھ ہو جائے گی۔ سوئی گیس نے کوئلہ کی اہمیت کم کر دی۔ اسی طرح بے آب و گیاہ بنجر پہاڑوں اور ریگستان میں دوسری قیمتی معدنیات کی دریافت۔ نیز روئی، پٹ سن اور حسب ضرورت خوردنی اجناس اور انواع و اقسام کے پھلوں کی بڑھتی ہوئی پیداوار نے ہندوستان کے مقابلہ میں پاکستان کو رشک جنت بنا دیا ہے۔ صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کے عہد صدارت میں غیر ترقی یافتہ علاقوں کو ترقی یافتہ بنانے کی انتھک کوشش کی جا رہی ہے۔ اس خصوص میں مغربی پاکستان کے گورنر ملک امیر محمد خاں (نواب کالا باغ) جو اپنی فہم و فراست متانت و سنجیدگی اور تعمیری کاموں میں گہری دلچسپی رکھنے کے معاملہ میں مشہور و معروف ہیں ملک کے پسماندہ علاقوں کی حالت سدھارنے پر بہت کچھ توجہ فرما رہے ہیں۔ سخت سے سخت موسم میں بلوچستان کے آئے دن دورے ان کے اسی جذبۂ تعمیر ملی کا ثبوت ہیں۔ بلوچستان کا وسیع و عریض علاقہ پاکستان کا ایک "محفوظ خزانہ" ہے جس کو برآمد کرنے اور استحکام ملکی کے واسطے کام میں لانے کے لئے جناب حمید احمد کاظمی بی، اے (علیگ) کا محولہ بالا معلوماتی مقالہ ارباب حکومت اور اہل پاکستان کے بغور مطالعہ کا محتاج ہے۔

(العلم کراچی۔ اکتوبر ۱۹۶۴ء)

Marfat.com

کچھ "العلم" کی بابت

"العلم" آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کا سہ ماہی آرگن ہے۔ اور ایک باوقار علمی و تعلیمی ادارہ کے شایانِ شان جولائی ۱۹۵۱ء سے جاری ہے۔ اُس میں نہ افسانے ہوتے ہیں نہ غزلیں اور نہ تجارتی اشتہار۔ جہاں تک اُس کی پالیسی کا تعلّق ہے۔ نہایت اچھوتی میانہ روی کے باعث گزشتہ چودہ سال کے عرصہ میں اُس کے خلاف سرکاری یا غیر سرکاری سطح پر کبھی کوئی اعتراض نہ ہوا۔

باعتبار عقائد، مسلمانوں میں جو ۷۲ فرقے ہیں اُن پر مستزاد ہم چونکہ ایک تہترویں فرقہ "علی گڈھ تحریک" کے پیرو ہیں جس کی اصل روح :-

صُلحِ کُل ——— اور

کسے را با کسے کارے نبا شد

ہے لہٰذا اِس خصوص میں نہ تو کبھی ہم کسی پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور نہ کوئی دوسرا ہمارے اعمال و افکار کا نوٹس لیتا ہے۔

حکومت کے معاملہ میں عرض ہے کہ ہمہ وقت صرف "کانفرنس اکیڈیمی آف ایجوکیشنل ریسرچ" اور "سرسیّد گرلس کالج" کا مفاد ہمارے پیش نظر رہتا ہے۔ لہٰذا جو اربابِ حکومت ان اداروں کے ہمدرد ہوتے ہیں وہ ہمارے ممدوح اور جو ان سے اغماض برتتے ہیں۔ اُن سے ہم "صرف" بے نیاز رہتے ہیں۔ مخالفت کرنے کی نہ عادت ہے اور نہ

Marfat.com

فرصت۔ ملّی و ملکی فلاح و بہبود کا ایک مقدس مشن ہے جو یقین ہے
کہ جتنا ہمیں عزیز ہے اُتنا ہی مملکت کی انتظامیہ کو ہے۔

لیکن اس ہمہ جہت خیر سگالی کے باوصف سوءِ اتفاق سے ہم العلم
کے سلسلہ میں ایک چکّر میں پڑ گئے۔ جولائی تا ستمبر ۱۹۶۴ء کا پرچہ شائع
کرنے کے بعد اس عالم میں کہ اگلے پرچہ کے قریب قریب تمام مضامین
کی کتابت ہو کر ان کے پروف بھی آگئے تھے، مطبع نے اطلاع دی کہ ڈکلریشن
کی تجدید کا حکم آیا ہے۔ ہوا یہ کہ ازروئے پریس آرڈی نینس ہم نے
فروری ۱۹۶۱ء میں تجدید مذکور کے لئے درخواست دے دی تھی اور
سی، آئی، ڈی کی تحقیقات اور رپورٹ کے بعد، جولائی ۱۹۶۲ء کے
اخبار "ڈان" میں جن منظور شدہ اخبارات و رسائل کی فہرست شائع
ہوئی تھی اس میں "العلم" بھی شامل تھا۔ جس پر ہم غلطی سے مطمئن ہو گئے،
مگر اب بتایا گیا کہ ایک نیا ڈکلیریشن فارم بھی اُس وقت داخل کرنا چاہیئے
تھا۔ چنانچہ اس فروگذاشت کا علم ہوتے ہی ہم نے ۱۵ ستمبر ۱۹۶۴ء کو
معذرت خواہی کی درخواست پیش کر دی جو ڈی۔ ایم۔ آفس سے چل کر
سی، آئی، ڈی آفس۔ سینٹرل انٹلیجنس بیورو۔ اور ڈائرکٹر صاحب
انفارمیشن کے یہاں سے منزل بمنزل گذرتی ہوئی بالآخر فروری ۱۹۶۵ء
کی کسی شروع تاریخ میں ڈی۔ ایم۔ آفس دوبارہ واپس آئی اور ہر چہار
محکموں کی قابلِ تعریف مہربانیوں کی بدولت ہمیں ۸ فروری ۱۹۶۵ء

Marfat.com

کو "العلم" کا نیا ڈکلیریشن حاصل ہو گیا۔

اس داستان سرائی کا مقصد ناظرین "العلم" کو اکتوبر ۱۹۶۴ء کا زیرِ نظر شمارہ اواخر فروری یا اوائل مارچ ۱۹۶۵ء میں ارسال کئے جانے کی وجوہ بتانا تھا۔ نیز یہ معذرت بھی کرنی تھی کہ جب سابقہ پرچہ میں اس قدر تاخیر ہو گئی ہے تو جنوری تا مارچ ۱۹۶۵ء کا حالیہ ایک پرچہ اشاعت پذیر نہ ہو سکے گا۔ ہمارے ناظرین آئندہ اپریل تا جون ۱۹۶۵ء کے شمارہ کا انتظار فرمائیں۔

لیکن یہ سطور سپردِ قلم کرتے وقت ہمیں ایک اور عجیب تاثر ہوا، کہ ناظرین "العلم" سے کسی "معذرت" اور "دعوتِ انتظار" کی سرے سے کوئی ضرورت بھی ہے کہ نہیں! یوں تو ہر کلیہ میں استثناء ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر ہمارے خیال میں اس خالص علمی و تحقیقی مجلہ کی حیثیت ایک "ناخواندہ مہمان" کی سی ہے کیونکہ قریب چھ ماہ تک اُس کی عدم حاضری کی کسی نے شکایت نہ کی۔ حتیٰ کہ پرچہ کے طلب یا تقاضہ کا ایک کارڈ تک نہ آیا اور اس دل شکن کس مپرسی کے احساس نے بعض اوقات ہمیں یہاں تک سوچنے پر مجبور کر دیا کہ جو متذکرۂ بالا قانونی رکاوٹ پیش آ گئی تھی اُس کو دور کرانے کی مطلق کوشش نہ کریں اور اگر رسالہ بند ہو رہا ہے تو اُسے بند ہی ہو جانے دیں۔ مگر مجبوری یہ تھی کہ یہ پرچہ ہماری ذاتی ملک

Marfat.com

نہ تھا۔ ادارہ کا آرگن تھا، اور جب تک ادارہ کا وجود باجود ہے اُس کو بے زبان نہ ہونا چاہیئے۔

دراصل ہمارے قارئین میں جو صاحب فضل و کمال ہیں اُن کا علم اسقدر بڑھ گیا ہے کہ انھیں مزید معلومات کی ضرورت نہیں، اور جو عام قارئین ہیں سو وہ بیچارے اُسے بہترا اُلٹ پلٹ کر دیکھتے ہیں مگر اپنے ڈھب کا نہیں پاتے! بہرحال! مثل سابق "العلم" چھپتا رہے گا اور

کس بشنود یا نشنود من ہائے ہوئے می کنم

پر ہم بدستور عامل رہیں گے۔

اس وقت ہمیں یہ بھی یاد آیا کہ جس قسم کے حالات سے ہم دوچار ہیں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی صاحب مرحوم کو بھی اُن ہی کا سامنا رہا، چنانچہ جب تک وہ "معارف" کے مدیر رہے قریب پچاس کروڑ آبادی کے برصغیر پاک و ہند اور پورے عالم اسلامی میں اس کی اشاعت ۶سو سے زیادہ نہ تھی اور اس میں بھی کافی پرچے اعزازی جایا کرتے تھے۔ اسی طرح بابائے اُردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب مرحوم اپنے سہ ماہی رسالہ "اُردو" کو تمام دوسرے علمی پرچوں کی مقررہ تعداد اشاعت کے مطابق ایک ہزار چھپوایا کرتے تھے اور تھوڑے سے پرچوں کی تقسیم کے بعد بقیہ کو آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے انبار در انبار گودام میں محفوظ کرا دیا کرتے تھے۔ ہمارا (۱۲۸) صفحات کا یہ سہ ماہی "العلم" بھی جس پرفی پرچہ

دو روپے لاگت آتی ہے خیر سے ایک ہزار ہی چھپتا ہے اور معزز مستثنیات سے قطع نظر بڑی تعداد میں پندرہ پیسے کے مزید ٹکٹ لگا کر اُسے ملک اور بیرون ملک کے دانش کدوں اور دانشوروں کو روانہ کیا جاتا ہے۔ لیکن اس پر اچھی یا بُری رائے تو بڑی بات ہے رسید تک نہیں آتی اور نہ، "مرسل الیہ" کا پتہ تبدیل ہو جائے تو اُس کی کوئی اطلاع ملتی ہے۔ لہذا اب مجبوراً ہم نے یہ طے کیا ہے کہ اس مرتبہ پرانے لوگوں کو پرچہ ارسال، کرنے کے بعد آئندہ ہم صرف اُن حضرات کی خدمت میں رسالہ روانہ کریں گے جو کم از کم ہمیں اپنی خیر و عافیت اور موجودہ پتہ سے مطلع فرمائینگے "ما بخیر شما بسلامت" لے (العلم کراچی۔ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۴ء)

"میرے جیل کے دو سال" انگریزی زبان کا مشہور شاعر ڈرامہ نویس اور ادیب آسکر وائلڈ ۱۸۵۶ء میں آئرلینڈ میں پیدا ہوا وہ نظریہ "ادب برائے ادب" کا معتقد تھا۔ اُس کا رہن سہن اور اخلاقی کردار بھی اس نظریہ سے کافی متاثر تھا۔ اس لئے آسکر کو نقادوں کی طعن و تشنیع کا ہدف بننا پڑا، ساتھ ہی "کُل جدید لذیذ" کے مصداق آسکر وائلڈ کی شہرت اور ادبی عظمت ایک نئی ادبی تحریک کے منادی کی حیثیت سے روز افزوں ترقی کرنے لگی۔ ۱۸۸۲ء میں اسکو ایک تقریری دورہ کے لئے امریکہ بھیجا گیا۔ اُس نے بہت سی

لے افسوس ہے کہ اس تجویز پر طرفین کی جانب سے بالکل عمل نہ ہو سکا۔

ے وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں (بریلوی)

Marfat.com

نظمیں، ڈرامے، افسانے اور ناول لکھے جن میں سے بعض انگریزی ادب میں شاہکار سمجھے جاتے ہیں، وائلڈ کا ذاتی کردار اور سیرت معیاری نہیں تھی۔ لیکن اس کو جو ادبی عظمت حاصل ہوئی اس کی چمک دمک میں یہ خامیاں چھپ گئی تھیں۔ بدقسمتی سے ۱۸۹۵ء میں توہین کے ایک مقدمہ کے سلسلے میں عدالت کے روبرو اس کی اخلاقی کمزوریوں کے حیرت انگیز انکشافات ہوئے اور آسکر وائلڈ کو دو سال کی قید بامشقت کی سزا ہوئی۔ اس کا آخر زمانہ گمنامی اور خمود میں بسر ہوا۔ وطن چھوڑ کر پیرس میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۱۹۰۰ء میں انتقال کیا۔ یہ مضمون اس کے زمانۂ قید و بند کی ایک انتہا درجہ سبق آموز اور پُراثر آپ بیتی ہے جس کو بشکریۂ "نقوش" لاہور نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔

(العلم کراچی۔ اکتوبر ۱۹۶۴ء)

بیلا شاہ ۔ میرے اَبّا

بیلا شاہ کا اصلی نام ولایت حسین تھا۔ ۱۸۷۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ اسی زمانہ میں بریلی میں ایسا سخت قحط پڑا کہ ان کی ماں نے اپنی اور اپنے بچہ کی زندگی قائم رکھنے کے لیے انھیں ہمارے محلہ کے جفت فروشوں کے ایک خوشحال گھر میں لاکر فروخت کر دیا۔ ان کے نئے گھر کے منہ بولے ماں باپ نے ان کو انتہائی ناز و نعم سے پالا پوسا۔ لیکن جوان ہو کر وہ بُری صحبت میں پڑ گئے اور ان کے ڈھنگ خراب ہو گئے۔ پھر کوئی ایسا چکر پڑا کہ انھیں تین سال کی جیل بھی ہو گئی۔ جیلخانہ میں جیسا کہ خود

Marfat.com

میرے ایک جیلر دوست نے تصدیق کی سب قیدی مجرم نہیں ہوتے ہیں، بلکہ کم از کم پچیس فیصدی لوگ بے گناہ ہوتے ہیں اور حاکمانِ مجاز کی کسی دانستہ یا نادانستہ غلطی کے نتیجہ میں قید و بند کے مصائب جھیلتے ہیں' ان میں بعض اہل اللہ اور صاحبانِ کشف و کرامت بھی ہوتے ہیں جنکے فیض صحبت سے بڑے بڑے عادی مجرموں کی قلبِ ماہیئت ہوجاتی ہے۔ایسے ہی کسی بزرگ کی نظرِ کیمیا اثر ولایت حسین پر پڑ گئی اور وہ کچھ سے کچھ ہو گئے۔ لہٰذا جب وہ ایّام اسیری پورے کرکے آزاد ہوئے تو اپنے گھر واپس نہیں گئے بلکہ ہمارے مکان کے قریب ایک غیر آباد شکستہ مکان کے کھنڈرے میں چھوٹی سی جھونپڑی ڈال کر شب و روز یادِ الٰہی میں مصروف ہوگئے۔"خوردن برائے زلیستن" کا اللہ نے یہ سامان کردیا کہ ہمارے قریبی رشتہ کے دادا جنہیں سب لوگ ننھے بھائی جان کہتے تھے اور جو اپنے قد کی درازی اور بلند آوازی کے لئے شہر میں معروف تھے ولایت حسین عرف بیلا شاہ کے بہ توفیق ایزدی کفیل ہو گئے۔بے انتہا عُسرت زدہ ہونے کے باوجود جو خود کھاتے دونوں وقت بیلا شاہ کو پہونچا آتے۔ رفتہ رفتہ بیلا شاہ بھی اُنھیں اپنا باپ اور اُن کی بوڑھی بیوی ننی آپا کو اپنی ماں سمجھنے لگے۔سالہا سال خالصتاً لوجہ اللہ بے لوث خدمت و محبت میں بیت گئے۔ تا آنکہ دادا ننے بھائی جان کا انتقال ہوگیا اور ان کے اپنے تین متعلقین اور بیلا شاہ قطعاً بے سہارا رہ گئے، جب فاقوں پر فاقے ہونے لگے تو بیلا شاہ نے ایک دم اپنی زندگی کا

Marfat.com

چولا بدل ڈالا اور بلغوائے ؎

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجّادۂ و دلق نیست

ایک لوہے کے کارخانہ میں گھن چلانے کی نوکری کرلی۔ دن بھر اس شدید ریاضت سے جو مزدوری ہاتھ آتی اُسے شام کو چُپ چاپ اپنی منہ بولی ماں کے قدموں میں لے جاکر رکھ دیتے۔ اس حال میں بھی کافی برس گزر گئے یہاں تک کہ سیٹھ کھنّو لال کی عمارت میں ایک پُرانی مسجد اور ہرے بھرے شاہ کا مزار برآمد ہوا جس کی خدمت و مجاوری کے فرائض بیلا شاہ کو سپرد ہو گئے۔ سیّدہ انیس فاطمہ بریلوی کی درج ذیل پُر اثر داستان یہیں سے شروع ہوتی ہے۔

(العلم کراچی۔ جولائی ۱۹۶۵ء)

باقیاتِ نواب وقار الملک مرحوم

۱۹۳۵ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے نواب وقار الملک کی ایک مفصّل و مبسوط سوانح عمری بصرفِ زرِ کثیر، شائع کی تھی۔ مولوی محمد اکرام اللہ خاں ندوی مرحوم اس کے مؤلف تھے اور نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شیروانی نے اُس کی نگرانی فرمائی تھی۔ اس کے بعد مولوی محمد امین زبیری مرحوم نے ۱۹۳۸ء میں "تذکرۂ وقار" کے نام سے نواب صاحب کی ایک لائف شائع کی۔ ایک چھوٹی سی کتاب "حیاتِ مشتاق" کے نام

Marfat.com

سے بھی کسی زمانہ میں طبع ہوئی تھی۔ ان ہر سہ کتب ہیں برصغیر پاک وہند کے اس بطلِ جلیل اور بانیٔ آل انڈیا مسلم لیگ کے قریب قریب سب حالات سمٹ گئے ہیں، لیکن پھر بھی عرصہ سے یہ گمان تھا کہ نواب وقار الملک بہادر سے متعلق کافی مواد اُن کے صاحبزادے جناب مشتاق احمد خاں بیرسٹرایٹ لا۔ مقیم حیدر آباد (دکن) کے پاس محفوظ وموجود ہوگا جس کو دست بُردِ زمانہ سے بچاکر منصۂ شہود پر آنا چاہیئے چنانچہ وقتاً فوقتاً جناب مشتاق صاحب کو میں اس خصوص میں توجہ دلاتا رہا۔

خدا کا شکر ہے کہ صاحبزادہ صاحب موصوف جب سالِ گزشتہ کراچی تشریف لائے تو تمام مطلوبہ کاغذات اپنے ہمراہ لے آئے اور اب یہ قیمتی چیزیں مکان نمبر ۱۰۷ پیرالٰہی بخش کالونی کراچی میں اُنکی صاحبزادی بتول مسرور احمد صاحبہ بی، اے۔ بی، ٹی کے پاس موجود ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان چیزوں کو جلد از جلد نیشنل میوزیم آف پاکستان یا کوئی دوسرا بڑا کتب خانہ خرید کر اپنے پاس محفوظ کرلے۔ کاغذات مذکور کی تفصیل، درج ذیل ہے [۱] (العلم کراچی۔ جولائی ۱۹۶۵ء)

---

[۱] خدا کا شکر ہے کہ راقم کی تحریک اور جناب ممتاز حسن صاحب منیجنگ ڈائرکٹر نیشنل بنک آف پاکستان کی معارف پروری کی بدولت یہ نوادر نیشنل میوزیم نے دس ہزار روپے میں عزیزہ بتول مسرور صاحبہ سے حاصل کرلئے (بریلوی)

Marfat.com

مولانا سیّد محمد سُورتی مرحوم

مولانا مرحوم اپنے آخری زمانۂ حیات میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈھ کے کمپاؤنڈ میں راقم کے تعمیر کرائے ہوئے مکانات میں سے ایک مکان میں کرایہ پر رہتے تھے۔ ایک طرح کی کسمپرسی کا عالم تھا۔ علّامہ میمن عبدالعزیز صاحب نیز ان کے شاگرد علی گڈھ کی فضا پر چھائے ہوئے تھے لہٰذا مولانا سُورتی کو اُبھرنے کا موقع نہ ملا۔ نتیجہ میں ان کو بھی دنیا اور اہل دُنیا سے بیزاری حد درجہ بڑھ گئی تھی۔ لوگ بشمول راقم ان سے قُرب حاصل کرتے ہوئے پس و پیش کرتے تھے۔ البتہ جب انتقال ہوا تو جیسا کہ عام قاعدہ ہے ہر شخص کو بڑا ملال ہوا۔ تعزیتی جلسہ ہوا۔ ایصال ثواب کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔

کاش ہم لوگ اپنے اہل کمال کے ظاہری حالات پہ نہ جائیں اور جو جس کا مقام ہو اس کے مطابق اس کی زندگی میں قدر و منزلت کر کے حقِ انسانیت ادا کریں۔ جناب پروفیسر محمد سرور صاحب نے بڑا اچھا کیا کہ مولانا صاحب مرحوم کے حالاتِ زندگی اور کمالاتِ علمی کے متعلق یہ نہایت معلوماتی مقالہ سپردِ قلم فرما دیا۔

(العلم کراچی۔ جنوری ۱۹۶۶ء)

سر شاہ محمد سلیمان اور ادبِ اُردو

کراچی کے مشہور تھیوسافیکل ہال میں ۱۸ مارچ ۱۹۶۶ء کو ۵ بجے شام زیر صدارت آنریبل اے۔ آر۔ کارنیلیس چیف جسٹس پاکستان

Marfat.com

"یوم سر شاہ سلیمان" نہایت اہتمام سے منایا گیا۔ ہمارے بزرگ جناب مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی[1] اور جناب مولانا اسد القادری صاحب اس تقریب کے روحِ رواں تھے۔ صدر محترم نے اس موقع پر جو عالمانہ خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا (جس کی اخبارات میں اشاعت ہو چکی ہے) لاجواب تھا۔

سر شاہ مرحوم و مغفور علیگڈھ کی تعلیمی و اصلاحی تحریک کے اساتین میں سے تھے۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر اور مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے، الہ آباد ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ہونے کے ساتھ ہی ساتھ آپ وائس چانسلری کے فرائض بھی انتہائی خلوص، ایثار اور تندہی سے انجام دیتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ ہفتہ اور اتوار دو دن کے لئے ذاتی صرفہ سے فرسٹ کلاس میں الہ آباد سے علیگڈھ تشریف لاتے تھے۔ راحت و آرام کا جملہ سامان وائس چانسلر ہاؤس میں مہیا ہونے کے باوجود آپ دفتر سے ملحق ایک چھوٹے سے کمرہ میں قیام کرتے۔ کھانے کے متعلق یہ معمول تھا کہ علیگڈھ پہونچنے سے پہلے طلبا کے ڈائیننگ ہال کے منتظم کے نام تار آجاتا کہ تین چپاتیاں۔ دو شامی کباب

---

[1] صاحب تالیفاتِ کثیرہ۔ ایڈیٹر انجمن اسلامیہ میگزین کراچی۔ صدر ادارۂ تحقیق و تصنیف۔ سکریٹری انجمن ادارۂ شرقیہ جنرل سکریٹری اُردو اکیڈیمی۔ سکریٹری جناح ریسرچ اکیڈیمی۔ بانی دائرۃ المعارف قرآنیہ۔ صدر ابن تیمیہ اکیڈیمی۔ خازن دائرۃ معین المعارف، سکریٹری غلام حسین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بہاول پور، صدر انجمن اسلامیہ کراچی۔ نائب صدر و خازن جناح کالج وغیرہ وغیرہ۔

Marfat.com

قورمہ اور ہاف پلیٹ فیرنی۔ یا شاہی ٹکڑوں کا انتظام کیا جائے، جن کا بل وہ باخذِ رسید فوراً ہی ادا کر دیتے تھے۔

قاعدہ قانون کی سختی کے ساتھ خود پابندی کرتے اور دوسروں سے بھی بلا رورعایت تعمیل کراتے تھے۔ ویسے وہ حددرجہ منکسر المزاج، خلیق اور جوہر شناس تھے، دوسروں کی کارکردگی و کارگذاری کا فراخدلی کے ساتھ اعتراف فرماتے، چنانچہ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۳۹ء میں میری ایک چھوٹی سی، کتاب "مسلمانوں کی تعلیمی جدوجہد" (THE STRUGGLE OF MUSLIMS IN EDUCATION) بزبان انگریزی شائع ہوئی تو اتفاقاً علیگڈھ ریلوے اسٹیشن پر ان سے اس طرح آمنا سامنا ہو گیا کہ الہ آباد تشریف لے جانے کے لئے ریل کے ڈبہ میں سوار ہو رہے تھے۔ ایک پیر پلیٹ فارم پر اور ایک ریل کے ڈبہ میں رکھا تھا کہ مجھے دیکھتے ہی میری طرف پلٹ پڑے اور بڑے جوش و خروش کے ساتھ فرمانے لگے "بھائی آپ نے خوب کتاب لکھی ہے! مجھے بہت پسند آئی"، اس پر میں نے شکریہ ادا کیا اور درخواست کی کہ اپنی قیمتی رائے لکھ کر مرحمت کر دیں تاکہ وہ میرے لئے ہمیشہ باعث افتخار رہے۔ فرمایا "ضرور ضرور"! اور اس کے بعد دو تین روز ہی میں موعودہ "رائے" بذریعہ ڈاک مجھے پہونچ گئی۔

مشہور ماہر تعلیم، ادیب اور صحافی جناب مولوی نظام الدین حسین نظامی بدایونی کا درجِ ذیل مضمون جس کو میں نے سہ ماہی "مصنف" علیگڈھ

Marfat.com

بابت دسمبر ۱۹۴۳ء میں شائع کیا تھا اُسے اب دوبارہ بہ سلسلۂ منعقد شدہ "یومِ سرشاہ سلیمان" "نذرِ ناظرین" "العلم" کیا جارہا ہے۔ نظامی صاحب سرشاہ محمد سلیمان مرحوم کے حبیبِ لبیب تھے اس لئے ان کے اس مضمون کی خاص اہمیت ہے۔

موصوف نے منجملہ اور باتوں کے مضمون میں ایک چیز یہ لکھی ہے کہ سرشاہ کو اُردو نظم کی چھوٹی بڑی کتابیں خرید کر جمع کرنے کا شوق تھا۔ اس میں، میں یہ مزید اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ مرحوم کو سب سے زیادہ کلام پاک کے قلمی و مطبوعہ نسخے ہر قیمت پر حاصل کرنے کا شغف تھا۔ حد یہ کہ جس کسی کو کچھ داموں کی ضرورت ہوتی وہ بازار سے نقد یا اُدھار کلام پاک خرید کر ان کے پاس لے آتا۔ آپ اُسے چومتے آنکھوں سے لگاتے اور منہ مانگا ہدیہ پیش کردیتے۔ لبعض اوقات ایک ہی مطبع کے متعدد نسخے آجاتے مگر وہ کبھی نہ کہتے کہ یہ تو میرے پاس پہلے سے موجود ہے۔ چنانچہ جب آپ کا لاجواب کتب خانہ مسلم یونیورسٹی لائبریری میں بلاقیمت منتقل ہو کر "سرشاہ سلیمان کلیکشن" کے نام سے محفوظ ہوا تو اُس میں سب سے زیادہ کلام اللہ کے نسخے تھے۔

نظامی صاحب نے زیرِ نظر مضمون میں یوپی پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس ۱۹۲۴ء بمقام بدایوں کا بھی ذکر کیا ہے جس کی سرشاہ محمد سلیمان صاحب نے صدارت فرمائی تھی۔

اسی کانفرنس کا ایک اور اجلاس آپ نے الہ آباد میں بھی مدعو کیا

Marfat.com

جس کے وہ خود صدر استقبالیہ تھے۔ اس موقع پر یہ منظر قابل دید تھا کہ ہائی کورٹ کے جج ہونے کے باوجود ڈیروں خیموں کے لگوانے نیز دوسرے انتظامات میں عام رضاکاروں کی طرح محنت مشقت کے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ دھوپ میں کھڑے ہوئے کھونٹے گڑوا رہے ہیں، فرنیچر اُٹھوا رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ الغرض بہت ہی خوب انسان اور مسلمان تھے۔ ہمارے محترم سر شاہ محمد سلیمان مرحوم۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے نام نیک کو ابد الاباد تک قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

(العلم کراچی۔ اپریل ۱۹۶۶ء)

Marfat.com

مطبوعاتِ کانفرنس اکیڈمی

سعیدہ منزل متصل سرسید گرلس کالج، بی روڈ، ناظم آباد، کراچی ۱۸

(۱) گلشن بے خار:- مصنفہ نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ ترجمہ مع حواشی و تعلیقات از سید احسان الحق فاروقی ایم، اے — 12/-

(۲) مشرقی و مغربی تہذیب:- مصنفہ ڈاکٹر احسان محمد خاں ایم، اے، پی، ایچ ڈی — 3/-

(۳) ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں:- مؤلفہ علامہ سلیمان ندوی — 2/50

(۴) " " " " :- انگریزی ترجمہ از مرزا عاشق حسین ایم اے، ڈاکٹر زبید احمد ایم اے پی، ایچ ڈی — 7/-

(۵) ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں:- بنگالی ترجمہ از مولانا غلام محی الدین ایڈیٹر "آج" ڈھاکہ — 3/-

(۶) مُسلم خواتین کی تعلیم:- مؤلفہ مولوی محمد امین زبیری مرحوم — 2/-

(۷) اسلامی نظامِ تعلیم:- مؤلفہ پروفیسر سعید احمد رفیق ایم، اے — 3/-

(۸) شیخ عبد القدوس گنگوہی اور انکی تعلیمات:- از مولانا اعجاز الحق قدوسی تعارف از ڈاکٹر اینی شمیل پروفیسر بون یونیورسٹی۔ — 10/-

(۹) علمائے سلف و نابینا علما:- تصنیف نواب صدر یار جنگ مولینا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، تعلیقات و حواشی مفتی انتظام اللہ شہابی و ثناء الحق صدیقی ایم، اے — 9/-

Marfat.com

(۱۰) اُردو زبان اور اسالیب :۔ تصنیف سید محمد محمود رضوی مخمور اکبرآبادی — 9/-
مقدمہ از ممتاز حسن صاحب

(۱۱) حکیم عمر خیام :۔ تالیف ابوالکلام سلیم اللہ فہمی صاحب — 2/50
مقدمہ از سید الطاف علی بریلوی

(۱۲) خط و خطاطی :۔ مصنفہ شیخ ممتاز علی جونپوری، محمد ایوب قادری ایم اے — 1/2.5
مقدمہ از جناب ڈاکٹر زبید احمد ایم اے پی ایچ ڈی

(۱۳) پاکستان کا معاشی پس منظر :۔ مصنفہ سیدہ انیس فاطمہ بریلوی پیش لفظ — 3/50
از ڈاکٹر سید ظہیر الدین ایم اے، ڈی لٹ

(۱۴) ذکر و فکر :۔ مصنفہ سیدہ انیس فاطمہ بریلوی پیش لفظ از ڈاکٹر سید ظہیر الدین — 3/50
ایم اے، پی، ایچ ڈی

(۱۵) چند عظیم علمائے جراثیم :۔ انگریزی تصنیف مائیکروب ہنٹرز کا اُردو ترجمہ — 4/-
از پروفیسر عبد الحمید قریشی۔

(۱۶) تعلیمی نفسیات کا بنیادی خاکہ :۔ از پروفیسر وحید الحق صدیقی سابق — 4/-
پرنسپل ٹریننگ کالج علیگڈھ و سید منیر الدین احمد ایڈوکیٹ

(۱۷) علم و عمل (جلد اول) :۔ فارسی تصنیف وقائع عبد القادر خانی کا اُردو ترجمہ — 8/-
از مولوی معین الدین افضل گڑھی ترتیب و حواشی از محمد ایوب قادری بی اے
تعارف از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

(۱۸) علم و عمل (جلد دوم) فارسی تصنیف وقائع عبد القادر خانی کا اُردو ترجمہ — 8/-
از مولوی معین الدین افضل گڑھی ترتیب و حواشی از محمد ایوب قادری بی اے
تعارف از نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی

Marfat.com

(۱۹) مقدرِ انسانی :۔ لی کامت ڈونوائے کی تصنیف "ہیومن ڈسٹنی" کا اردو ترجمہ از پروفیسر عبدالمجید قریشی ایم، اے 0/50

(۲۰) رومن رسم الخط اور پاکستان :۔ مصنفہ مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی 3/-

(۲۱) قدیم شہنشاہیاں :۔ مصنفہ مولانا سید طفیل احمد منگلوری (علیگ) 3/-

(۲۲) جان ڈیوی کا فلسفۂ تعلیم :۔ ڈاکٹر زورتھ اسپنس آرنٹ کی تالیف جان ڈیوی ز فلاسفی آف ایجوکیشن کا اردو ترجمہ از سید عین الدین علوی ایم، اے 2/-

(۲۳) اصول واساس تعلیم :۔ سر پرسی نن کی عالمانہ تصنیف "ایجوکیشن اٹس ڈیٹا اینڈ فرسٹ پرنسپلس" کا اردو ترجمہ از انعام عظیم برنی و اخلاص حسین ایم، اے و محمد حسین خاں زبیری ایم، اے و سید بدر الحسن اللہ سید اظہر حسن رضوی ایم، اے۔ 7/-

(۲۴) اصولِ تدریس :۔ رائبرن اور فوج کی کتاب پرنسپلس آف ٹیچنگ کا اردو ترجمہ از اخلاص حسین ایم، اے 5/-

(۲۵) حیاتِ مابعد :۔ مصنفہ سید ضامن حسین نقوی گویا جہاں آبادی 3/50

(۲۶) مکاشفاتِ کشفی :۔ مصنفہ خان بہادر مرزا ابو جعفر کشفی 3/-

(۲۷) تجدد امثال :۔ مصنفہ سید ضامن حسین نقوی گویا جہاں آبادی 2/-

(۲۸) طالب علم کی ڈائری :۔ مصنفہ سید الطاف علی بریلوی بی، اے (علیگ) 3/-

(۲۹) مقاصدِ تعلیم :۔ اے۔ این وہائٹ کی تصنیف "امیس آف ایجوکیشن" کا اردو ترجمہ از سید محمد تقی ایڈیٹر روزنامہ "جنگ" کراچی 5/-

(۳۰) ارتقائے انسانی :۔ (جدید سائنس کی روشنی میں) مؤلفہ مولانا سید طفیل احمد منگلوری (علیگ) 2/-

Marfat.com

(۳۱) **جمہوریت اور تعلیم** (حصہ اول): جان ڈیوی کی تصنیف ڈیماکریسی اینڈ ایجوکیشن کا اُردو ترجمہ از سید محمد تقی ایڈیٹر روزنامہ "جنگ" کراچی 5/-

(۳۲) **جمہوریت اور تعلیم** (حصہ دوم) " " " " " " 5/-

(۳۳) **پُر اسرار کائنات**:- سر جیمس جینس کی کتاب "مسٹریس یونیورس" کا اُردو ترجمہ از سید محمد تقی ایڈیٹر روزنامہ "جنگ" کراچی. 6/-

(۳۴) **مشاہیر کے تعلیمی نظریئے**:- مولوی محمد حسین خاں زبیری ایم، اے (علیگ) 4/-

(۳۵) **مادری زبان کی تعلیم**:- مصنفہ پروفیسر یونس حسن فروغ علوی ایم، اے 3/-

(۳۶) **ثقافت و انتشار**:- میتھو آرنلڈ کی شہرۂ آفاق کتاب کلچر اینڈ انارکی" اُردو ترجمہ انعام عظیم برنی و اخلاص حسین ایم، اے 6/-

(۳۷) **نقد و ادب**:- ل احمد مقدمہ از جناب مخمور اکبرآبادی 3/-

(۳۸) **عظیم علمائے نفسیات**:- اُردو ترجمہ گریٹ سائیکلوجسٹس مصنفہ ایس سار جنٹ پی، ایچ، ڈی مترجمہ پروفیسر عبدالمجید قریشی، 12/-

(۳۹) **حیات حافظ رحمت خاں**:- مؤلفہ سید الطاف علی بریلوی بی، اے (علیگ) 10/-

(۴۰) **رفقائے عظیم**:- میکس ایسٹ مین کی تصنیف گریٹ کمپینینس از پروفیسر محمد حامی الدین خاں ایم، اے (علیگ) 10/-

(۴۱) **راہی اور راہ نما**:- سید الطاف علی بریلوی بی، اے (علیگ) 6/-

(۴۲) **تعلیمات حضرت شاہ مینا رح**:- الحاج مولوی خصلت حسین صابری صاحب 3/-

(۴۳) **سرسید کا علمی کارنامہ**:- قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی 2/-

(۴۴) **مفکرین تعلیم**:- پروفیسر ضیاء الدین احمد ایم، اے 7/-

Marfat.com

(۴۵) **عہدِ بنگش کی سیاسی علمی اور ثقافتی تاریخ**:۔ تالیف مفتی ولی اللہ فرخ آبادی۔ مترجمہ حکیم شریف الزماں اکبرآبادی حواشی و تعلیقات مسٹر محمد ایوب قادری ایم، اے 12/-

(۴۶) **تعلیمی مسائل**:۔ (پس منظر اور پیش منظر) مصنفہ سید الطاف علی بریلوی بی، اے (علیگ) 8/-

(۴۷) **مشاہیر کے تعلیمی نظریئے**: انگریزی ترجمہ 10/-

(۴۸) **اقبال کا نظریۂ تعلیم**:۔ از محمد احمد صدیقی ایم، اے (علیگ) 8/-

(۴۹) **ہند کے اسلامی عہد میں تعلیمی ترقی**:۔ تصنیف ڈاکٹر این، این لا ترجمہ اخلاص حسین زبیری ایم اے و سلطان فاطمہ بلخی 8/-

(۵۰) **نواب خان بہادر شہید**:۔ مؤلفہ سید مصطفیٰ علی بریلوی بی کام ایل ایل بی 4/-

(۵۱) **تجزیۂ کلام غالب**:۔ مصنفہ مولوی سید رفیع الدین بلخی مرحوم ایڈوکیٹ پٹنہ 5/-

(۵۲) **ادب منزل بمنزل**:۔ تصنیف سیدہ انیس فاطمہ بریلوی 6/-

(۵۳) **لائف آف حافظ رحمت خاں**:۔ انگریزی ترجمہ از پروفیسر محمد حامی الدین خاں ایم اے علیگ مؤلفہ سید الطاف علی بریلوی بی اے 20/-

(۵۴) **تعلیم و تعلم**:۔ مرتبہ سید الطاف علی بریلوی بی، اے (علیگ) 7/-

(۵۵) **انشائیے**:۔ از فضل احمد صدیقی ایم اے مقدمہ از ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی 4/-

زیرِ طبع

(۵۶) **ہسٹری آف مسلم ایجوکیشن**:۔ جلد اول

(۵۷) **تاثرات و مشاہدات**:۔ سیدہ انیس فاطمہ مقدمہ انعام عظیم برنی ایم اے

(۵۸) **مسلمانانِ کراچی کی تعلیم** (۱۸۴۳ تا ۱۹۴۷) از سید مصطفیٰ علی بریلوی

Marfat.com

تصانیف

سیّدہ انیس فاطمہ بریلوی

(۱) ادب منزل بمنزل : مقدمہ از ڈاکٹر محمد احسن فاروقی 6/0

(۲) پاکستان کا معاشی پسِ منظر :۔ مقدمہ ڈاکٹر سید محمد ظہیر الدین 3/50

(۳) تاثرات و مشاہدات :۔ (زیر طبع)

(۴) ذکر و فکر :۔ مقدمہ از انعام عظیم برنی ایم، اے -/75

(۵) یادیں اور خاکے :۔ (زیر طبع)

(۶) ۱۸۵۷ء کے ہیرو :۔ زیر طبع۔ بارسوم)

(شائع کردہ)

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

سعیدہ منزل متصل سرسید گرلس کالج۔ ناظم آباد، کراچی ۱۸

Marfat.com

تصانیف

سیّد الطاف علی بریلوی

حیاتِ حافظ رحمت خاں :۔ (اُردو طبع ثانی) 20/-

حیاتِ حافظ رحمت خاں :۔ ترجمہ انگریزی مع تفصیلی تمہید
پروفیسر حامی الدین خاں 20/-

طالب علم کی ڈائری :۔ (طبع دوم) مقدمہ از ڈاکٹر عترت حسین زبیری 3/-

راہی اور راہ نما :۔ سیّد الطاف علی بریلوی 6/-

تعلیمی مسائل :۔ (پس منظر اور پیش منظر)
پروفیسر محمد ایوب قادری 8/-

تعلیم و تعلّم :۔ مقدمہ از مولانا سیّد عبدالقدوس ہاشمی ندوی 6/-

شائع کردہ

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

سعیدہ منزل متصل سرسیّد گرلس کالج، ناظم آباد، کراچی ۱۸

Marfat.com

تراجم

پروفیسر محمد حامی الدین خاںؒ

رُفقائے عظیم

تصنیف: میکس ایسٹ مین، قیمت -/۱۵

لائف آف حافظ رحمت خاں

(انگریزی ترجمہ) تالیف سید الطاف علی بریلوی قیمت -/20

ہسٹری آف مُسلم ایجوکیشن

(زیر طبع و تصنیف)

شائع کردہ

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس

سعیدہ منزل متصل سر سید گرلس، کالج ناظم آباد، کراچی ۱۸

Marfat.com

مطبوعاتِ کانفرنس اکیڈمی

سرسیّد علیہ الرحمۃ اور اُن کے جانشینوں کی تعلیمی اور اصلاحی تحریک کی بنیاد ادب صالح کی تدوین واشاعت پر رکھی گئی تھی۔ اس خصوص میں سب سے زیادہ کام ایجوکیشنل کانفرنس نے کیا۔ کانفرنس کی بنا ۱۸۸۶ء میں ڈالی گئی اور متحدہ ہندوستان میں اس کی ساٹھ سالہ زرّیں خدمات سے اہل ملک بخوبی واقف ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد ۱۹۵۱ء میں اس ادارہ کا احیاء کراچی میں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے کیا گیا جس نے قیام سرسیّد گرلس کالج جیسی اہم خدمات کے علاوہ ایک "اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ" قائم کی ہے۔ جس کی طرف سے سہ ماہی رسالہ "العلم" اور بلند پایہ علمی وتعلیمی کتابیں شائع کی جارہی ہیں۔ ان مطبوعات کی اہمیت وافادیت کے بارے میں اکابر ملت اور جرائد کی قدر افزا آراء اور ہمت افزا تبصرے موصول ہوئے ہیں۔ چونکہ فروخت کتب کی کل آمدنی تعلیمی مقاصد میں صرف کی جاتی ہے اس لئے ہمدرد قوم حضرات سے توقع ہے کہ وہ ان کی خریداری کر کے اپنی معارف پروری کا ثبوت دیں گے۔

سیّد الطاف علی بریلوی

Marfat.com

العلم

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کا

سہ ماہی رسالہ

زیر ادارت

مشہور ماہر تعلیم اور مصنف و ادیب مولوی سید الطاف علی صاحب بریلوی بی، اے (علیگ)

اس رسالہ میں مملکت پاکستان کی تعلیمی ترقی اور ثقافتی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ مشاہیر اہل قلم کے لکھے ہوئے علمی اور تاریخی مضامین و مقالات شائع ہوتے ہیں۔

آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی علمی و ادبی جدو جہد کے متعلق معلومات درج ہوتی ہیں۔ اور عوام کی واقفیت کو وسیع تر کرنے کے لئے دل چسپ خبریں اور تبصرے ہوتے ہیں۔

چندہ سالانہ آٹھ روپے

کانفرنس کو کم از کم دس روپے سالانہ چندہ ممبری دینے والے حضرات کی خدمت میں یہ رسالہ مفت پیش کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

HASIL-I-MUTALA‘

(Quitessence of Books, Read)

By

Syed Altaf ‘Ali Brelvi

Foreword

By

Prof. Dr. Ghulam Mustafa Khan
M.A., Ph.D., D. Litt.

50/-

Price Rs. [illegible].00

Secretary
P. Edi. Conf.

Academy of Educational Research,
All Pakistan Educational Conference,
Karachi — 1967.

Marfat.com